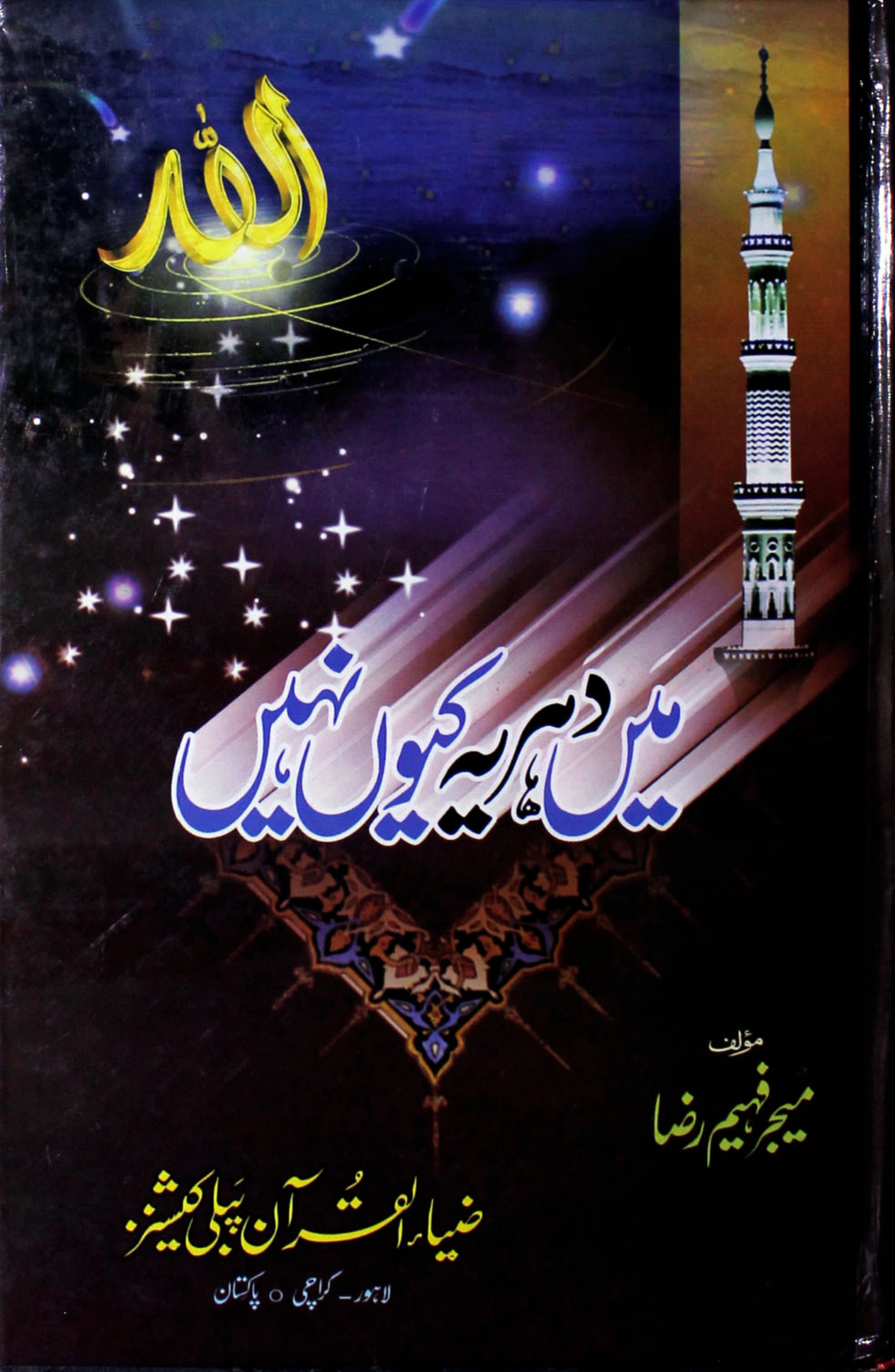

الله

میں دہریہ کیوں نہیں

مؤلف
میجر فہیم رضا

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور - کراچی ○ پاکستان

میں دہریہ کیوں نہیں

مؤلف

میجر فہیم رضا

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ○ پاکستان

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	میں دہریہ کیوں نہیں
تالیف	میجر فہیم رضا
تاریخ اشاعت	نومبر 2005ء
تعداد	ایک ہزار
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
کمپیوٹر کوڈ	1Z470
قیمت	-/135 روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔فون: 7221953 فیکس:۔042-7238010

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون: 7225085-7247350

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-2212011-2630411۔ فیکس:۔021-2210212

e-mail:- sales@zia-ul-quran.com

zquran@brain.net.pk

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

Marfat.com

فہرست مضامین

تعارف	6
انتساب	11
پہلی نشست	13
دلیل تاریخی	14
دلیل جبلی	15
کائنات کے انتظام سے دلیل	16
دلیل لسانی	17
دلیل حرکی	18
دلیل تنوع	19
دلیل ارتقائی	20
مادے کے تغیر وتبدل سے دلیل	21
وجود کی اقسام سے دلیل	22
دلیل حدوثی	23
دلیل بالذاتی	24
دوسری نشست	26
بگ بینگ کا نظریہ	27
قانون اتفاق	34
نظریہ چار قوت	37
قوانین فطرت	46

Marfat.com

تیسری نشست 48

منصوبے اور انتظام سے دلیل 58

دلیل اخلاقی 69

جذباتی پہلو کی دلیل 83

خوف مذہب کا سنگ بنیاد ہے 87

کیا مذہب نے تہذیب وتمدن کی ترقی میں مثبت کردار ادا کیا ہے؟ 90

مذہب پر اعتراضات اور ان کا جواب 94

چوتھی نشست 113

ذراتی طبیعات (Particle Physics) سے دلیل 113

کیا انسانی شعور حیاتیاتی ارتقاء کا نتیجہ ہے؟ 119

کائناتی شعور کی دلیل 126

عمل ارتقاء کا حیاتیاتی سائنس کی روشنی میں تفصیلی جائزہ 136

پانچویں نشست 150

سوال نمبر ۱:۔ کیا کسی شے موجود کا وجود انسانی حواس تک محدود ہے یا انسانی حواس سے ماوراء بھی اشیاء موجود ہیں؟ 150

سوال نمبر ۲:۔ کیا حقیقت ہمارے مشاہدے سے مختلف ہو سکتی ہے؟ 154

سوال نمبر ۳:۔ اصل حقیقت لطیف ہے یا کثیف؟ 156

سوال نمبر ۴:۔ قانون اتفاق انسانی دنیا کی سادہ ترین چیز سوئی (Needle) تخلیق کر سکتا ہے؟ 158

سوال نمبر ۵:۔ کیا انسانی دنیا میں کوئی ایک مثال بھی اس کی ملتی ہے کہ جہاں ایجاد یا تخلیق بغیر شعور کی مداخلت کے عمل میں آئی ہو؟ 159

Marfat.com

سوال نمبر۶:۔کیازمان ومکان صرف یہی ہے یااور جہاں بھی
موجود ہیں؟ 161

سوال نمبر۷:۔کیا ہرعمل کی بنیاد کچھ بنیادی مفروضات اور
تصورات کو بلاتحقیق وتجربہ پرمان لینے پر ہے یانہیں؟ 164

سوال نمبر۸:۔کیاعلم حاصل کرنے کا ذریعہ حواس ہی ہیں یا
کچھ اورعلم کے ذرائع بھی ہیں؟ 166

سوال نمبر۹:۔کیازندگی صرف اسی دنیا کی ہے یامرنے کے
بعد کسی اورزندگی کا وجود ہے؟ 182

علت اولیٰ کی دلیل The First Cause Argument۔ 188

میکانکی تصورحیات کے منطقی تضادات 193

فہرست کتب(Bibliography) 197

Marfat.com

تعارف

یہ ایک فرضی مناظرہ ہے جو ایک مذہب پرست (Believre) اور مادہ پرست (Non- Believre) کے درمیان ہے اس میں کوشش کی گئی ہے کہ مناظرہ حقیقت پسندانہ رہے۔ اور حقیقت پسندی کا دامن ہاتھ سے کہیں نہ چھوٹے۔ دراصل وجود خالق پر جو کچھ لکھا گیا وہ یک طرفہ لکھا گیا ہے۔ چاہے وہ مذہب پرست طبقے نے لکھا یا مادہ پرست طبقے نے لکھا۔ اس طرح یک طرفہ تحریر سے مسئلہ واضح نہیں ہوتا۔ جب تک دونوں فریق کے دلائل ایک ساتھ نہ پیش کیے جائیں۔ لہٰذا اس کتاب میں یہی کوشش کی گئی ہے کہ کسی بھی فریق کی طرف سے دلیل دی جائے تو دوسرا فریق اس کو اپنی دلیل سے رد کرے۔ اور پھر پہلا فریق اس رد دلیل کا رد کرے اور اس طرح ہر دلیل اپنے منطقی انجام تک پہنچائی جائے۔

دوسری بات اس کتاب کے بارے میں یہ ہے کہ اس میں عام سادہ دلائل سے ابتدا کر کے پیچیدہ اور سائنسی دلائل کی طرف تدریجی گفتگو پیش کی گئی ہے تا کہ ہر ذہنی سطح کا قاری اس کو اپنی ذہنی سطح کے مطابق ذہن نشین کر سکے۔

تیسری بات جو اس کتاب کی وجہ تسمیہ بنی۔ وہ یہ ہے کہ انگلینڈ کے ایک بہت بڑے فلسفی برٹرینڈ رسل (Bertrand Russel) انیسویں صدی کے ہیں۔ رسل ایک مادہ پرست اور لا مذہب فلسفی تھے۔ اور انہوں نے اپنی کتابوں میں مذہب کی حقانیت پر بہت سے عقلی اور سائنسی اعتراضات کیے ہوئے ہیں۔ ان کی کتابوں میں سے ایک کتاب کا نام ''میں عیسائی کیوں نہیں ہوں؟'' (Why I am not a christian) ہے۔ اس کتاب میں برٹرینڈ رسل صاحب نے ایک عیسائی پادری کاپلسٹن (Copleston) سے مناظرہ بھی کیا ہوا ہے۔ برٹرینڈ رسل کی اس کتاب میں وجود خدا اور مذہب کی حقانیت کے حوالے سے بہت سے علمی اور منطقی سوالات اٹھائے گئے ہیں۔ جن کے جوابات ہنوز مذہب پرست طبقہ کی طرف سے نہیں دیئے گئے تھے لہٰذا اس کتاب میں برٹرینڈ رسل کے

Marfat.com

ان اعتراضات کا بھی علمی و عقلی بنیادوں پر جواب دیا گیا ہے۔ اور ان کی اس مشہور کتاب کے نام سے بھی اس نام کا استخراج کیا گیا ہے۔ اس طرح میں نے اپنی اس کاوش کا نام رکھا ہے۔ ''میں دہریہ کیوں نہیں ہوں؟'' (Why I am not an Agnostic) اس طرح یہ کتاب برٹرینڈ رسل (Bertrand Russel) کی مشہور کتاب ''میں عیسائی کیوں نہیں ہوں'' (Why I am not a christion) کا جواب بھی ہے۔ اسی طرح یہ کتاب ول ڈیورینٹ کی کتاب نشاط فلسفہ (Pleasure of Philosophy) میں مذہب پر کیے گئے اعتراضات کا جواب بھی ہے۔

تاریخی پس منظر میں دیکھا جائے تو یورپ میں دہریت اور لا مذہبیت یورپ کی نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کا نتیجہ تھی۔ جب یورپ میں نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا۔ تو فطرت کے مظاہر کے بارے میں تحقیق شروع ہوئی۔ عیسائی پادریوں نے اس علمی تحریک کی شدت سے مخالفت کی۔ اور بہت سے سائنس دانوں کو ان کے نظریات اور نئے تصورات کی پاداش میں کڑی سزائیں دی گئیں۔ کیونکہ یہ نئی تحقیقات عیسائیت کے بہت سے عقائد کے خلاف تھیں۔ عیسائی پادریوں کی اس سائنس دشمنی کی وجہ سے سائنس دان اور دوسرے علم دوست مفکرین بھی عیسائی پادریوں کی دشمنی میں سائنس کی ایجادات اور تصورات کو مذہب دشمنی کے لئے استعمال کرنے لگے۔ اس مذہب دشمنی کے نتیجے میں یورپ کی نئی نسل میں لا مذہبیت اور دہریت پروان چڑھنے لگی۔

اور مذہب سے دوری میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ نیکولو میکیاولی (1469-1527) نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''پرنس'' (The Prince) میں اپنا سیاسی فلسفہ پیش کیا۔ اس کا خیال تھا کہ ذاتی مفاد ہی کسی ریاست کی یا طاقت کی بنیاد ہے۔ اس نے اخلاقیات کو سیاسیات سے خارج کرنے کا فلسفہ دیا۔ اور یہ نظریہ دیا کہ سیاست کے میدان میں اخلاقیات کا کوئی کام نہیں۔ سیاست جتنی زیادہ اخلاقیات سے تہی داماں ہوگی اتنی ہی بہتر اور کامیاب سیاست ہوگی۔ لہٰذا ایک کامیاب سیاست دان بننے کے لئے ضروری ہے

Marfat.com

کہ انسان اخلاقیات سے اپنا دامن چھڑا لے۔ میکیاوَلی کے اس فلسفے نے سیاست کے میدان کو اعلیٰ اخلاقی قدروں سے عاری کر دیا۔ اور اس طرح سیاست قومی اور بین الاقوامی سطح پر ذاتی مفادات کی کش مکش کا میدان بن گئی۔ دوسرا بندہ جس کے نظریات کو مذہب کی بنیادیں کھوکھلی کرنے کے لئے استعمال کیا گیا۔ وہ چارلس ڈارون (1809- 1882) ہے۔ اس نے اپنی مشہور کتاب ''اصل انواع'' (Origin of species) میں ارتقاء کا نظریہ پیش کیا. اس کے نظریہ ارتقاء کے مطابق جانداروں کی اسفل انواع ترقی کر کے اعلیٰ انواع میں تبدیل ہوئی ہے۔ اور انسان بھی اس طرح بن مانس (بندر) سے ارتقاء کر کے بنا ہے۔ ڈارون نے ارتقاء کے تین بنیادی اصول یا قانون پیش کیے۔ انتخاب طبعی (Natural selection)، تنازع للبقاء (Struggle for Existence) اور بقاء اصلح (Survival of the Fittest) اس نظریے کے تحت کرۂ ارض پر زندگی کا وجود ایک اتفاق سے شروع ہوتا ہے۔ اتفاقاً ایک زندہ خلیہ وجود میں آ گیا۔ اور پھر وہ خلیہ ترقی کرتے ہوئے مختلف انواع اور قالبوں میں ڈھلتا ہوا ایک طویل ارتقائی عمل کے نتیجے میں انسان بن گیا۔ اور اس تمام سکیم کے پیچھے کسی علیم و دانا ہستی کا کوئی ہاتھ نہیں۔ لہٰذا ڈارون کے اس نظریہ ارتقا نے مذہب اور اخلاقیات کی بنیادوں کو مزید کھوکھلا کر دیا۔ اور بقاء اصلح (Survival of the Fittest) کے اصول کے تحت معاشرے میں جس کی لاٹھی اس کی بھینس (Might is Right) کا رویہ پروان چڑھا۔ اور اس طرح ایک نو آبادیاتی نظام (Colonialism) وجود میں آیا۔ بڑی قومیں چھوٹی قوموں پر قبضہ جمانے کے لئے چڑھ دوڑیں۔ تیسرا بندہ جس کے خیالات نے یورپ میں مذہب کی بنیادوں کو کھوکھلا کر کے ایک فحش و عریاں تمدن کی داغ بیل ڈالی اس کا نام سگمنڈ فرائڈ ہے۔ اس نے انسانی رویوں کو جنسی حوالے سے پیش کیا۔ اور انسانی رویوں کی توجیح جنسی حوالے سے کی۔ اس کا نظریہ تھا کہ جنسی لذت کے راستے کی تمام رکاوٹوں کو دور کرنا چاہیے۔ اور معاشرے میں جنسی لذت پر کوئی پابندی نہیں ہونی چاہیے۔ اس نے بتایا کہ مذہب انسانی خوف کی پیداوار ہے۔ سگمنڈ

Marfat.com

فرائڈ کے اس جنسی آزادی کے فلسفے نے یورپ میں خاندان کے بندھنوں کو کھوکھلا کر دیا۔ اور شادی کی حیثیت ثانوی رہ گئی۔ اس طرح اس کے تمدن میں دراڑیں پڑنی شروع ہو گئیں۔ جو دو صدیوں بعد تمدنی حوالے سے یورپ کی مکمل ابتری کی صورت میں ظاہر ہوئیں۔ آئزک نیوٹن کے میکانکی اور تکمیل شدہ (Mechanistic & Accomplished) کائنات کے تصور نے بھی ایک خالق کے وجود پر لوگوں کے ایمان کو متزلزل کیا۔ منطقی اثباتیت (Logical Positivism) نے موجودات کو صرف محسوسات (Sense perception) تک محدود کر دیا۔ اس کے تحت موجود بس وہی ہے جس کا ادراک انسانی حواس خمسہ سے کیا جا سکے۔ لہٰذا منطقی اثباتیت کے نتیجے میں الہام، وحی، فرشتے، جنت و دوزخ وغیرہ سب دقیانوسی خیالات بن گئے۔ کارل مارکس نے مذہب کے مقابلے میں مارکس ازم کی بنیاد مکمل طور پر مادی خیالات پر رکھی۔ اور مارکس ازم کو ایک مکمل نظام کی صورت میں مربوط کر کے پیش کیا۔ مارکس ازم کا ایک بنیادی ستون مذہب کا خاتمہ تھا۔ اسی طرح مارکس ازم نے انسانی تاریخ کی حرکت کا بنیادی اور اہم ستون معاشیات کو قرار دیا۔ اور انسانی رویوں اور طبقاتی کشمکش کی توجیح معاشیات کے حوالے سے کی۔ متذکرہ بالا نظریات کی بنیادوں پر پروان چڑھنے والی یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک نے یورپ میں مذہب کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا۔ اور معاشرے کی ابتری (Disintegra-tion) کو مکمل کر دیا۔ اس طرح یورپ کی نشاۃ ثانیہ (Renaissance) جو کہ یونان و روم کے قدیم علمی اصولوں کو زندہ کرنے کے لئے تھا، سے ایک نیا بین الاقوامی ماحول (Global Order) تیار ہوا۔ اس نئے گلوبل آرڈر کے اہم نکات/نتائج مندرجہ ذیل تھے۔

(۱) مذہب فرسودہ رسوم کا مجموعہ ہے جو انسانی ذہن کی پس ماندگی کی پیداوار ہے۔

(۲) مرد عورت برابر ہیں۔

(۳) پردے کی کوئی ضرورت نہیں۔

(۴) جنسی آزادی انسانیت کے لئے ضروری ہے۔

Marfat.com

(۵)مخلوط تعلیم۔

(۶)عورت کی معاشی آزادی۔

(۷)سیاست کی اخلاقیات سے آزادی۔

(۸)ذاتی مفاد ہر حال میں حاصل کرنا چاہیے اور یہی نیکی ہے۔

(۹)جس کی لاٹھی اس کی بھینس وغیرہ۔

ان اصولوں پر مبنی ایک گلوبل آرڈر وجود میں آیا۔ جو ہنوز جاری ہے۔ اور اس گلوبل آرڈر کا خمیازہ آج 5 صدیوں بعد انسانیت بھگت رہی ہے۔ اور نہ جانے کب تک یہ نتائج انسانیت کو بھگتنے پڑیں گے۔

احقر

میجر فہیم رضا

Marfat.com

انتساب

میں اپنی اس کاوش کو سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کرتا ہوں۔ اور روز جزا ان کی شفاعت کا طلب گار ہوں۔

احقر
میجر فہیم رضا

Marfat.com

پہلی نشست

دھریہ: فہیم صاحب! میں اپنے وعدے کے مطابق حاضر ہو گیا ہوں۔ تا کہ وجود خدا کے بارے میں آپ سے تبادلہ خیالات کر سکوں۔ دراصل یہ میرا انتہائی پسندیدہ موضوع ہے۔ بلکہ میں تو گزشتہ رات بے چینی کی وجہ سے سو نہیں سکا۔ کیونکہ اس موضوع پر اس سے پہلے میں بہت سے مذہب پرست علماء اور دانش وروں سے گفتگو کر چکا ہوں۔ لیکن آج تک کوئی عالم بھی مجھے تسلی بخش جواب نہیں دے سکا۔ بلکہ اکثر اوقات گفتگو کے آخر میں انہوں نے مجھے کفر کا فتوی تھما دیا۔ کہ آپ تو کافر ہیں۔ اور میں ان کی سادگی اور کم علمی پر کیف افسوس ملتا رہ گیا۔ کیونکہ ان بیچاروں نے مذہب کی وجہ سے اپنی زندگیاں اجیرن بنا رکھی ہیں۔ اور اپنے آپ کو زندگی کی لذتوں اور مزوں سے دور رکھا ہوا ہے۔ اور یہ تکالیف اس لئے یہ لوگ جھیلتے ہیں کہ ان کے خیال میں مرنے کے بعد بھی ایک زندگی ہے اور وہاں جنت و دوزخ ہے۔ لہٰذا یہ نیک کام کر کے جنت میں چلے جائیں گے۔ اور وہاں پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ حالانکہ ان بیچاروں کو معلوم نہیں کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی ہے ہی نہیں۔ بقول شاعر

زندگی کیا ہے عناصر کا ظہور ترتیب
موت کیا ہے انہی اجزاء کا پریشان ہونا

بہر حال جب آپ نے میری دعوت مناظرہ (Challenge) کو قبول کیا تو مجھے بہت خوشی ہوئی۔ اگر چہ امید تو مجھے آپ سے بھی ایک عدد کفر کے فتوئی کی ہی ہے۔ لیکن کوئی بات نہیں۔ جہاں میرے پاس آپ کے علماء کے عطا کردہ اتنے فتوے پڑے ہیں۔ وہاں ایک آپ سے بھی لے جائیں گے۔ مجھے تو ان مذہبی علماء کی سادگی پر ہنسی آتی ہے کہ ارے بھئی! تمہارے فتوے سے مجھے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں اس بات پر فخر کرتا ہوں کہ میں ایک روشن خیال بندہ ہوں۔ اور مذہب کے فرسودہ خیالات، رسم و رواج حتی کہ ''وجود خدا'' پر بھی یقین نہیں رکھتا۔ بہر حال میرا خیال ہے مزید وقت ضائع کرنے کی بجائے اصل موضوع پر

Marfat.com

گفتگوشروع کی جائے تو بہتر ہے۔

فہیم: بالکل میرا بھی یہی خیال ہے کہ ہمیں اصل موضوع پر براہ راست گفتگو کرنی چاہیے۔اور مزید وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔کیونکہ کائنات کی سب سے قیمتی چیز وقت ہی ہے۔یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ کون روشن خیال ہے اور کون نہیں۔

دھریہ: جی ہاں آپ نے ٹھیک کہا۔تو پھر آپ شروع کریں دیر کس بات کی ہے۔

فہیم: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جس کی مدح تک بولنے والوں کی رسائی نہیں اور شمار کرنے والے جس کی نعمتیں شمار نہیں کر سکتے وہ اللہ جس نے جن وانس کو اپنی عبادت کیلئے تخلیق کیا۔تو ان میں سے کچھ تو اس کا انکار کرتے ہیں اور کچھ اس پر ایمان لاتے ہیں۔

یَا اَللّٰہ یَا رَحمٰن یَا رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا۔

تو محترم اب گفتگو شروع کرتے ہیں۔آپ وجود خدا کی نفی میں اپنی دلیل پیش کریں۔

دھریہ: میں ضرور اپنے دلائل دوں گا مگر مجھے امید نہیں ہے کہ آپ میرے دلائل کو حقیقت پسندانہ نگاہ سے دیکھیں گے اور ان کا غیر متعصّبانہ تجزیہ کریں گے۔کیونکہ آپ مذہبی لوگوں کا یہ مسئلہ ہے کہ آپ بہت متعصب ہوتے ہیں۔اور یہی تعصب دوسرے کے خیالات کو معروضی اور حقیقت پسندانہ طور سے تجزیہ کرنے کے راستے میں آپ کے لئے رکاوٹ ہوتا ہے۔بہرحال آپ دلیل پیش کرتے جائیں میں اس کو عقلی وسائنسی بنیادوں پر رد کرتا جاؤں گا۔

''دلیل تاریخی''

فہیم: میری پہلی دلیل انسانی تاریخ سے ہے۔انسان کی مسلمہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ انتہائی قدیم زمانے میں بھی رہنے والے انسانوں اور معاشروں میں خدا کا تصور پایا جاتا ہے۔اور وہ قدیم زمانے کے انسان بھی خدا کے وجود کو کسی نہ کسی طور سے مانتے تھے۔خدا کے تصور کے علاوہ اور کوئی تصور یا نظریہ انسانی تاریخ میں مستقل نہیں پایا جاتا۔جتنا خدا کا تصور پایا جاتا ہے۔کیا یہ انسانی تاریخ اس بات کی شہادت نہیں دیتی کہ وجود خدا انسانی

Marfat.com

فطرت کی آواز ہے اور انسان نے ہمیشہ اپنے عمل سے اس کی گواہی دی ہے کہ اس کائنات کا کوئی خالق ضرور ہے۔ اور عبادت خالق کا تصور ہر دور میں موجود رہا ہے۔

دھریہ: میں اس حقیقت سے انکار نہیں کرتا۔ کہ واقعی ہمیں انسانی تاریخ میں قدیم ترین تہذیبوں میں بھی خدا کا تصور نظر آتا ہے۔ اور رسومات عبادت ہر معاشرے میں پائی جاتی ہیں، مگر آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ تاریخ تو بس اقعات کا ریکارڈ ہوتی ہے۔ تاریخ اس بات سے بحث نہیں کرتی کہ کیا یہ خیال یا نظریہ درست ہے یا نہیں۔ یہی بات تو ہماری زیر بحث ہے کہ کیا یہ صدیوں پرانا وجود خدا کا نظریہ جو ہمیں تاریخ میں ملتا ہے اور پرانی تہذیبوں میں اس کے آثار ملتے ہیں۔ کیا یہ نظریہ درست ہے۔ عقل اور سائنس اس کی تائید کرتے ہیں یا پھر تردید کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ آثار مل جانا اس بات کی دلیل نہیں کہ وجود خدا کا نظریہ درست ہے۔ ہم تاریخ کی بنیاد پر ہی تو کہتے ہیں کہ وجود خدا کا تصور انسان کی کم علمی کا تخلیق کردہ ہے جب انسان ابھی فطرت کے قوانین کو سمجھ نہیں پایا تھا۔ تو اس نے فطرت کے مختلف مظاہر کو دیوی دیوتاؤں کا روپ دے دیا۔

''جبلی دلیل''

فہیم: میرا خیال ہے کہ وجود خدا کا تصور انسان کی جبلت میں ہے۔ کیونکہ ساری قومیں اور تمام مذاہب کے پیروکار جبلی طور پر وجود خدا کو تسلیم کرتے ہیں کیونکہ کوئی ایک خدا کو مانتا ہے کوئی تین کو اور کوئی بہت سے خداؤں کو مانتا ہے حتی کہ جو لوگ مذہب پر یقین نہیں رکھتے وہ بھی مادے کو کائنات کا خالق مانتے ہیں۔ لہٰذا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وجود خدا کا تصور انسانی جبلت کی آواز ہے۔ اور خالق نے اپنا تصور ان کے جینز (Genes) میں بھرا ہوا ہے۔

دھریہ: محترم فہیم صاحب میں اس بات کو نہیں مانتا ہوں کہ وجود خدا انسانی جبلت کا حصہ ہے۔ یہ تصور تو انسانی دور جہالت میں کمی علمی اور خوف کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ کیونکہ انسان مظاہر فطرت کے بارے کم علم رکھتا تھا۔ جس کی وجہ سے خوف کا شکار رہتا تھا۔ مثلاً جب قدیم انسان کو زلزلے سے واسطہ پڑا تو وہ زلزلے کے اصل اسباب وعلل کا علم نہیں رکھتا تھا۔

Marfat.com

لہٰذا اس نے زلزلے کو دیوی دیوتا کی ناراضگی سے تعبیر کیا۔ اور دیوی دیوتا کو خوش کرنے کے لئے انسانی جان کی قربانی دی۔ اب تھوڑی دیر بعد زلزلے نے تو رکنا ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا انسان نے یہ سمجھا کہ ہماری قربانی کی وجہ سے زلزلہ رک گیا ہے۔ اس طرح قدیم انسان نے اپنی کم علمی اور خوف کی وجہ سے کئی دیوی دیوتا تخلیق کر لئے۔ جیسا کہ آسمانی بجلی کا دیوتا، سورج دیوتا، پہاڑوں کا دیوتا، ستاروں کا دیوتا اور سمندروں کا دیوتا وغیرہ وغیرہ۔

''کائنات کے انتظام سے دلیل''

فہیم: اگر ہم اس کائنات پر غور کریں، تو ہمیں اس میں زبردست انتظام اور انصرام نظر آتا ہے۔ ستارے اور سیارے اپنے مقررہ راستوں پر چل رہے ہیں۔ سورج اپنے وقت پر طلوع ہوتا ہے اور غروب ہوتا ہے۔ موسم اپنے اپنے وقت پر تبدیل ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس کرۂ ارض پر کروڑوں لوگ آباد ہیں ہر ایک کی دو آنکھیں، دو کان، ایک ناک، ایک منہ اور ایک سر ہے۔ سب لوگوں کی آواز مختلف ہے۔ جب کہ سب کی اندرونی اور بیرونی جسمانی ساخت ایک ہے۔ مگر سب کی نفسیات مختلف ہے۔ سب کا دماغ ایک جیسا ہے مگر مختلف خیالات کے حامل ہیں۔ ان تمام معلومات سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ ان تمام عوامل اور کائنات کے انتظام وانصرام کے پیچھے ایک خالق کی ہستی کارفرما ہے۔

دھریہ: جہاں تک کائنات کے انتظام اور ارتباط کا تعلق ہے تو کائنات کے ابتدائی دور میں یہ نہیں تھا۔ اور ابتدائی دور میں کائنات میں کافی تشتت اور انتشار پایا جاتا تھا۔ اور پھر ایک لمبے عرصہ کے ارتقائی مراحل سے گزر کر کائنات میں یہ ارتباط اور انتظام پیدا ہوا۔ لہٰذا اس میں خالق کی دلیل کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ سائنسی لحاظ سے انتشار (Chaos) سے اتفاقی طور پر ارتباط (Organization) پیدا ہو سکتا ہے۔ آپ کی دلیل کا دوسرا حصہ انسانوں کی مختلف آواز، مختلف خیالات اور مختلف نفسیات کے بارے میں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آواز کے سلسلے میں آپ کو بتاتا چلوں۔ کہ انسان کے گلے میں آواز کا بکس (Sound Box) ہوتا ہے۔ اس کے اندر تار (Vocal Card) ہوتے ہیں۔ جب

Marfat.com

آوازان میں سے گزرتی ہے تو وہ مختلف فریکونسی سے حرکت کرتے ہیں۔اسی وجہ سے مختلف لوگوں کی آوازیں مختلف ہوتی ہیں۔اب رہی بات مختلف خیالات اور مختلف نفسیات کی تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ مختلف لوگوں کے دماغ کی کیمیاوی ساخت مختلف ہوتی ہے۔مختلف تعلیمی اور گھریلو ماحول مختلف والدین کے ذریعے موروثی اثرات اور مختلف تجربات و حادثات سے گزرنے کی وجہ سے لوگوں کے خیالات اور نفسیات مختلف ہوتے ہیں۔اگر یہ تمام اجزاء(Factors) ایک جیسے ہوں تو لوگوں کے خیالات اور نفسیات ایک جیسے ہوں گے۔لہٰذا ان سائنسی حقائق کی روشنی میں آپ کی دلیل باطل ہو جاتی ہے۔

''دلیل لسانی''

فہیم: تمام انسان اپنے خیالات کے اظہار کیلئے کوئی نہ کوئی زبان (Language) بولتے ہیں۔موجودہ نسل نے اپنے بزرگوں سے یہ زبان سیکھی۔انہوں نے اپنے بزرگوں سے انہوں نے اپنے بزرگوں سے اور اس طرح یہ سلسلہ پہلے انسان تک پہنچ جاتا ہے۔اب ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے مطابق تو انسان بن مانس سے ترقی کر کے بنا ہے۔تو اس پہلے انسان نے زبان (Language) کس سے سیکھی کیونکہ بن مانس (Apes) تو کوئی زبان نہیں بولتے۔اسی طرح جب شروع میں زبان ایک تھی تو بعد میں یہ مختلف زبانیں کیسے وجود میں آگئیں۔نظریہ ارتقاء کے مطابق تو صرف ایک ہی زبان (Language) ہونی چاہیے تھی۔

دھریہ: جناب فہیم صاحب یہ موجودہ زبانیں اور بولیاں (Languages & Dialects) تو انسانی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔انسانوں نے اپنی کوشش سے مختلف زبانیں اور بولیاں بنائی ہیں۔اس کے علاوہ ہر معاشرے اور قوم کی اپنی بولیاں ہیں۔اگر آپ افریکا کے جنگلوں میں چلے جائیں اور وہاں کے لوگوں کو آپس میں باتیں کرتے ہوئے دیکھیں۔تو آپ کو ان کی بولی جانوروں کی آوازوں کی طرح لگے گی۔لیکن ان لوگوں کے لئے وہ ایک مکمل بولی ہوتی ہے اور وہ ان کے مافی الضمیر بیان کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے۔اسی

Marfat.com

طرح یہ تمام پرندے اور جانور بھی اپنی اپنی بولیاں رکھتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کو پیغام دے سکتے ہیں۔ ہمارے لئے تو پرندوں اور جانوروں کی آوازیں بے ہنگم آوازیں ہی ہیں لیکن ان کے لئے یہ مکمل بولیاں ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ صرف انسان ہی بولی بول سکتا ہے اور باقی مخلوقات، پرندے جانور وغیرہ کوئی بولی نہیں بولتے۔ اور اس کا حوالہ تو مسلمانوں کی الہامی کتاب قرآن میں بھی ملتا ہے۔ مثلاً سورۂ نمل میں حضرت سلمان علیہ السلام کے متعلق چیونٹیوں کی گفتگو کا تذکرہ ہے۔ لہٰذا قرآن بھی اس نظریے کو مانتا ہے کہ چیونٹیاں آپس میں ایک مکمل بولی کے ذریعے گفتگو کرتی ہیں۔ لہٰذا ان سائنسی، تاریخی اور عقلی وجوہات کی بنیاد پر آپ کی دلیل لسانی باطل ہے۔

''دلیل حرکی''

فہیم: ہم کائنات میں یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ مادے کا ہر ذرہ متحرک ہے۔ اور ہر متحرک چیز کے لئے ایک حرکت دینے والا ضروری ہے اگر وہ حرکت دینے والا خود متحرک ہے تو پھر اس کو بھی حرکت دینے والے کی ضرورت ہے اور اس طرح یہ ایک لامتناہی سلسلہ بن جاتا ہے۔ جو کہ محال ہے۔ لہٰذا ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ اشیاء کو حرکت دینے والی ایک ذات ایک ہستی ہے اور مذہب کی اصطلاح میں اسے ''خدا'' کہتے ہیں۔

دھریہ: آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ مادے کے سارے ذرات حرکت نہیں کرتے۔ بلکہ صرف الیکٹرن ایٹم کے مرکزے (Nucleus) کے گرد گردش کرتے ہیں۔ پروٹان اور نیوٹران حرکت میں نہیں ہیں۔ مرکزے کی قوت کشش کی وجہ سے الیکٹران اس کے گرد گردش کرتے ہیں۔ اب رہ گئی ستاروں اور سیاروں کی گردش تو یہ بڑے دھماکے (Big Bang) سے وجود میں آئی تھی جو آج سے کھربوں سال پہلے ہوا تھا۔ کیونکہ نیوٹن کی حرکت کے دوسرے قانون کے تحت اگر کوئی جسم خلاء میں حرکت میں ہے تو وہ ہمیشہ حرکت کرتا رہے گا جب تک اسے کوئی بیرونی قوت روک نہ دے۔ لہٰذا نیوٹن کا دوسرا قانون حرکت ستاروں اور سیاروں کی حرکت کی تشریح کرتا ہے۔ بڑے دھماکے کے بعد جس

Marfat.com

ستارے اور سیارے کو جتنا جھٹکا لگا ہے اسی قوت سے وہ مسلسل حرکت کر رہا ہے اور آئندہ بھی کرتا رہے گا۔ سائنس کے اس قانون کی روشنی میں آپ کی دلیل کہ حرکت دینے کے لئے کسی ہستی کی ضرورت ہے باطل ہو جاتی ہے۔

''دلیل تنوع'' (Diversity)

فہیم: جب ہم مادے کے زرات کو دیکھتے ہیں تو وہ آپس میں مشابہت رکھتے ہیں لہٰذا ان کی خصوصیات بھی ایک جیسی ہونی چاہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مادے سے بننے والے مرکبات اور موجودات کی بہت سی اقسام ہیں اور ان میں بہت زیادہ تنوع (Diversity) پایا جاتا ہے۔ یہ اتنا تنوع ایک ہی قسم کے ایٹم سے ایک ہی قسم کے مادے سے کیسے وجود میں آ گیا۔ اسی طرح مادے کی تین حالتیں ٹھوس مائع اور گیس کیسے بن گئیں جب کہ ایٹم سب کے یا ٹھوس ہیں یا مائع یا گیس۔ لہٰذا ہمیں ایک خالق کا وجود تسلیم کرنا پڑتا ہے جس نے اپنے ارادے سے ایک ہی مادے سے مختلف النوع مخلوقات کو پیدا کیا۔ جس طرح ایک کارپینٹر ایک ہی لکڑی سے مختلف ڈیزائن کا فرنیچر بناتا ہے۔

دھریہ: محترم فہیم صاحب شاید آپ اس حقیقت سے آگاہ نہیں ہیں کہ مختلف عناصر کے ایٹم ایک جیسے نہیں ہوتے۔ اب تک 107 یا 108 عناصر دریافت ہو چکے ہیں۔ ان تمام عناصر کے ایٹم میں الیکٹران، پروٹان اور نیوٹران کی تعداد مختلف ہے۔ اگر ہم مزید گہرائی میں جائیں تو ایٹموں میں آئسوٹوپس (Isotopes) ہوتے ہیں جن میں الیکٹران اور نیوٹران تو ایک جیسے ہوتے ہیں مگر مرکزے میں پروٹون کی تعداد مختلف ہوتی ہے۔ لہٰذا سارے ایٹم ایک جیسے نہیں ہیں اور جب یہ مختلف تعداد میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو مختلف قسم کے مرکبات وجود میں آتے ہیں۔ اگر یہ ایک ہی تناسب سے آپس میں ملیں تو پھر ایک ہی قسم کے مرکبات بنیں گے۔ مادے میں یہ خصوصیت ہے کہ وہ اپنے استحکام کی جانب حرکت کرتا ہے مثلاً مالیکیول ایک ایٹم سے زیادہ مستحکم ہوتا ہے لہٰذا جہاں کہیں دو یا دو سے زیادہ ایٹم ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں وہ آپس میں مل کر مالیکیول بنا لیتے ہیں اسی

Marfat.com

طرح مالیکیولز آپس میں مل کر مرکبات بناتے ہیں اور سادہ مرکبات مل کر پیچیدہ مرکبات بناتے ہیں اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہتا ہے آپ نے اس بات کا مشاہدہ کائنات میں کیا ہوگا کہ ہر چیز اپنے استحکام کی جانب گامزن ہے۔ چاہے وہ مادہ ہے، پودے ہیں جانور ہیں یا انسان۔ استحکام اس مادے کی ذاتی صفت ہے۔ اسی وجہ سے ڈارون نے اپنے نظریہ ارتقاء کا ایک اصول یہی دیا ہے تنازع للبقاع (Struggle for Existence) لہٰذا کائنات میں یہ تنوع اور بوقلمونی مادے کی ذاتی صفت کی وجہ سے ہے نہ کہ کسی خالق کی وجہ سے۔ جس کو آپ مذہبی لوگ خدا کہتے ہیں۔

''دلیل ارتقائی''

فہیم: جیسا کہ آپ نے خود کہا کہ مادہ اپنے استحکام کی طرف گامزن ہے اور یہ ارتقاء کا ایک بنیادی اصول ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ مادے میں ارتقاء کا یہ تصور آیا کہاں سے؟ جب کہ مادے میں نہ شعور تھا نہ زندگی تھی۔ اگر آپ یہ کہیں کہ ارتقاء کا تصور اتفاقی طور پر مادے میں پیدا ہو گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اتفاقی واقعات تو کروڑوں میں سے ایک بار یا چند بار ہو سکتے ہیں۔ اس کے برعکس ارتقاء تو ایک مسلسل عمل ہے جو ابتدا سے آج تک جاری ہے۔ لہٰذا ہمیں ایک ایسی ہستی ماننی پڑتی ہے جو ارتقاء کو وجود میں لائی ہے۔ اور اس کو ایک خاص سمت میں چلا رہی ہے۔ اور اس ارتقائی عمل کی نگرانی بھی کر رہی ہے۔

دہریہ: ارتقاء کا تصور مادے میں پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ ارتقاء تو مادے کی ذاتی صفت ہے۔ جہاں تک حیاتیاتی (Biological) ارتقاء کا تعلق ہے یہ اتفاقی طور پر وجود میں آیا ہے۔ یہ اس طرح ہوا کہ کرۂ ارض پر ابتدا میں جو غیر نامیاتی مرکبات موجود تھے۔ ایک محض اتفاق کے تحت ان کی الٹ پھیر سے امینو اسیڈز کے مالیکیول بن گئے جو نامیاتی مرکبات ہیں اور ان امینو ایسڈز سے ایک زندہ خلیہ وجود میں آ گیا۔ اس زندہ خلیے میں تطبیق (Adoptability) اور تولید (Reproduction) کی صفت تھی۔ لہٰذا یہ ایک خلیہ بہت سے یک خلوی جانداروں میں تبدیل ہو گیا۔ پھر یہ یک خلوی جاندار ارتقاء کرتے ہوئے مختلف انواع میں

Marfat.com

ترقی کرتے ہوئے تبدیل ہوتے گئے۔ یہ ارتقاء کا سلسلہ کروڑوں سال تک جاری رہا حتی کہ ترقی کرتے کرتے بن مانس سے حضرت انسان وجود میں آ گیا۔ لہٰذا کم از کم آپ مذہبی لوگ ہمیں اتنی تو رعایت دیں کہ نامیاتی مرکبات سے ایک زندہ خلیہ اتفاقیہ وجود میں آ گیا۔ حالانکہ آپ آج بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ 9 مہینے میں ایک زندہ انسان رحمِ مادر میں زائی گوٹ (Zygote) سے مکمل انسان بن جاتا ہے لہٰذا یہی تمام مراحل زمین کے بطن میں 9 ارب سال یا کم زیادہ میں بغیر کسی عورت کے مکمل ہوا۔

''مادے کے تغیر و تبدل سے دلیل''

فہیم: جب ہم کائنات کا مشاہدہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ تمام موجود اشیاء یا تو جسم کی صورت میں اور یا صفت کی صورت میں ہیں جسم کی مثالیں یہ ہیں ستارے، سیارے، جنگل، پہاڑ، آگ، چاند، سورج وغیرہ اور صفت کی مثالیں یہ ہیں سختی، نرمی، سیاہی، سفیدی، سرد، گرم وغیرہ۔ چونکہ تمام اجسام عناصر سے مل کر بنے ہیں اور عناصر ایٹموں میں ٹوٹ جاتے ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ مادہ قابل تغیر ہے۔ لہٰذا ان عناصر کو پیدا بھی کیا جا سکتا ہے اور فنا بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور جب عناصر کو فنا کیا جا سکتا ہے تو مادے کو بھی تخلیق اور فنا کیا جا سکتا ہے۔ اور جب مادے کو تخلیق اور فنا کیا جا سکتا ہے تو پھر مادے سے بنی کائنات کو بھی فنا کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ کائنات کو پیدا کرنے والا ایک خالق ہے۔ جو واجب الوجود ہے اور مادے سے ماوراء ہے۔ اسی کو مذہبی اصطلاح میں ''خدا'' کہتے ہیں۔

دھریہ: میں آپ سے اس بات پر اتفاق کرتا ہوں کہ تمام اجسام اور مرکبات و عناصر پیدا بھی ہوتے رہتے ہیں اور فنا بھی ہوتے رہتے ہیں۔ مگر عناصر اور اجسام ایٹموں سے مل کر بنتے ہیں اور ایٹموں کو نہ تو پیدا کیا جا سکتا ہے نہ فنا کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً انسان موت کے بعد مٹی بن جاتا ہے جو کہ مادہ ہے۔ لہٰذا انسان تو نہیں رہا مگر مادہ موجود ہے۔ مادہ تو صرف اپنی حالت بدلتا ہے فنا نہیں ہوتا، اسی طرح الیکٹرولسز (Electrolysis) کے ذریعے پانی ہائیڈروجن اور آکسیجن کے ایٹموں میں تقسیم ہو جاتا ہے مگر مادہ تو قائم ہے پانی بھی مادہ تھا

Marfat.com

ہائیڈروجن آکسیجن بھی مادہ ہیں لہٰذا مادہ فنا نہیں ہوا بلکہ اس نے اپنی حالت بدلی ہے۔ نتیجتاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ مادہ نہ تو تخلیق ہوتا ہے نہ فنا ہوتا ہے بلکہ یہ اجسام اور مرکبات کو تخلیق بھی کرتا ہے اور فنا بھی کرتا ہے۔

''وجود کی اقسام سے دلیل''

فہیم: وجود کی تین قسمیں کہی جا سکتی ہیں۔ ایک قسم ممتنع الوجود یعنی جس کا عدم ضروری ہے۔ دوسری قسم واجب الوجود۔ جس کا ہونا ضروری ہے۔ اور تیسری قسم ممکن الوجود۔ جس کا ہونا یا نہ ہونا دونوں ضروری نہیں ہیں۔ پہلی قسم کا ہونا محال عقلی ہے۔ مثلاً دو لامحدود وجود نہیں ہو سکتے۔ تیسری قسم ممکن الوجود۔ اگر ہم کائنات میں مشاہدہ کریں تو کائنات کی تمام چیزیں اس قسم میں آتی ہیں یعنی ان کا ہونا یا نہ ہونا دونوں ضروری نہیں ہیں بلکہ غیر ضروری ہیں۔ یعنی تمام اشیاء کی یہ حالت ہے کہ وہ کسی وقت موجود نہیں تھیں پھر وجود میں آئیں اور کچھ وقت کے بعد پھر معدوم ہو جائیں گی۔ آپ اپنی مثال لیں۔ آج سے 100 سال پہلے آپ موجود نہیں تھے۔ پھر آپ اس دنیا میں پیدا ہوئے اور آج سے 100 سال بعد آپ پھر نہیں ہوں گے۔ ہمارے اردگرد کی تمام اشیاء اسی نوعیت کی ہیں۔ یعنی جن کا ہونا اور نہ ہونا دونوں غیر ضروری ہیں۔ دوسرے لفظوں میں کائنات کی تمام اشیاء ممکن الوجود ہیں لہٰذا ہمیں ایک واجب الوجود ہستی کی ضرورت ہے۔ کہ جس نے ان تمام ممکن الوجود اشیاء کو تخلیق کیا ہو۔ تو کائنات کے وجود پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پیچھے ایک واجب الوجود ہستی کارفرما ہے۔ جسے ہم خدا کہتے ہیں۔

دھریہ: محترم جناب فہیم صاحب آپ کی یہ دلیل بھی جدید سائنس کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی۔ وہ اس طرح کہ آپ نے وجود کی تین اقسام بتائی ہیں پہلی قسم وہ جس کا نہ ہونا ضروری ہے یا ممتنع الوجود میرے نزدیک تو یہ وجود کی قسم ہی نہیں۔ کیونکہ جس کا وجود ہی نہیں۔ اس کو وجود کی قسم کیسے کہا جا سکتا ہے۔ دوسری قسم ممکن الوجود (Contingent Being) اور تیسری قسم ہے واجب الوجود (Necessary Being) ان کے بارے میں میں یہ

Marfat.com

کہوں گا کہ تمام ممکن الوجود اشیاء مادے سے بنی ہیں اور جدید سائنس کے مطابق مادہ واجب الوجود ہے۔ یہ نہ تخلیق کیا جا سکتا ہے نہ فنا کیا جا سکتا ہے۔ اس کو کہتے ہیں بقائے مادہ کا قانون (Law of conservation of Mass) لہٰذا بقائے مادہ کا قانون آپ کی دلیل کو باطل کرتا ہے۔

''دلیل حدوثی''

فہیم: اچھا جناب اب ایک فلسفیانہ دلیل پیش کرنا چاہوں گا وہ یہ کہ جب ہم اس کائنات پر غور کرتے ہیں۔ تو کل کائنات کی حقیقت یا جسم ہے جیسے ہوا، آگ، پانی، مٹی، سیارے، ستارے، مرکبات وغیرہ۔ یا جسم سے قائم چیزیں جیسے سختی، نرمی، سیاہی، سفیدی وغیرہ اور چونکہ جسم نو پیدا ہے۔ مرکب ہے، اجزاء کے جوڑ سے پیدا ہوا ہے لہٰذا جسم حادث ہے کیونکہ جس چیز کے لئے جوڑ ہو۔ اس کے لئے توڑ بھی ہوتا ہے۔ اور توڑ سے مرکب کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے جسم حادث ہے اور قابل عدم ہے اس کے علاوہ جسم قابل تغیر بھی ہے۔ کبھی گرم، کبھی سخت، کبھی نرم، کبھی سرد۔ اور جس چیز میں صفات کا تغیر ہے اس میں عدم اور وجود کا بھی تغیر آ سکتا ہے کہ معدوم سے وجود اور وجود سے معدوم ہو جائے۔ اس لئے جسم حادث ہے اور مادہ میں بھی یہی صفات پائی جاتی ہیں لہٰذا وہ بھی حادث قرار پایا۔ جب عالم کائنات حادث ٹھہرا۔ تو اس کے لئے احداث اور ایجاد کرنے والا بھی ضروری ہے۔ اگر عالم کا موجد حادث ہو۔ تو اس کے لئے بھی ایک پیدا کنندہ اور احداث کی ضرورت ہوگی۔ اس طرح تسلسل لامتناہی لازم آئے گا۔ لہٰذا موجد عالم ایسی ذات ہوگی جو حادث نہ ہو۔ بلکہ قدیم ہو۔

دھریہ: جناب جہاں تک جسم یا مرکبات کا تعلق ہے کہ وہ موجود اور معدوم ہوتے رہتے ہیں تو آپ کی اس بات سے میں متفق ہوں۔ مگر اس کے باوجود مادہ اپنی جگہ مستقل قائم رہتا ہے وہ نہ موجود ہوتا ہے نہ معدوم۔

Marfat.com

''دلیل بالذاتی''

فہیم: اس کائنات میں جتنی بھی موجود چیزیں ہیں۔ وجود ان کی ذاتی صفت ہوگی یا عارضی یعنی کسی بیرونی علت کی وجہ سے انہیں وجود حاصل ہوا ہوگا۔ اب ان دونوں صورتوں پر الگ الگ بحث کرتے ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ وجود اشیاء کی ذاتی صفت ہے۔ مگر یہ صورت ممکن نہیں۔ کیونکہ ذاتی صفت موصوف سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ اس کو سمجھنے کے لئے ہم آگ کی مثال لیتے ہیں۔ کہ گرمی آگ کی ذاتی صفت ہے۔ آگ سے گرمی کبھی جدا نہیں ہوسکتی۔ اب جہاں آگ ہوگی وہاں گرمی بھی ہوگی۔ لہٰذا پہلی صورت درست نہیں۔ یعنی ''وجود'' موجودات عالم کی ذاتی صفت نہیں ہے۔ بلکہ یہ صفت ان کی غیر ہے۔ یا کسی بیرونی علت کے اثر کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ حیوانات ہوں یا انسان، نباتات ہوں یا جمادات یہ سب کبھی موجود ہوتے ہیں اور کبھی نہیں ہوتے۔ جو ان کا حال ہے وہ پوری کائنات اور اجسام عالم کا حال ہے۔ لہٰذا عقلی طور پر ثابت ہوا، کہ وجود اشیاء عالم کی ذاتی صفت نہیں ہے۔ اب جب کہ ''وجود'' اشیاء عالم کی ذاتی صفت نہیں۔ تو یہ موجودات کسی بیرونی علت کی وجہ سے موجود ہوئے ہوں گے۔ اور اس بیرونی علت کے لئے اس کا وجود اس کی ذاتی صفت ہونا چاہیے۔ جیسے آگ کے لئے گرمی۔ اگر وجود اس کی ذاتی صفت نہیں ہوگی تو پھر اس علت کے لئے بھی کسی اور علت کی ضرورت ہوگی۔ اور یہ سلسلہ لامتناہی بن جائے گا۔ جس کا وجود محال ہے۔

دھریہ: فہیم صاحب آپ جو بھی مثال دیتے ہیں اس میں مرکبات کی مثال دیتے ہیں اور مادے کی اصلیت کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس مثال میں آپ نے انسان، حیوانات، نباتات اور جمادات کی مثال دی ہے۔ جو مادے کے مرکبات ہیں۔ میں یہ تو مانتا ہوں کہ وجود ان مرکبات کی ذاتی صفت نہیں۔ مگر آپ یہ بھول گئے ہیں کہ یہ مرکبات اپنا وجود کھو کر مادے کی شکل میں موجود رہتے ہیں۔ اور مادے کا وجود باقی رہتا ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں ''وجود'' مادے کی ذاتی صفت ہے۔ مثلاً جب انسان مر جاتا ہے تو بحیثیت انسان اس کا

Marfat.com

وجود نہیں رہتا۔ مگر بحیثیت مادہ اس کا وجود باقی رہتا ہے۔ لہٰذا ''وجود'' مادے کی ذاتی صفت ہے جس کا وجود کبھی ختم نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ اس کی حالت بدلتی رہتی ہے۔ مادہ جوہر (ایٹم) پر مشتمل ہے اور ''وجود'' جوہر کی ذاتی صفت ہے۔ ''وجود'' اس سے جدا نہیں ہوسکتا۔

Marfat.com

دوسری نشست

فہیم: امید ہے آپ اکتائے نہیں ہوں گے۔ اصل میں میں نے جان بوجھ کر ایسے دلائل سے ابتداء کی ہے جو میں نے مختلف کتابوں میں پڑھے ہوئے تھے۔ جن کو آپ نے تسلی بخش طریقے سے رد کیا ہے۔ چونکہ ظاہری شکل سے انسان کی علمی گہرائی کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا میں نے جان بوجھ کر یہ عام فہم اور سادہ دلائل پیش کیے۔ کیونکہ اگر کوئی ان عام فہم اور سادہ دلائل سے مطمئن ہو جاتا ہے تو پھر اس کے ساتھ پیچیدہ سائنسی اور فلسفیانہ دلائل پر گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ میں ذاتی طور پر اس بات کا قائل ہوں کہ اگر ایک نظریے اور عقیدے کا کوئی ثبوت نہیں۔ دلیل نہیں تو اس کو کیوں مانا جائے۔ اور کیوں مذہب کے چکروں میں پڑ کر نماز، قرآن کے چکروں میں پھنسا رہے۔ اور زندگی کی مسرتوں سے لطف اندوز نہ ہوا جائے۔ یہ زندگی تو ایک ہی بار ملنی ہے تو ہم اسے مذہبی عبادات و رسوم میں کیوں ضائع کریں۔ لیکن اگر مذہب اور خدا ایک حقیقت ہے اور اس کے لئے عقلی و نقلی، سائنسی و فلسفی دلائل موجود ہیں اور دلائل سے ان کی حقانیت ثابت ہوتی ہے تو پھر عقل کا تقاضا یہی ہے کہ ان پر ایمان لایا جائے۔ اور اگلے جہان کی تیاری کی جائے۔ اسلاف کی اندھی تقلید کا میں قائل نہیں ہوں۔ اور نہ ہی میں اندھے، بہرے اور گونگے بن کر اسلاف کی تقلید کرتا ہوں۔ اس تقلید نے تو انسانی جوہر کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔ اسلام کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہی آباؤ اجداد کی اندھی تقلید تھی۔ جیسا کہ قرآن حکیم کی سورۂ بقرہ آیت 170 میں ارشاد ہوتا ہے کہ

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـــًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝

"جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے اتارے ہوئے کے مطابق چلو تو کہتے ہیں ہم تو اسی پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے۔ کیا اگرچہ

Marfat.com

ان کے آباء نہ کچھ عقل رکھتے ہوں نہ ہدایت''۔(بقرہ)

لہٰذا میں اباؤ اجداد کی اندھی تقلید کا قائل نہیں ہوں۔ اور کائنات کی حقیقتوں کو شعوری طور پر سمجھنے میں یقین رکھتا ہوں۔ اب میں اس موضوع پر اپنے انداز سے گفتگو کروں گا۔ کیونکہ آپ سے پہلی نشست میں اندازہ ہو گیا ہے کہ آپ عام فہم دلائل سے قائل نہیں ہو سکتے۔ اور آپ کے لئے گفتگو کو کافی سائنسی انداز میں آگے بڑھانا پڑے گا۔ تو موضوع کی ابتدا کرنے کے لئے میرا آپ سے یہ سوال ہے کہ آپ اس کائنات کے وجود اور اس میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات اور پھر لاکھوں، کروڑوں زندگی کی اقسام کی کیا توجیح کرتے ہیں۔ کہ یہ سب کچھ کیسے ہو رہا ہے؟ آخر اس کائنات کا ایک وجود ہے اور یہ کائنات موجود ہے لہٰذا اس کی توجیح تو کرنی پڑے گی اگر آپ خالق کے تصور کی نفی کرتے ہیں تو پھر آپ کائنات کے وجود کی خالق کے بغیر کیا توجیح پیش کرتے ہیں۔

بگ بینگ کا نظریہ

دھریہ: کائنات کے وجود میں آنے کے بارے میں جو مانا ہوا نظریہ ہے وہ بگ بینگ کا نظریہ ہے۔ جو 1946ء میں جارج گیمو (1904-68) نے پیش کیا۔ اس نظریے کے مطابق کائنات کا مادہ ایک ناقابل پیمائش کثافت میں کثیف حالت میں پڑا تھا۔ یہ ابتدائی حالت ایک انتہائی اونچے درجہ حرارت کی تھی۔ جس کے نتیجے میں ایک کائناتی دھماکہ ہوا۔ جارج گیمو کہتا ہے کہ عام عناصر دھماکہ ہونے کے بعد پہلے ہی منٹ میں ابتدائی ہائیڈروجن سے وجود میں آ گئے تھے۔

(Illustrated reference book of universe. Page: 90)

اس دھماکے کے بعد جو مادہ اور دھوئیں کا بہت بڑا بادل (Nabulae) تھا۔ اس نے ارتقائی منازل طے کر کے ستارے اور سیارے بنائے۔ سیارچی ارتقاء (Stellar Evolution) کے نظریے کے مطابق ایک ستارہ سیاروں کے درمیان موجود گرد و غبار کے بادلوں کے کثیف (Condense) ہونے سے وجود میں آتا ہے۔ کشش کی قوتیں اس کو

Marfat.com

کثیف کر کے سیکڑنا شروع کر دیتی ہیں حتی کہ اس کا جو مرکز ہوتا ہے وہ گرم ہو جاتا ہے۔ پھر ستارہ، ایک بہت بڑے سرخ گولے کی صورت میں چمکنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ سکڑنا اس وقت تک جاری رہتا ہے۔ جب تک کہ یہ ستارہ ارتقاء کے تربیتی سلسلے (Main Sequence) میں شامل نہیں ہو جاتا۔

(Illustrated reference book of universe. Page: 66)

اس سیارچی ارتقاء کے ذریعے مختلف کہکشائیں اور نظامہائے شمسی وجود میں آئے۔ ان بہت سے نظاموں میں ایک ہمارا نظام شمسی بھی ہے۔ پھر ہمارے نظام شمسی میں زمین پر اتفاقیہ طور پر ایک زندہ خلیہ وجود میں آ گیا جو کہ تولید کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس ایک خلیے نے تولید کے ذریعے بہت سے خلیے پیدا کر لئے۔ اور اس طرح ارتقاء کرتے ہوئے یہ ایک خلوی جاندار کثیر خلوی جاندار (Multicellular Organism) میں تبدیل ہو گئے۔ یہ ارتقاء جاری رہا حتی کہ پانی میں رہنے والے جانداروں میں سے ایک نے ایمفی بین (Amphibions) کی صورت اختیار کر لی۔ یہ جل تھلیے (Amphibions) جانور رفتہ رفتہ زیادہ پیچیدہ قسم کے رینگنے والے جانوروں میں تبدیل ہو گئے۔ ان رینگنے والے جانوروں میں سے ایک شاخ ارتقاء کر کے پرندوں میں تبدیل ہو گئی۔ اور دوسری شاخ ترقی کرتے کرتے بندر کی ہیت میں پہنچ گئی۔ بندر ترقی کر کے بن مانس کی صورت میں آ گیا۔ اور پھر بن مانس ترقی کرتے کرتے بشر نما (Humanoid) میں تبدیل ہو گیا۔ اور یہ بشر نما پھر ارتقائی منازل طے کرتا ہوا، ہم بشر (Homosapien) میں تبدیل ہو گیا۔ جدید سائنس ہمیں یہ بتاتی ہے اور کائنات کی توجیح اس طرح پیش کرتی ہے۔

فہیم: سب سے پہلے تو میں یہاں پر یہ بات واضح کرنا چاہوں گا کہ سائنس بھی ہمیں کائنات کے وجود کے بارے میں ایک طلسماتی اور ماورائی نظریہ ہی دیتی ہے۔ یہ جو کچھ آپ نے بیان کیا۔ یہ بھی ایک ماورائی یا دیو مالائی داستان سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ جو سائنسی نظریہ آپ نے دیا ہے یہ بھی ایک مفروضہ اور نظریہ ہے کوئی

Marfat.com

سائنسی حقیقت نہیں ہے جسے تجربے کی کسوٹی پر پرکھا جا سکے۔لہٰذا یہ صرف ایک نظریہ ہے جو سائنسی حلقے نے کائنات کے بارے میں پیش کیا ہے۔نہ اس کو تجربے کی کسوٹی پر پرکھا جا سکتا ہے اور نہ ہی انسانی حواس اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔لہٰذا اس سائنسی نظریے کی اصل نوعیت (Position) ایک مفروضے سے زیادہ نہیں ہے۔آپ کے نظریے کی اصل نوعیت کا تعین کرنے کے بعد اب ہم اس کو عقلی اور سائنسی بنیادوں پر پرکھتے ہیں اور اس کا منطقی تجزیہ کرتے ہیں۔لہٰذا میرا آپ سے پہلا سوال یہ ہے کہ یہ بڑا دھماکہ حقیقت میں کب ہوا۔

دھریہ: صحیح وقت کا تعین کرنا تو بہت مشکل ہے۔لہٰذا اس گفتگو کے لئے ہم 50 کھرب سال فرض کر لیتے ہیں۔

فہیم: آپ کے نظریے کے مطابق مادہ نہ تو پیدا کیا جا سکتا ہے اور نہ فنا کیا جا سکتا ہے۔لہٰذا مادہ ازلی ابدی ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مادہ تو ناقابل پیمائش کثافت میں کثیف، ازل سے یہاں بڑا ہوا تھا تو پھر یہ بڑا دھماکہ (Big Bang) صرف 50 کھرب سال پہلے کیوں ہوا۔یہ 200 کھرب، 300 کھرب یا 600 کھرب سال پہلے کیوں نہیں ہوا۔یہ ازلی مادے کو 50 کھرب سال پہلے اچانک کیوں خیال آیا کہ یہ اپنی نیند سے جاگے اور پھر بڑے دھماکے سے ایک عظیم پھیلتی ہوئی کائنات تخلیق کرے۔اگر تو یہ مادہ ایک زندہ ہستی ہے تو پھر تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس کی مرضی ہے۔لیکن اگر یہ مادہ ایک بے جان مادہ ہے اور اس میں کوئی ارادہ اور ہستی نہیں ہے تو پھر اس معمے کو حل نہیں کیا جا سکتا۔کہ آخر یہ دھماکہ 50 کھرب سال پہلے کیوں ہوا۔کیا آپ اس سوال کا جواب دے سکتے ہیں کہ جب مادہ ازل سے موجود تھا تو پھر بڑا دھماکہ صرف 50 کھرب سال پہلے کیوں ہوا؟

دھریہ: یہ تو بس اتفاق تھا کہ یہ بڑا دھماکہ 50 کھرب سال پہلے ہو گیا۔ورنہ اس سے پہلے بھی ہو سکتا تھا اور اس کے بعد بھی۔

فہیم: تو اب آپ نے ایک اور اتفاق (Chance) کو تسلیم کر لیا۔اور اس طرح آپ کے نظریے میں دو اتفاق (Chances) ہو گئے۔ایک اتفاق بڑے دھماکے کے لئے اور

Marfat.com

دوسرا اتفاق زمین پر ایک زندہ خلیے کے وجود کے لئے۔آپ ان اتفاقات کو یاد رکھیں۔ کیونکہ جب ہم قانون اتفاق پر گفتگو کریں گے تو ان کی ضرورت پیش آئے گی۔اگلا سوال یہاں پر یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب بڑا دھماکہ ہوا تو جو مادہ خلاء یا فضاء (Void) میں پڑا تھا وہ پھیل گیا۔خلاء یا فضاء (Void) کا درجہ حرارت تو مساوی اور ایک جیسا تھا پھر یہ کیوں ہوا۔ کہ جو مادہ پھیلا اس کے مختلف حصوں (Regions) نے مختلف درجہ حرارت حاصل کر لئے۔اس لئے کہ ہمیں مختلف درجہ حرارت والے ستارے اور سیارے کائنات میں نظر آتے ہیں۔اگر آپ یہ کہیں کہ یہ ہائیڈروجن سے ہیلیم کے ایٹم بننے کے ارتقاء میں فرق کی وجہ سے ہوا ہے۔تو اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مادہ ایک ہے تو ارتقاء میں فرق کیوں پیدا ہوا ہے۔

دھریہ: یہ ایک محض اتفاق تھا کہ ہیلیم کے ایٹم مختلف تناسب سے ملے۔اور مختلف قسم کی کہکشائیں وجود میں آ گئیں۔جن کا نتیجہ درجہ حرارت میں اختلاف کی صورت میں خلا پر ہوا۔

فہیم: تو اب آپ نے اپنی تھیوری میں ایک تیسرا اتفاق بھی شامل کر لیا۔اب اگلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے نظام شمسی میں کل نو سیارے ہیں۔یہ پانی اور آکسیجن صرف زمین پر کیوں پیدا ہوئے۔کسی اور سیارے پر کیوں نہیں پیدا ہوئے۔خاص طور سے مریخ پر۔ جب کہ مریخ پر حالات زمین سے بہت ملتے جلتے ہیں۔

دھریہ: یہ تو کرہ ارض کی مخصوص صورت حال کی وجہ سے تھا کیونکہ کرہ ارض پر ایک مخصوص قسم کے حالات پیدا ہو گئے تھے۔

فہیم: مگر یہی تو میرا سوال ہے کہ کرہ ارض پر وہ مخصوص موسمی حالات اور آب و ہوا کیوں پیدا ہوئے۔اور وہی حالات کسی اور سیارے پر کیوں نہ پیدا ہوئے۔کرہ ارض کو ان حالات کے پیدا ہونے کے لئے کس نے منتخب کیا۔

دھریہ: یہ تو محض اتفاق تھا کہ یہاں پر یہ حالات پیدا ہو گئے۔

فہیم: تو اب آپ نے ایک چوتھا اتفاق اپنے نظریے میں شامل کر لیا۔اس طرح کل

Marfat.com

4 اتفاقات اب تک آپ کے نظریے میں شامل ہو گئے ہیں۔ یہ یاد رکھنے کی بات ہے کیونکہ جب قانون اتفاق پر گفتگو ہو گی تو یہ کام آئیں گے۔ اب اگلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ جو ایک زندہ خلیہ پیدا ہوا۔ وہ کیوں کثیر خلوی جاندار میں تبدیل ہوا۔ اس نے یہ کوشش کیوں کی جب کہ وہ ایک یک خلوی (Unicellar) حیثیت میں بھی رہ سکتا تھا۔ اس یک خلوی نے یہ ضرورت کیوں محسوس کی کہ اسے کثیر خلوی جاندار کی صورت میں تبدیل ہونا چاہیے۔ اور یہ کثیر خلوی جاندار بننے کا خیال اور نظریہ اسے کہاں سے حاصل ہوا۔ جب کہ اس وقت تو کرۂ ارض پر کثیر خلوی جاندار کا کہیں وجود نہیں تھا۔ پھر یہ خیال اسے کیسے آیا۔ آخر کثیر خلوی جاندار بننے کی کیا ضرورت ہے یک خلوی جاندار ہی کیوں نہیں۔

دھریہ: میرا خیال ہے کہ یہ محض اتفاق تھا ورنہ یک خلوی جاندار میں عقل تو تھی نہیں جس سے وہ سوچتا۔ لہٰذا یہ ایک اتفاق ہی تھا۔

فہیم: تو اب آپ نے ایک اور اتفاق اس میں شامل کر لیا۔ اس طرح آپ کے نظریے (Theory) میں پانچ اتفاقات شامل ہو گئے ہیں۔ اگلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب زندگی کثیر خلوی جاندار کی صورت میں پانی میں احسن طریقے سے چل رہی تھی تو پھر کچھ جانداروں نے زمین پر آنے کی کیوں کوشش کی۔ تا کہ خشکی پر بھی زندگی کا وجود قائم ہو سکے۔ انہوں نے پانی کے اندر ہی رہ کر زیادہ ترقی یافتہ انواع کیوں نہیں بنائیں۔ مثلاً پانی کے اندر ہی بندر کیوں نہیں بنایا۔ پانی کے اندر رہنے والے انسان کیوں نہیں بنائے۔ اسی طرح جل تھلیے (Amphibians) انسان کیوں نہیں بنائے۔

دھریہ: یہ تو ان کی مطابقت (Adoptability) کی جبلت کی وجہ سے تھا۔ کہ انہوں نے خشکی کے ماحول سے مطابقت پیدا کر لی۔

فہیم: مگر وہ تو پانی سے مطابقت پیدا کر چکے تھے۔ اور بڑے مزے سے پانی میں رہ رہے تھے۔ پھر اچانک ایک لگی بندھی مطابقت کو چھوڑ کر ایک نئے ماحول کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اور ان کو یہ خیال کیوں آیا کہ نہیں خشکی سے بھی مطابقت

Marfat.com

پیدا کرنی چاہیے۔ جب کہ پانی کے اندر ہی ان کی تمام ضروریات کا سامان مہیا تھا۔

دھریہ: ایک بار پھر میں یہی کہوں گا کہ یہ محض اتفاق تھا۔ ورنہ اس کے پیچھے پانی کی کثیر خلوی جانداروں کا کوئی سوچا سمجھا منصوبہ نہیں تھا۔

فہیم: تو جناب اس طرح آپ نے ایک اور اتفاق اپنے نظریے میں شامل کرلیا۔ اس طرح اب تک چھ اتفاقات شامل ہو چکے ہیں۔ اگلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب خشکی پر کام اچھا خاصا چل رہا تھا۔ تو پھر کیوں ایک نوع نے یہ ضرورت محسوس کی کہ وہ پرندوں کی نوع میں تبدیل ہو جائے۔ جب کہ رینگنے اور چلنے والے جاندار ہی کافی تھے۔ آخر یہ پرندوں کی نوع بنانے کا خیال کیوں آیا۔

دھریہ: اس کا بھی ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ محض اتفاق تھا کہ مطابقت کی جبلت کے تحت پرندے وجود میں آ گئے۔

فہیم: تو اب آپ نے ساتواں اتفاق (Chance) اپنے نظریے میں شامل کرلیا۔ اسی طرح جب ہم خشکی کے جانوروں کے ارتقاء پر نظر کرتے ہیں تو بن مانس سے اچانک حضرت انسان کا تخلیق ہو جانا۔ جو عقل و شعور رکھتا تھا۔ جو اپنا مافی الضمیر الفاظ کے ذریعے بیان کرسکتا تھا اور جو اپنے علم کو اپنی اگلی نسل تک منتقل کرسکتا تھا، تو انسان کی تخلیق بھی ایک اتفاق تھا یہ آٹھواں اتفاق ہوا۔ اب اگلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ انسان کی تخلیق آج سے ایک ملین سال پہلے ہوئی۔ ایک ملین سال گزرنے کے باوجود آخر انسان سے مزید ترقی یافتہ نوع کیوں نہیں پیدا ہوئی۔ اور انسان پر آ کر یہ ارتقا اچانک رک کیوں گیا۔

دھریہ: ارتقاء رکا نہیں ہے۔ بلکہ صرف اس کی نوعیت بدل گئی ہے۔ پہلے جسمانی (Physical) ارتقاء ہو رہا تھا۔ اب انسان پر آ کر ذہنی (Mental) ارتقاء شروع ہو گیا ہے۔

فہیم: جناب یہی تو میرا سوال ہے کہ لاکھوں سال کے جسمانی ارتقاء کے بعد انسان پر آ کر ارتقاء کا رخ جسمانی سے ذہنی سطح کی طرف کیوں منتقل ہو گیا۔

دھریہ: یہ اس لئے کہ انسان کی جسمانی ہیئت (Physiology) بہترین صورت میں

Marfat.com

آ گئی ہے۔لہٰذا اس سمت میں مزید ترقی نہیں ہو سکتی تھی۔لہٰذا جسمانی ارتقا رک گیا۔اور ذہنی ارتقاء شروع ہو گیا جو ابھی تک جاری ہے۔

فہیم: یہ مادہ پرستوں کی ایک غلط فہمی ہے کہ انسان کی جسمانی ہیئت بہترین ہے۔اور اسے مزید جسمانی ارتقاء کی ضرورت نہیں۔حالانکہ جسمانی ہیئت کے حوالے سے ان میں بہت سے نقائص کی نشاندہی کی جا سکتی ہے۔مثال کے طور پر انسان اندھیرے میں نہیں دیکھ سکتا۔جب کہ چمگادڑ اور بلی دیکھ سکتی ہے۔انسان چیونٹیوں کی طرح تیز قوت شامہ نہیں رکھتا۔انسان مکڑی کی طرح دیوار پر نہیں چڑھ سکتا۔انسان مچھلیوں کی طرح پانی کے اندر نہیں رہ سکتا۔انسان پرندوں کی طرح فضا میں اڑ نہیں سکتا۔انسان شہد کی مکھی کی طرح تیز نظر نہیں رکھتا۔انسان جگنو کی طرح چمک نہیں سکتا۔وغیرہ وغیرہ۔یہ صرف چند باتیں میں نے مثال کے طور پر پیش کی ہیں۔ورنہ اس کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں جو انسان کی جسمانی ہیئت میں کمی کی نشاندہی کرتی ہیں۔کیا آپ مجھ سے اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ واقعی جسمانی ہیئت کے حوالے سے بھی ابھی بہت ارتقاء ہو سکتا تھا۔جو کرنا باقی تھا۔مگر انسان پر آ کر ارتقاء رک گیا۔

دھریہ: جی ہاں میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں کہ واقعی جسمانی ہیئت کے حوالے سے انسان میں بہت سے نقائص پائے جاتے ہیں۔لہٰذا آخر کار ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ محض اتفاق (Chance) تھا کہ ارتقاء جسمانی سے ذہنی سطح کی طرف منتقل ہو گیا۔

فہیم: تو اس طرح آپ نے نواں (Nineth) اتفاق اپنے نظریے میں شامل کر دیا۔اس طرح کل نو اتفاقات ہو گئے ہیں۔لہٰذا میرا خیال ہے کہ نظریہ ارتقاء کی مزید تفصیل میں جانے سے پہلے ہمیں ''قانون اتفاق'' پر بھی بات کر لینی چاہیے۔لہٰذا آپ یہ بتانا پسند کریں گے کہ ''قانون اتفاق'' (Law of Chance) کیا ہے؟

دھریہ: میں معافی چاہتا ہوں۔میں اس کے بارے میں نہیں جانتا۔لہٰذا آپ خود ہی اس پر روشنی ڈالیں۔

Marfat.com

قانون اتفاق (Law of Chance)

فہیم: قانون اتفاق کے تحت ایک مربوط (Organized) اتفاق یا اتفاقات (P) وقت میں صرف ایک بار وقوع پذیر ہوسکتا ہے۔ ایک (P) کی مقدار برابر ہوتی ہے اس ہندسے کے۔ جس میں ایک بعد 40 صفر لگائیں جائیں۔ یعنی (40 صفر).....1,000,00 ایک کے بعد چالیس صفر لگانے سے (P) کی مقدار حاصل ہوتی ہے۔ اس قانون کو سری لنکا کے سائنس دان وکرما سنگے نے بیان کیا ہے۔ جو 3 تا 10 جنوری 1987ء کے جنگ راولپنڈی میگزین میں آیا تھا۔ اب اس قانون میں میں ذرا واضح کرنا چاہوں گا۔ کہ فرض کریں کہ ہم پانچ پرچیوں پر گنتی لکھ کر ایک ڈبے میں ڈال دیں۔ اور اس کو ہلانے کے بعد ڈبے میں سے پرچیاں نکالیں تو ہوسکتا ہے کہ پہلی ہی باری میں پانچ کی پانچ پرچیاں قدرتی ترتیب (1,2,3,4,5) میں نکل آئیں۔ لیکن دوسری بار یہ قدرتی ترتیب حاصل کرنی ہو۔ تو ہمیں اس ڈبے کو 3125 مرتبہ ہلا ہلا کر پرچیاں نکالنی پڑیں گی۔ جوں جوں ہم پرچیوں کی تعداد بڑھاتے جائیں گے۔ تو پرچیوں کے قدرتی ترتیب میں نکلنے کے اتفاق کم ہوتے جائیں گے۔ لہٰذا اب آپ کرۂ ارض پر مختلف عناصر کے ایٹموں کی تعداد کا تصور کریں۔ اب قانون اتفاق کے تحت ایک مربوط اتفاق (Organized Chance) (P) میں صرف ایک بار ہوسکتا ہے۔ اور (P) وہ رقم ہوتی ہے جو ایک کے بعد چالیس صفر لگانے سے حاصل ہوتی ہے۔ اب سائنسی تحقیق کے مطابق یہ کرۂ ارض 4500 سے 4700 ملین سال پہلے وجود میں آیا۔ (Illustrated reference book of universe. Page: 12) لہٰذا ہم اس مقصد کے لئے سائنس کو رعایت دیتے ہوئے 4700 ملین سال والی بات مان لیتے ہیں۔ اب ہم 4700 کو عام گنتی میں لکھتے ہیں =10,00,000 x 4700 4700,00,00,00 لہٰذا اس رقم میں ابھی صرف 8 صفر لگے ہیں۔ اب اس مدت میں 50 بلین سال بڑے دھماکے (Big Bang) کے لئے اس میں شامل کرلیں۔

97,00,00,00,00= 50,00,00,00,00+ 47,00,00,00,00 اب یہ

Marfat.com

ہمارے پاس سال ہیں۔ان سالوں کو ہم 12 سے ضرب دے کر مہینے بتاتے ہیں۔تو جب 12 سے ضرب دی تو جواب آیا1164,00,00,00,00 مہینے۔اس کو 31 سے ضرب دے کر دنوں میں تبدیل کر لیتے ہیں۔ لہٰذا اس کا جواب آتا ہے۔ 36084,00,00,00,00 دن اب 24 سے ضرب دے کر اس رقم کو گھنٹوں میں تبدیل کرتے ہیں۔لہٰذا جواب یہ آتا ہے۔866016,00,00,00,00 گھنٹے اب اس رقم کو 60 سے ضرب دے کر منٹ بنالیں۔تو جواب آتا ہے 51960960,00,00,00,00 منٹ۔ اب اس رقم کو 60 سے ضرب دے کر سکینڈ بنا لیں تو جواب آتا ہے 31176576,00,00,00,00,00 اگر اس رقم کو صفروں کی صورت میں لکھاء جائے تو اس کے 18 صفر ہوں گے۔لیکن اگر ہم دہریوں اور منکرین خدا کو زیادہ فائدہ دیں۔اور پہلے ہندسے 3 سے آخری ہندسے 6 تک 8 ہندسے بنتے ہیں۔مگر ہم 8 ہندسوں کی بجائے ڈبل صفر یعنی 16 صفر اس رقم میں شامل کر لیتے ہیں۔تو اس طرح 34 بن جائیں گے۔لیکن (P) کی مقدار کے لئے 40 صفر ہوتے ہیں۔لہٰذا اگر ہم کائنات کے کل وقت کو سکینڈز میں تبدیل کریں۔اور ہر سکینڈ کو ہم ایک باری گنیں کہ کائنات کے ڈبے کو ہلایا جائے۔تا کہ کسی مربوط اتفاق کا ظہور وجود میں آئے۔تو کائنات کی جتنی عمر ہے اس میں تو ایک مربوط اتفاق بھی ظہور پذیر نہیں ہوسکتا۔کیونکہ کائنات کی عمر 26 صفر کے برابر ہے۔جب کہ (P) کی مقدار میں 40 صفر ہوتے ہیں۔لہٰذا کائنات کی موجودہ عمر میں تو صرف ایک اتفاق ظہور پذیر ہوسکتا ہے۔ جب کہ آپ کے نظریے میں کم از کم 9 اتفاقات (Chance) بنتے ہیں۔دوسرے لفظوں میں کائنات کی جتنی عمر ہے اس میں تو قانون اتفاق کے تحت صرف ایک بڑا دھماکہ ہوسکتا ہے۔ جب کہ اس کے علاوہ زندہ خلئے کا اتفاق بھی ہونا ہے اور زندہ خلیہ میں امینو ایسڈ کا صرف ایک مالیکیول تو نہیں ہونا ہے۔زندہ خلیہ تو امینو ایسڈ کے کئی مالیکیولز کے آپس میں ایک انتہائی پیچیدہ ترتیب میں ملنے سے وجود میں آتا ہے۔لہٰذا کائنات کے موجودہ وقت میں قانون اتفاق کے تحت نہ تو زندہ خلیہ وجود میں آسکتا ہے اور نہ

Marfat.com

ہی یک خلوی جاندار سے انسان کی تخلیق تک کا ارتقائی سفر طے ہوسکتا ہے۔ کیونکہ انسان تک کے ارتقاء میں ہمیں کم از کم 9 اتفاقات فرض کرنے پڑتے ہیں۔ لہٰذا ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ قانون اتفاق کے سہارے زندگی کے وجود اور پھر ارتقائی حرکت کے ذریعے ہزاروں لاکھوں حیات کی انواع اور آخر میں حضرت انسان کی تخلیق کی تشریح نہیں کی جاسکتی۔ ایک جینیٹک انجینئر (Gonetic Engineer) جانتا ہے کہ ایک زندہ خلیہ انتہائی پیچیدہ ساخت پر مبنی ہوتا ہے۔ جو محض اتفاق کی بنیاد پر وجود میں نہیں آسکتا۔ جب تک ہم ایک کائناتی شعور (Cosmopolitan Mind) کے وجود کو تسلیم نہ کرلیں۔ صرف ایک کائناتی شعور یا دماغ ہی خلیے جیسے پیچیدہ وجود کو اپنے ارادے کی قوت سے تخلیق کرسکتا ہے۔ جیسا کہ ایک فرانسیسی ماہر حیاتیات ڈاکٹر لیکامت دونووائے اپنی کتاب ''تقدیر انسانیت'' (Destiny of Man) کے صفحہ 95 پر لکھتا ہے کہ

''پروٹین کے ایک سادہ مالیکیول کو قانون اتفاق کے ذریعے تخلیق کرنا ہو۔ تو ہمیں اس ایک مالیکیول کی تخلیق کے لئے موجودہ کائنات سے ہزاروں گنا زیادہ مادہ درکار ہوگا''۔

یہ بات قابل غور ہے کہ ڈاکٹر لیکامت دونووائے صرف ایک سادہ مالیکیول کی بات کر رہے ہیں۔ ایک زندہ خلیے کی بات نہیں کر رہے۔ کیونکہ پروٹین کے مالیکیول کی پیچیدہ ساخت سے امینو ایسڈز کے مالیکیول بنتے ہیں اور امینو ایسڈز کے ایک پیچیدہ جال سے ایک زندہ خلیے کا کوئی حصہ بنتا ہے۔ اور ایک زندہ خلیہ مختلف حصوں سے وجود میں آتا ہے۔ لہٰذا قانون اتفاق کے تحت تو زندگی کا وجود کائنات کے موجودہ وقت کے تحت ممکن ہی نہیں ہے۔ اور نہ ہی موجودہ مادے کی مقدار کافی ہے لہٰذا قانون اتفاق کے تحت ایک زندہ خلیے کے وجود میں آنے کے لئے ہمیں ایک کائناتی شعور یا دماغ کے وجود کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ جو ان تمام عوامل کے پیچھے اصل محرک تھا۔ تو جناب آپ کیا اس دلیل کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور سائنس دانوں کی اس تحقیق پر ایمان رکھتے ہیں۔

Marfat.com

نظریہ چار قوت (Theory of four forces)

دھریہ: میں سائنس دانوں کے اس فیصلے کو تسلیم کرتا ہوں کہ قانون اتفاق کے ذریعے ایک زندہ خلیے کے وجود کی توجیح نہیں کی جا سکتی۔ لیکن اس کے علاوہ ایک اور نظریہ ہے جو کائنات کے سارے عوامل اور مظاہر (phenomena) کی توجیح کرتا ہے۔ 1967ء میں ڈاکٹر عبدالسلام نے لندن کے امپیریل کالج سے اور سٹیون وائن برگ نے ہارورڈ سے ایک نظریہ پیش کیا۔ جس میں انہوں نے دو مختلف کائناتی قوتوں کو اکٹھا کر دیا۔ یہ دو قوتیں کمزور نیوکلیائی توانائی (Weak Nuclear force) اور برق مقناطیسی قوت (Electromagnetic Force) ہیں۔ اس سے پہلے یہ نظریہ تھا کہ اس کائنات کے تمام مظاہر کو چار قوتیں ظہور پذیر کرتی ہیں۔ یہ چار قوتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) کشش ثقل کی قوت (Gravitational Force)

یہ ایک کائناتی قوت ہے اور کائنات کا ہر زرہ اس قوت کو اپنی کمیت کے مطابق محسوس کرتا ہے۔ گریوٹی یا کشش ثقل ان چاروں قوتوں میں سب سے کمزور قوت ہے۔ یہ بہت لمبے فاصلوں پر اپنا عمل کر سکتی ہے اور یہ ہمیشہ کشش ہی پیدا کرتی ہے۔ مادے کے دو ذروں کے درمیان اس قوت کو سپن ٹو (Spin-2) ذرات لے کر جاتے ہیں۔ ان قوت لے جانے والے (Carrier) ذرات کو گریویٹان کہتے ہیں۔

(۲) برق مقناطیسی قوت (Electromagnetic Force)

یہ برقی ذرات جو چارج ہوں ان کے ساتھ عمل کرتی ہے۔ ان ذرات کو الیکٹران اور کوارک (Quarks) کہتے ہیں۔ لیکن یہ قوت بغیر چارج والے ذرات کے ساتھ تعامل نہیں کرتی۔ جیسا کہ گریوٹیان ذرات ہیں۔ گریوٹیان کی اپنی کمیت نہیں ہوتی۔ یہ کشش ثقل (Gravitaional Force) سے بہت زیادہ طاقتور ہوتی ہے۔ دو ذرات کے درمیان برق مقناطیسی قوت کی مقدار پی +2 گنا (یعنی ایک کے بعد اگر بیالیس صفر لگائیں تو P+2

Marfat.com

کی مقدار بنتی ہے) قوت کشش سے زیادہ ہوتی ہے۔ برق مقناطیسی کشش بہت سے صفر کمیت والے معنوی زرات (Virtual Particles) کے تبادلے سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔ ان معنوی ذرات کو فوٹان کہتے ہیں اور یہ ذرات Spin-1 کے ہوتے ہیں۔

(۳) کمزور نیوکلیائی قوت (Weak Nuclear Force)

یہ قوت تابکاری کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ یہ تمام Spin- 1/2 والے مادی ذرات کے ذریعے عمل کرتی ہے۔ لیکن spin-0, 1 یا 2 کے ذرات پر یہ عمل نہیں کرتی۔ جیسا کہ فوٹان اور گریویٹان ہیں۔ 1967ء میں ڈاکٹر عبدالسلام اور سٹیون وائن برگ نے ایسے نظریات پیش کیے۔ جن کے ذریعے اس کمزور نیوکلیائی قوت کو برق مقناطیسی قوت کے ساتھ یکجا کر دیا گیا۔

(۴) مضبوط نیوکلیائی قوت (Strong Nuclear Force)

یہ کوارکس (Quarks) کو پروٹان اور نیوٹران کے اندر مضبوطی سے جوڑے رکھتی ہے۔ اور اس طرح پروٹان اور نیوٹران کو ایٹم کے مرکزے میں مضبوطی سے جوڑے رکھتی ہے۔ یہ تصور کیا جاتا ہے کہ یہ قوت سپن ون (Spin-1) ذرات کے ذریعے لے جائی جاتی ہے جن کو (Gluon) گلوآن کہتے ہیں یہ گلوآن صرف اپنے آپ کے ساتھ اور کوارک کے ساتھ تعامل کرتے ہیں۔ یہ مضبوط نیوکلیائی قوت کی ایک عجیب صفت ''حد بندی'' (Confinement) ہے۔ یہ ذرات کو ہمیشہ ایسے انداز میں جوڑتی ہے جس کا کوئی رنگ نہیں ہوتا۔ کسی ایک کوارک کو اپنے طور پر اکیلے میں نہیں لیا جا سکتا۔ کیونکہ اس کا کوئی نہ کوئی رنگ ہوگا (لال، سبز یا نیلا) بلکہ ایک لال کوارک کو سبز اور نیلے کوارک سے ایک لڑی میں جوڑنا پڑے گا گلوآن کی تار (String) کے ذریعے۔ لال + گرین + نیلا = سفید۔ یہ ثلاثی (Triplet) کسی پروٹان یا نیوٹران کو بناتے ہیں۔ دوسری ممکنہ صورت ایک ممکنہ جوڑے کی ہوتی ہے جو کوارک اور ضد کوارک سے مل کر بنتا ہے (لال + ضد لال، سبز + ضد سبز + نیلا + ضد نیلا = سفید) اس طرح کے جوڑوں کے ملنے سے جو ذرات بنتے ہیں ان کو میسونز (Masons) کہتے ہیں۔ (A Brief History of Time. Page 74-77)

Marfat.com

یہ چار قوتیں کائنات کے تمام مظاہر کو ظہور پذیر کر رہی ہیں۔ لہٰذا ہمیں کسی خدا کی ضرورت نہیں رہتی اس کائنا کو چلانے اور کنٹرول کرنے کے لئے۔

فہیم: میں ان چار قوتوں کی توضیح اور تشریح کے لئے آپ کا مشکور ہوں۔ اب ہم اس چار قوتوں کے نظریے کو منطقی اور عقلی بنیادوں پر پرکھتے ہیں۔ پہلی چیز جو میں اس سلسلے میں آپ سے کہنا چاہوں گا وہ یہ ہے کہ جب ڈاکٹر عبدالسلام نے اس نظریے کو خالق کے وجود سے انکار کے لئے استعمال نہیں کیا۔ تو آپ کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ آپ اس کی تھیوری یا نظریے کو انکار وجود خدا کے لئے استعمال کریں۔ ڈاکٹر عبدالسلام خدا کے وجود پر غیر متزلزل ایمان رکھتے تھے۔ اگر وہ اتنے عالم فاضل ہونے کے باوجود خدا کے وجود پر یقین رکھتے تھے۔ تو آپ ایسا کیوں نہیں کر سکتے۔ دوسری بات اس سلسلے میں یہ ہے کہ آپ نے نہ تو خود ان چار قوتوں کو دیکھا ہوا ہے۔ اور نہ ہی آپ نے ان قوتوں کے بارے میں خود کوئی تحقیق کی ہے۔ آپ نے تو بس سائنس دانوں کی بات کو بغیر سوچے سمجھے تسلیم کر لیا ہے اور اس طرح سائنس دانوں کی اندھی تقلید کی ہے۔ مگر آپ عظیم پیغمبروں کی کہی ہوئی باتوں کو تسلیم نہیں کرتے۔ حالانکہ پیغمبروں کی زندگی سائنس دانوں سے بہت زیادہ پاکیزہ اور سچی ہوتی ہے۔

دھریہ: لیکن سائنس دان تو جن حقائق کی بات کرتے ہیں وہ ان کا خود مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور ان کے بتائے ہوئے اصول وقوانین کو تجربے کی کسوٹی پر پرکھا جا سکتا ہے۔ جب کہ انبیاء جن حقائق کی بات کرتے ہیں وہ مابعد الطبیعی حقائق ہوتے ہیں۔ اور ان کو تجربے کی کسوٹی پر نہیں پرکھا جا سکتا۔

فہیم: آپ کی یہ بات حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ سائنس دانوں نے بہت سے حقائق کا مشاہدہ نہیں کیا ہوتا۔ بلکہ وہ ایک مفروضہ فرض کر لیتے ہیں اور اس کی بنیاد پر کائناتی مظاہر کی توجیح کرتے ہیں مثال کے طور پر الیکٹران کو کسی سائنس دان نے مشاہدہ نہیں کیا ہوا۔ اسی طرح Big Bang کا مشاہدہ کسی بھی سائنس دان نے نہیں کیا۔ زمین پر امینو ایسڈز کے مالیکیول کا وجود میں آنا اور یہ ساری ارتقاء کی کہانی کا مشاہدہ کسی نے نہیں کیا۔ یہ تو مختلف

Marfat.com

جانوروں کے آثار باقیہ (Fossil Records) کی بنیاد پر ایک تصور قائم کیا گیا ہے۔ اسی طرح آئن سٹائن کی $E=mc^2$ مساوات کا مشاہدہ کسی نے نہیں کیا۔ یعنی کسی نے یہ خود نہیں دیکھا کہ ایک مادے نے C کی رفتار جب حاصل کر لی ہو تو وہ انرجی میں تبدیل ہو گیا ہو۔ اسی طرح بہت سے سائنسی نظریات ہیں جن کو حقائق کی طرح تسلیم کیا جاتا ہے مگر ان کا مشاہدہ کسی نے نہیں کیا ہوتا۔ اور نہ ہی ان کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس مذہبی حقائق کا مشاہدہ پیغمبر نے ذاتی طور پر کیا ہوتا ہے۔ اور یہ حقائق قابل تجربہ بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً نبی وحی کے ذریعے جن حقائق کا ادراک کرتا ہے۔ ان حقائق کا ادراک دوسرے انسان اس کی وحی کی پر خلوص پیروی کرنے کے بعد کر سکتے ہیں۔ یعنی مذہبی حقائق قابل مشاہدہ بھی ہوتے ہیں۔ اور قابل تجربہ بھی۔ لہٰذا نبی جن حقائق کو پیش کرتا ہے وہ خود ان کا براہ راست مشاہدہ کر چکا ہوتا ہے۔ جب کہ سائنس دان کی صورت میں یہ ضروری نہیں کہ سائنس دان خود اس حقیقت کا مشاہدہ کر چکا ہو۔ مذہبی حقائق کی صورت میں وہ قابل تجربہ ہوتے ہیں۔ مگر سائنسی حقائق ضروری نہیں کہ قابل تجربہ ہوں۔ لہٰذا اس لحاظ سے مذہب اور مذہبی حقائق کو سائنس اور سائنسی حقائق پر برتری حاصل ہے۔

چار قوتوں کے نظریے کے بارے میں ایک اور بات یہ ہے کہ یہ چاروں قوتیں مادے کی پیداوار ہیں۔ مثال کے طور پر کشش ثقل مادے کی اپنے محور کے گرد حرکت کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ نیوکلیائی قوت مادے کے نیوکلیئس سے پیدا ہوتی ہے۔ برق مقناطیسی قوت، برقی اور مقناطیسی قوت کا مرکب ہے۔ مقناطیسی قوت مقناطیس سے پیدا ہوتی ہے اور برقی قوت بہت سے طریقوں سے پیدا کی جا سکتی ہے مثلاً پانی سے، کوئلے سے اور ایٹم سے۔ لہٰذا یہ چاروں قوتیں مادے کی پیداوار ہیں۔ اور یہ چاروں قوتیں بڑے دھماکے کے بعد ہی اپنا کام شروع کر سکتی ہیں۔ اور بڑے دھماکے سے پہلے یہ چار قوتیں عمل میں نہیں تھیں۔ لہٰذا ہمیں ماننا پڑے گا کہ بڑا دھماکہ کسی ایسی قوت نے کیا ہے جو مادی نہیں تھی ماورائے مادہ تھی۔ کیونکہ یہ چار قوتیں تو بڑے دھماکے کا نتیجہ ہیں لہٰذا یہ دھماکہ کرنے کی وجہ

Marfat.com

نہیں تھیں اور بڑے دھماکے سے پہلے یہ چار قوتیں عمل میں (Operative) نہیں تھیں۔

دھریہ: کسی حد تک میں آپ کی دلیل سے اتفاق کرتا ہوں۔ مگر اس سے خدا کا وجود تو ثابت نہیں ہوتا۔

فہیم: جب آپ نے یہ تسلیم کر لیا کہ یہ چار قوتیں بڑے دھماکے کا نتیجہ ہیں۔ تو آپ کو ایک ایسی ماورائے مادہ قوت تسلیم کرنی پڑے گی جس نے بڑا دھماکہ کیا۔ یا جس کی وجہ سے بڑا دھماکہ ہوا۔ کیونکہ بڑے دھماکے سے پہلے تو کائنات کا سارا مادہ لامحدود کثافت میں کثیف تھا اور اس کی تمام قوتیں بھی اس کے ساتھ ہی اس کی کثافت میں منجمد تھیں۔ لہٰذا جس قوت نے دھماکہ کیا یا کروایا وہ ضروری طور پر ماورائے مادہ قوت تھی۔ اگر آپ یہ تسلیم کرتے ہیں تو پھر ہم مزید آگے بڑھتے ہیں۔

دھریہ: جی ہاں میں اس دلیل کو تسلیم کرتا ہوں کہ ایک قوت ان چار قوتوں کے علاوہ تھی جس نے بڑا دھماکہ کیا یا کروایا۔ اور یہ قوت ماوراء مادہ تھی۔

فہیم: جب آپ نے ایک ماوراء مادہ قوت کو تسلیم کر لیا تو آپ کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہ قوت باشعور قوت تھی ایک اندھی اور میکانکی (Mechanical) قوت نہیں تھی۔ یہ ایک باشعور قوت تھی۔ جس کو معلوم تھا کہ کائنات کی پہنائیوں میں مادے کا انبار لامحدود کثافت میں کثیف اور منجمد پڑا ہے۔ اور اس مادے کو بڑے دھماکے کے ذریعے منتشر کرنا پڑے گا تا کہ اس مادے سے ایک کائنات تخلیق کی جا سکے۔ اور اس کائنات کے چلانے کے لئے کچھ اصول وضوابط (Laws of Nature) کی بھی ضرورت ہوگی۔ مثال کے طور پر پالی کا ایکس کلوژن کا اصول (Paulis Exclusion Principle) کہتا ہے کہ دو ذرات جو ایک جیسے ہوں ایک جیسی حالت میں نہیں رہ سکتے۔ یعنی یہ دونوں ذرات ایک ہی وقت میں ایک ہی ولاسٹی اور ایک ہی پوزیشن میں نہیں ہو سکتے۔ ایکس کلوژن کا اصول انتہائی اہم ہے کیونکہ یہ اصول ہمیں اس بات کی تفہیم بتاتا ہے کہ مادے کے ذرات کائنات میں ایک لامحدود کثافت کی حالت کی طرف مراجعت کیوں نہیں کرتے۔ اگر یہ کائنات ایکس کلوژن

Marfat.com

کے قانون کے بغیر تخلیق ہوتی۔تو کوارکس (Quarks) علیحدہ علیحدہ پروٹون اور نیوٹرون نہ بناتے۔ اور نہ ہی پروٹرون اور نیوٹرون الیکٹرون سے مل کر ایٹم بناتے۔ یہ سارے ایک مساوی الہیئت کثیف مادے میں تبدیل ہو جاتے۔ جو سارا ایک ہی قسم کا ہوتا (A Brief History of Time. Page: 72) لہٰذا جس قوت نے بڑا دھماکہ کیا۔ وہ باشعور قوت تھی اور اس کو پالی کے ایکس کلوژن اصول کا علم تھا۔ کہ اس اصول کا ہونا کائنات کی تخلیق کے لئے ضروری ہے ورنہ کائنات کا مادہ دوبارہ مراجعت کر کے اپنی پہلی والی کثیف حالت پر آ جائے گا۔ لہٰذا اس طرح بڑے دھماکے کا اثر زائل ہو جائے گا۔ ایکس کلوژن کے اصول کا علم کائنات کی تخلیق کے لئے انتہائی ضروری تھا۔ اور اس اصول کا اطلاق آئندہ بھی کائنات میں ضروری تھا تا کہ کائنات اپنی موجودہ حالت میں قائم رہ سکے۔ کیونکہ جس وقت بھی ایکس کلوژن کے اصول کا اطلاق کائنات میں ختم ہوا۔ اسی وقت کائنات ایک مساوی ہیت ترتیبی میں مراجعت کر جائے گی۔ لہٰذا ہمیں ماننا پڑے گا کہ جس قوت نے بڑا دھماکہ کروایا یا کیا۔ وہ ایک باشعود قوت تھی جس کو ایکس کلوژن کے اصول کا علم تھا۔ اور اس کے اثرات کا بھی علم تھا۔

دھریہ: اگر ہم یہ کہیں کہ یہ چار قوتیں بڑے دھماکے سے پہلے بھی اسی طرح موجود تھیں۔ تو پھر آپ کیا دلیل دیں گے۔

فہیم: اس سے پہلے کہ میں آپ کے سوال کا جواب دوں۔ میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہوں گا۔ کہ ہماری سائنس کائنات کے ''کیسے'' (How) کے پہلو کا جواب دیتی ہے کیوں (Why) کے پہلو کا جواب نہیں دیتی مثال کے طور پر وہ یہ بتاتی ہے کہ پانی کیسے بنتا ہے۔ لیکن وہ اس معمے کا جواب نہیں دیتی۔ کہ کیوں ہائیڈروجن کے دو ایٹم اور آکسیجن کا ایک ایٹم مل کر پانی بنتا ہے۔ ان سے دودھ، شہد یا چینی کیوں نہیں بنتا۔ اس سوال کا عموماً یہ جواب دیا جاتا ہے کہ یہ فطرت میں ایسا ہی ہے۔ لیکن اس پر یہ سوال ہے کہ کس نے فطرت کے بارے میں یہ قانون بنایا ہے۔ کس نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ ہائیڈروجن دو ایٹم، آکسیجن ایک

Marfat.com

ایٹم مل کر پانی ہی بنائیں گے۔ اور کس نے ہائیڈروجن اور آکسیجن کو اس بات کی اطاعت کرنے پر مجبور کیا ہے۔ اس سوال کے جواب کے لئے ہمیں ماننا پڑے گا کہ یہ ایک کائناتی شعور نے فیصلہ کیا ہے جو صاحب ارادہ ہستی ہے۔ یہ کائنات اس کائناتی شعور کا ارادہ ہے۔ لہٰذا جب ہم کسی بھی چیز کا ''کیوں'' کا پہلو دیکھیں گے تو ہمیں ہر پہلو میں اس کائناتی شعور کا ارادہ اور منصوبہ کارفرما نظر آئے گا۔ اب پھر ان چار قوتوں کی طرف آتے ہیں۔ تو اگر یہ چار قوتیں بڑے دھماکے سے پہلے بھی موجود تھیں اور کائنات کا مادہ لامحدود کثافت میں کثیف تھا تو پھر یہ بڑا دھماکہ 450 بلین سال پہلے کیوں وقوع پذیر ہوا۔ 2000 بلین سال پہلے کیوں نہیں وقوع پذیر ہوا۔ اب اگر ہم چار قوتوں پر غور کریں تو بڑا دھماکہ کرنا کشش ثقل اور برق مقناطیسی قوت کا فعل نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا یہ لامحالہ نیوکلیائی قوت نے کروایا ہوگا۔ تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر نیوکلیائی قوت نے یہ دھماکہ 450 بلین سال پہلے کرنے کا فیصلہ کیوں کیا۔ اس سے پہلے کیوں نہیں اس کے بعد کیوں نہیں۔ اور پھر نیوکلیائی قوت کو کیسے معلوم ہوا کہ یہاں مادے کا ایک ذخیرہ پڑا ہوا ہے۔ اور اس میں بڑا دھماکہ کر کے کائنات تخلیق کی جاسکتی ہے۔ یہ کائنات کی تخلیق کا شعور نیوکلیائی قوت میں تھا۔ کیا نیوکلیائی قوت ایک باشعور قوت ہے جو اپنی ہستی اور ارادہ بھی رکھتی ہے۔ مگر سائنس دان یہ نہیں مانتے۔ تو پھر ایک اندھی بہری نیوکلیائی قوت یہ کائنات تخلیق کیسے کرسکتی ہے۔ کیونکہ وجود و عدم کی پیچیدگیوں اور ہستی اور مخلوقات کی مختلف انواع و اقسام کی درجہ بندی اور مصوری یہ سب شعور کی باتیں ہیں۔ جب کہ نیوکلیائی قوت میں کوئی شعور نہیں ہے۔ اس طرح بڑے دھماکے کے بعد کشش کی قوت نے کیوں کچھ عرصہ کے لئے انتظار کیا تا کہ کائنات ایک خاص حد تک پھیل جائے۔ پھر میں اپنا کام شروع کروں گی۔ کیونکہ اگر وہ اپنا فعل فوراً ہی شروع کر دیتی تو کائنات پھیل ہی نہ سکتی۔ اور کائنات دوبارہ اپنی ابتدائی حالت پر سکڑ جاتی۔ لہٰذا تمام قوتوں نے اپنا اپنا کام صحیح وقت پر اور ایک دوسرے کے ساتھ ارتباط (Coordination) میں کیا۔ اور سب کا مقصد کائنات کی تخلیق تھا۔ یہ ارتباط اور تعاون ممکن نہیں ہے جب تک ایک

Marfat.com

کائناتی شعور اپنے ارادہ سے ان قوتوں کو اس ارتباط اور تعاون پر مجبور نہ کرے۔ یہ وسیع کائنات، اس میں لاکھوں کہکشاؤں کا نظام اور کہکشاؤں میں نظامہائے شمسی کا وجود، موجودات میں تنوع اور مصوری یہ ذہن انسانی اور عقل انسانی کو عاجز کر دینے والی پیچیدگیاں یہ بتاتی ہیں کہ کائنات کو تخلیق کرنے والا شعور انسانی شعور سے بہت بلند ہے۔ اگرچہ انسان اپنی تخلیق کے لحاظ سے ایک شاہکار ہے۔ مگر اس کے باوجود دنیا کے تمام ڈاکٹرز، انجینئرز، کیمیادان، سائنس دان، کمپیوٹر کے ماہرین وغیرہ مل کر بھی ایک زندہ خلیہ، یا ایک یک خلوی جاندار امیبا یا پیرامیشیم نہیں تخلیق کر سکتے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ چار اندھی قوتیں زندگی کی ہزار ہا اقسام، اور ایک عظیم کمپیوٹر پر مبنی یہ کائنات تخلیق کر لیں۔ یہ یقیناً ایک کائناتی شعور کا ہی کام ہو سکتا ہے۔ جو صاحب شعور اور صاحب ارادہ ہستی ہے۔ اور اس ہستی کا شعور انسانی شعور سے بہت بہت اعلیٰ ہے۔ کائنات کا معمہ ایک صاحب شعور و ارادہ خالق کے وجود کو تسلیم کر کے ہی حل ہو سکتا ہے۔ ہم اس کائناتی شعور کے بارے میں اپنے علم کی موجودہ سطح پر یہ نہیں جانتے کہ وہ کیسا وجود ہے اور وہ کیسے تخلیق کرتا ہے۔ مگر ہم یہ آسانی سے فیصلہ کر سکتے ہیں کہ انسانی تجربات کی روشنی میں یہ ناممکن ہے کہ بہری اور اندھی قوتیں ایک عظیم کائنات کو تخلیق کر لیں۔ جب کہ یہ کام بہرا اور اندھا انسان بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ایجاد اور تخلیق کے لئے انسان کو انتہائی ذہین اور صاحب علم ہونا نہایت ضروری ہے۔ لہٰذا یہ کائنات کی بے پناہ وسعتیں، اس میں لاکھوں کہکشاؤں کا نظام اور پھر اس نظام میں لاکھوں نظامہائے شمسی کا وجود اور پھر زندگی کی یہ لاکھوں کروڑوں اقسام یہ سب پکار پکار کر ایک صاحب علم، صاحب شعور و ارادہ خالق کا پتہ دیتی ہیں۔ ایک کائناتی شعور کا پتہ دیتی ہیں۔ جو انسانی شعور کا بھی خالق ہے اور انسانی شعور اس کائناتی شعور کی صرف ایک شعاع کی حیثیت رکھتا ہے۔

موجودہ سائنسی تحقیقات جو سائنس کی مختلف شاخوں میں ہوئی ہیں ان سے ایک میکانکی کائنات کا تصور آہستہ آہستہ ختم ہوتا جا رہا ہے۔ میکانکی تصور کائنات کے ختم ہونے کے

Marfat.com

بارے میں ول ڈیورانٹ کی کتاب ''نشاط فلسفہ'' سے چند مثالیں پیش کرنا چاہوں گا۔

کمزور میکانکی تصور، فلسفے، بیالوجی، نفسیات، فزیالوجی حتی کہ طبیعات میں بھی ختم ہوتا جا رہا ہے۔ پوائن کیئر کہتا ہے کہ اب اس تصور کو خیر باد کہہ دیا گیا ہے کہ کائنات کے تمام مظاہر کی میکانکی تشریح کی جاسکتی ہے۔

کیزیرر کہتا ہے کہ کائنات کا میکانکی تصور آہستہ آہستہ برقی متحرک (Electro-Dynamic) نظریہ سے تبدیل ہوتا جارہا ہے۔

لی بان کہتا ہے کہ ہزاروں کارکنوں کی کوششوں کے باوجود فزیالوجی ہمیں ان قوتوں کی فطرت وحقیقت کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکی جن قوتوں سے زندگی وجود میں آئی۔ ان قوتوں کو طبیعی یا طبیعات کی قوتوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ کیمسٹری کو آج کمیت (Quantity) کے ساتھ ساتھ کیفیت (Quality) کی بھی ضرورت ہے۔ جب کہ طبیعات نے صرف کمیت پر ہی قناعت کر لی ہوئی ہے۔ اس طرح فزیالوجی کو کیفیت اور کمیت کے ساتھ ساتھ ایک وجود (Organism) اور تکمیل (Totality) کے نظریات کی بھی ضرورت ہے۔ فزکس اور کیمسٹری اجزاء کا مطالعہ کرتی ہیں۔ جب کہ بیالوجی پورے وجود کا مطالعہ کرتی ہے۔ (The Pleasure of philosophy. Page: 69)

ماہرین حیاتیات کے درمیان اب میکانیت (Mechanism) کی تردید ایک عام بات ہوگئی ہے۔ دریش، پالوو اور ہالڈین چند نام ہیں ان کے جو کچھ میکانکی خیال رکھتے ہیں۔ نفسیات میں ''جیسٹالٹ'' کی تحریک ایک میکانیت کے خلاف حیاتیت (Organic) یا غیر میکانکی ردعمل ہے۔ جے ایس ہالڈین کہتا ہے کہ شوانز کی سادہ میکانکی نشوونما کی تھیوری کو کب سے خیر باد کہہ دیا گیا ہے۔ اس طرح سادہ کیمیائی نظریہ جو تنفس اور دوسری حیاتیاتی عوامل (Metabolic processes) سے تھا وہ بھی اس طرح ختم ہو چکے ہیں۔ اب یہ واضح ہو چکا ہے کہ کوئی بھی طبعی کیمیائی تھیوری جو اعصاب اور دوسرے حیاتیاتی حرکات کے بارے میں تسلی بخش نہیں ہوسکتی۔ یہاں یہ بتانا اہمیت کا حامل ہے کہ شوپن ہار اور نیٹشے جو

Marfat.com

روایتی مذہب کے خلاف ہیں انہوں نے بھی میکانکی تصور کو رد کر دیا ہے۔ جرمن فلسفہ اب میکانیت کے خلاف نظر آتا ہے۔ سپنگلر کہتا ہے ہمیشہ پراسرار رہنے والی روح سے کوئی واضح اور بین سائنس کا استخراج کرنا بہت مشکل ہے۔

(The Pleasure of philosophy. Page: 69)

لہٰذا 20ویں صدی کی سائنس کا رخ میکانکی تصور حیات سے روحانی تصور حیات (Organic Concept) کی طرف ہو گیا ہے جو ہمیں اس نتیجے کے اخذ کرنے پر مجبور کرتا ہے کہ یہ کائنات ایک کائناتی شعور یا کائناتی دماغ نے تخلیق کی ہے اور وہی اس کائنات کو مختلف ہدایات دیتا ہے۔ ہم اس کائناتی شعور کو دیکھ نہیں سکتے مگر ہم کائنات کی ہر چیز میں اس کو محسوس کر سکتے ہیں جس طرح ہم اپنے شعور کو بھی دیکھ نہیں سکتے۔۔ مگر ہم اس شعور کی موجودگی کا ناقابل تردید احساس رکھتے ہیں۔ یہ جو ہمارے اندر ایک قوت ہے جس کے ذریعے پراسرار طور پر اپنے اعمال کے کرنے کا یا کر چکنے کا احساس ہوتا ہے۔ ہمیں اپنے خیالات کے تضادات کا احساس ہے۔ ہمیں اپنے ردعمل کا اور ممکنہ نتائج کا شعور ہے۔ غرض کہ ہم اپنے شعور کا احساس زندگی کے ہر لمحہ میں رکھتے ہیں اور زندگی میں کرنے والے تمام اعمال کا مسلسل شعور رکھتے ہیں۔

قوانین فطرت

فہیم: ایک کائناتی شعور (خدا) کے بارے میں اب میں قوانین فطرت سے دلیل دینا چاہوں گا۔ جب ہم کائنات کو فطرت کے حوالے سے دیکھتے ہیں تو ہمارے مشاہدے میں یہ بات آتی ہے کہ کائنات پر کچھ فطری قوانین کی حکومت ہے۔ اور طبیعت پر کچھ قوانین نافذ ہیں۔ طبیعت یا کائنات میں ان قوانین کی موجودگی کسی قانون بنانے والے کا بین ثبوت ہے کیونکہ قوانین کا بنانا اس بات کا متقاضی ہے۔ کہ بنانے والا ان قوانین کی افادیت سے آگاہ ہو۔ جس کے لئے یا جن کے لئے قوانین بنا رہا ہے ان کی طبیعت اور فطرت سے آگاہ ہو۔ اور ان قوانین کے کیا نتائج برآمد ہوں گے ان سے آگاہ ہو۔ اب یہ ساری باتیں تب ہی ہو

Marfat.com

سکتی ہیں جب اس کو باشعور ہستی تصور کیا جائے۔ کیونکہ بے شعور انسان، یا بے شعور مادہ اپنے لئے کوئی قوانین نہیں بنا سکتا۔ قوانین بنانا اور ان کی اطاعت کرنا ایک نشو ونما یافتہ شعور کا کام ہے۔ لہٰذا اس کائنات کے پیچھے اگر ایک اعلیٰ و برتر شعور کارفرما نہ ہوتا۔ تو یہ کائنات غیر یقینی اور لا ابالی کائنات ہوتی۔ اور اس کائنات میں کبھی تو H_2O سے پانی بنتا اور کبھی آگ لگ جاتی۔ لہٰذا ایک خاص قانون کا ہونا۔ اور کائنات کا اس پر عمل پیرا ہونا۔ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اس کائنات کے پیچھے ایک کائناتی شعور (Cosmopolitan concience) کارفرما ہے۔

Marfat.com

تیسری نشست

دھریہ: اب میں آپ سے فہیم صاحب ان دلائل کے حوالے سے گفتگو کروں گا جو اس سلسلے میں عظیم مغربی مفکر برٹرینڈ رسل نے دیئے ہیں۔ ان کے بارے میں پال فولک (Paul Folk) نے ایک کتاب دانش مغرب (Wisdom of the West) کے نام سے لکھی ہے۔ یہ عظیم ہستی مغرب میں دہریت کی امام سمجھی جاتی ہے۔ اور انہوں نے مذہب کی فرسودگی اور عقلی دیوالیہ پن کے بارے میں اور دہریت کے حق میں نہایت سائنسی بنیادوں پر اور عقل وخرد کی روشنی میں دلائل دیئے ہیں۔ میں ان کی کتاب ''میں عیسائی کیوں نہیں ہوں'' (Why I am not a Christian) سے دلائل پیش کروں گا۔ اور اب میں دیکھوں گا کہ آپ کے مذہبی فلسفے میں کتنا دم خم ہے کہ وہ اس عظیم مفکر کی فکر کے سامنے ٹھہر سکتا ہے یا نہیں۔

فہیم: آپ کے برٹرینڈ رسل پر یقین کو دیکھ کر خوشی ہوئی کہ چلیں آپ نے یقین تو پیدا کیا۔ بہرحال وہ کتنے دانش ور ہیں یہ تو گفتگو اور دلائل کے بعد ہی معلوم ہوگا۔ اور شروع میں جب میں نے اسلام کی اور مذہب کی عظیم حکمتوں کو نہیں سمجھا تھا تو میں بھی برٹرینڈ رسل صاحب کا بہت دلدادہ تھا۔ لیکن جب میرے مہربان اللہ نے میرے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمایا۔ اور مجھے اپنی اس تخلیق کائنات کی اور دین کی حکمتوں کی سمجھ بوجھ عطا کی۔ تو اب مغربی دانش کے بارے میں میرا جو خیال ہے وہ حضرت علامہ اقبال کے الفاظ میں پیش کرنا چاہوں گا۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

دھریہ: اب میں آپ کی دلیل قوانین فطرت کے حوالے سے بحث کرنا چاہوں گا۔ یہ قوانین فطرت کی دلیل 18ویں صدی میں پسندیدہ دلیل تھی جو مذہب پرست طبقوں میں

Marfat.com

عام تھی۔ خاص طور پر سر آئزک نیوٹن کے تصور کائنات (Cosmogeny) کے حوالے سے یہ بہت عام اور پسندیدہ تھی۔ یہ دلیل برٹرینڈ رسل کی کتاب ''میں عیسائی کیوں نہیں ہوں'' کے صفحہ 16 پر زیر بحث لائی گئی ہے۔ لہٰذا نیوٹن کی طبیعات کے تحت لوگوں نے یہ مشاہدہ کیا کہ تمام سیارے کشش کی وجہ سے سورج کے گرد چکر لگاتے ہیں لہٰذا لوگوں نے یہ فرض کر لیا کہ خدا نے ان سیاروں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس انداز میں سورج کے گرد گردش کریں۔ آج کل ہم اس کشش کے قانون کو آئن سٹائن کے نظریات کے تحت بیان کرتے ہیں اور اس کی نئی تشریح کرتے ہیں۔ اب تو آئن سٹائن کی طبیعات میں نیوٹن کی طبیعات کی طرح کے قوانین فطرت موجود نہیں ہیں۔ جس کے تحت فطرت لگے بندھے اصولوں کے مطابق عمل پیرا ہوتی تھی۔ ہمیں ابھی معلوم ہوا ہے کہ بہت سے ایسے عوامل جن کو ہم قوانین فطرت سمجھتے تھے وہ دراصل انسانی ذہن کے استخراج شدہ اصول (Conventions) تھے۔ آپ کو یہ معلوم ہے کہ اس کائنات کے بعید ترین مقام پر بھی ایک گز تین فٹ کے ہی برابر ہے۔ مگر آپ اس کو قانون فطرت تو نہیں کہہ سکتے۔ اور بہت سی چیزیں جن کو قوانین فطرت سمجھا جاتا رہا۔ وہ اسی قسم کے اصول مستخرجہ پر مبنی ہیں۔ جو انسان نے بنائے ہیں۔ اور اگر آپ ایٹم کی گہرائیوں میں اتریں تو اس کے اندر جو ذرات ہیں۔ وہ قوانین کے ماتحت کم ہیں اور انسانی خیالات کے ماتحت زیادہ ہیں۔ لہٰذا اس مقام پر انسان جن قوانین کو دریافت کرتا ہے وہ محض اندازے ہیں۔ تخمینے ہیں۔ مستقل اقدار نہیں ہیں۔ لہٰذا اندازے اور تخمینے تو اتفاق سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ مختلف اتفاقات مختلف اندازوں کو جنم دیتے ہیں۔ جیسا کہ ایک قانون ہے کہ اگر آپ دو پانسے (لڈو کا چھکا) پھینکیں گے تو آپ 36 بار پھینکنے سے ایک بار ضرور دو چھکے (Sixes) حاصل کر لیں گے۔ اور ہم ان دو چھکوں کے آنے کو یہ نہیں کہتے کہ اس کے پیچھے کسی منصوبہ بندی کرنے والے کا منصوبہ کارفرما ہے۔ اس کے برعکس اگر دو چھکے ہر بار آئیں۔ تو پھر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کے پیچھے کسی باشعور ہستی کی منصوبہ بندی ہے۔ لہٰذا بہت سے قوانین فطرت اس طرح کے ہیں جس طرح 36 بار پانسے

Marfat.com

پھینکنے سے ایک بار دو چھکے ضرور آ جاتے ہیں۔ یہ تو محض شماریاتی اندازے ہیں۔ جن کے تحت اتفاقیہ طور پر چیزیں ویسی ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس سے قوانین فطرت والی دلیل کی قلعی کھل جاتی ہے۔ اور اس کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔

فہیم: میں رسل صاحب کی اس بات سے متفق ہوں کہ قوانین فطرت اور انسانی مفروضات یا شماریاتی اصولوں (Conventions) میں فرق ہے۔ میں اس بات سے بھی اتفاق کرتا ہوں کہ کائنات کے بعید ترین مقام پر بھی ایک گز تین فٹ کے ہی برابر ہوتا ہے۔ لیکن اصل مسئلہ مذہبی طبقہ اور سائنسی طبقہ کے درمیان قوانین فطرت کے سمجھنے اور سمجھانے کا ہے۔ مذہبی طبقہ قوانین فطرت کی اچھی طرح تشریح نہیں کر سکتا۔ اور سائنسی طبقہ مذہب پرست طبقے کے موقف کو سمجھ نہیں سکتا۔ لہٰذا پہلے میں قوانین فطرت کی تعریف اور تشریح کرنا چاہوں گا۔ ''قوانین فطرت، فطری اشیاء کے وہ ناقابل تغیر رویے ہیں جو فی الحقیقت موجود ہوتے ہیں اور جن کو علم کی موجودہ سطح پر بھی تبدیل نہیں کیا جا سکتا''۔ یہ رویے بغیر خدائی تصرف کے تبدیل نہیں ہوتے۔ ہاں انسان اپنے عقلی تصرف سے ان کی زد سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے مگر ان کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ مثال کے طور پر آگ گرم ہوتی ہے اور یہ جہاں کہیں بھی ہوتی ہے یہ چیزوں کو جلاتی ہے۔ انسانی علم کی ترقی آگ کی اس فطرت کو نہیں بدل سکتی۔ فطرت کی آگ کبھی چیزوں کو ٹھنڈا نہیں کرے گی۔ ہمیشہ جلائے گی۔ یہ قانون فطرت ہے۔ دوسری مثال پانی کی ہے۔ پانی پیاس بجھاتا ہے۔ علم کی موجودہ ترقی پانی کی اس فطرت کو تبدیل نہیں کر سکتی۔ اگر آپ پانی پئیں گے تو پانی آپ کی پیاس بجھائے گا۔ اسی طرح پانی ہائیڈروجن کے دو ایٹم اور آکسیجن کے ایک ایٹم سے مل کر بنتا ہے آپ ان دونوں گیسوں کو کسی اور مقدار اور انداز سے ملا کر پانی نہیں بنا سکتے۔ چینی میٹھی ہے اور نمک میٹھا نہیں ہے۔ آم کا اپنا ذائقہ ہے اور سیب کا اپنا ذائقہ ہے۔ سیب کا بیج آم پیدا نہیں کرے گا۔ بعض جانور بچے دیتے ہیں اور بعض انڈے دیتے ہیں۔ آپ بچے دینے والوں کو انڈوں پر اور انڈے دینے والوں کو بچوں پر نہیں لگا سکتے۔ لہٰذا فطرت نے کائناتی اشیاء کو ان کی اپنی

Marfat.com

ذاتی منفرد صفات عطا کی ہوئی ہیں اور یہ صفات نا قابل تغیر ہیں۔ لہٰذا آپ کا یہ نقطہ کہ قوانین فطرت انسان کے شماریاتی اندازے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ ہم شماریاتی اندازوں سے ان نتائج پر نہیں پہنچے ہیں کہ آگ چیزوں کو جلاتی ہے۔ پانی پیاس بجھاتا ہے۔ ہائیڈروجن دو اور آکسیجن ایک ایٹم مل کر پانی بناتے ہیں۔ آم کا بیج آم اور سیب کا بیج سیب پیدا کرتا ہے۔ انڈے دینے والے جانور انڈے ہی دیتے ہیں اور بچے دینے والے جانور بچے ہی دیتے ہیں۔ انسان وقت کے ساتھ ساتھ بوڑھا ہی ہوتا ہے۔ انسان پیدا ہوتا ہے تو چھوٹا ہوتا ہے پھر بڑا پھر جوان پھر بوڑھا ہوتا ہے۔ یہ تمام قوانین فطرت کے نا قابل تغیر قوانین ہیں۔ اور یہ فطرت کی تقسیم ہے تا کہ ان مختلف قوانین سے ایک مربوط اور مضبوط (Well coordinated) نظام تشکیل دیا جا سکے۔ اگر مختلف اشیاء میں مختلف صفات نہ ہوتیں تو زندگی وجود میں نہ آ سکتی لہٰذا قوانین فطرت شماریاتی اندازے (Statistical Averages) نہیں ہیں۔ میرے خیال میں آپ پر برٹرینڈ رسل صاحب کی یہ غلطی واضح ہوگئی ہوگی۔ کہ اس نے قوانین فطرت کو سمجھنے میں ٹھوکر کھائی ہے۔

دھریہ: جی ہاں میں آپ کی دلیل تسلیم کرتا ہوں کہ قوانین فطرت شماریاتی اندازے نہیں ہیں۔ لیکن آپ یہ تو تسلیم کریں گے کہ قوانین فطرت تو بس مختلف اشیاء کے رویوں (Behaviour) کا بیان ہے۔ لہٰذا کسی چیز کے رویے کو بیان کر دینا اس بات کی دلیل تو نہیں۔ کہ اسے کسی دوسری ہستی نے یہ رویہ اپنانے پر مجبور کیا ہے۔ اور اس رویے کے پیچھے اور کوئی ہستی کارفرما ہے۔ حالانکہ یہ رویہ چیز کا اپنا فطری رویہ بھی تو ہو سکتا ہے۔

فہیم: یہ معاملہ کسی ہستی کے کہنے کا نہیں ہے۔ کیونکہ کہنے کے لئے تو سننے والا باشعور ہونا چاہیے۔ ایک بے شعور چیز کے بارے میں تو معاملہ مختلف ہوگا۔ اس میں تو آپ اپنے شعور کے ذریعے کچھ خاص صفات رکھ دیں گے۔ بے شعور چیزوں کو تو شعور ہی صفات عطا کرتا ہے۔ مثلاً یہ جو تین پیس سوٹ آپ نے پہنا ہوا ہے یہ ٹیلر نے اس سوٹ کو نہیں کہا کہ آپ ان دھریے صاحب پر پورے فٹ بیٹھ جانا۔ بلکہ ٹیلر نے اپنے شعور سے کپڑے کو اس طرح

Marfat.com

تراشہ کہ اس میں یہ صفت پیدا ہوگئی کہ آپ کے جسم پر پورا صحیح آسکے۔ اسی طرح کلکولیٹر بنانے والے نے اسے یہ کہا نہیں کہ تم نے فلاں فلاں طریقے سے سوالات کرنے ہیں۔ بلکہ اس نے اپنے شعور سے کلکولیٹر میں جمع ضرب تقسیم وغیرہ کرنے کی صفت رکھ دی ہے۔ اگ آپ کلکولیٹر کے رویے پر تحقیق کریں۔ اور یہ دریافت کریں کہ کلکولیٹر مستقل قوانین کے تحت عمل کرتا ہے۔ تو اس کا یہ ہرگز نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا۔ کہ چونکہ کلکولیٹر خود بخود سوالات حل کرتا ہے اور اس کے اندر مستقل قوانین ہیں، لہٰذا اس کو بنانے والا کوئی نہیں ہے۔ یہ کلکولیٹر کیوں اس طرح کے شماریاتی مسائل کو حل کر لیتا ہے۔ کیوں اس کے تمام حصے پرزے ان شماریاتی مسائل کو حل کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور یہ ایک مربوط اور مضبوط طریقے سے کیوں عمل کرتا ہے۔ یہ سب باتیں اس طرف اشارہ کرتی ہیں کہ اسے کسی باشعور ہستی نے اس طرح بنایا ہے جیسا کہ یہ ہے۔ اور اسی بنانے والے نے اس کے مختلف حصوں پرزوں کو خاص مقاصد کے تحت جوڑا ہوا ہے۔ لہٰذا اسی طرح کائنات کے اتنے بڑے کلکولیٹر کمپیوٹر کا بھی تو کوئی بنانے والا ہے جس نے اس کو خاص اندازوں کے تحت مختلف حصوں پرزوں کو مربوط بنایا ہے۔ اب دو ہی باتیں ممکن ہیں۔ یا تو کلکولیٹر کے حصوں پرزوں نے یہ صفات خود ہی پیدا کی ہیں اور آپس میں مشورہ کر کے کلکولیٹر بنالیا ہے۔ یا پھر کسی بنانے والے نے ان کو مربوط بنا کر ان سے کلکولیٹر بنایا ہے۔ چاہے ہمیں اس بنانے والے کے بارے میں کوئی علم ہو یا نہ ہو۔ مگر عقل و منطق کے لحاظ سے یہی دو باتیں بنتی ہیں۔ عقل و دانش کی روشنی میں آپ کا فیصلہ یہی ہوگا کہ نہیں کسی ہستی نے کلکولیٹر کو اسی طرح مربوط بنایا ہے اور کسی خاص مقصد کے لئے اس کو تخلیق کیا ہے۔ اور بنانے والے کے ذہن میں اس کی ایجاد کا مقصد پہلے سے موجود تھا۔ کلکولیٹر کے مختلف حصوں پرزوں میں یہ قابلیت و شعور نہیں ہے۔ اسی طرح کائنات کے اجزائے ترکیبی کے حوالے سے بھی دو ہی باتیں یا ممکنات ہو سکتے ہیں۔ یا تو کائنات کے ان مختلف اجزاء نے یہ مختلف قسم کی صفات خود اپنائی ہیں اور پھر آپس میں مل جل کر یہ عظیم کائنات تخلیق کی ہے۔ یا پھر کسی ہستی نے اس کائنات اور زمین کے

Marfat.com

اجزائے ترکیبی کو ایک دوسرے سے مربوط بنا کر اس عظیم کارخانہ ہستی کو تخلیق کیا ہے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ فطرت کے اجزاء نے یہ تمام صفات خود ہی اپنا لیں تا کہ وہ ایک عظیم کائنات کو تخلیق کر سکیں۔ تو یہ ایک انتہائی غیر عقلی اور خلاف دانش بات ہوگی۔ اور اس کے لئے آپ کو فطرت کے مختلف اجزاء میں ایک عظیم عقل و شعور کا وجود ثابت کرنا پڑے گا۔ یا یہ ماننا پڑے گا کہ یہ تمام اجزاء عقل و شعور رکھتے ہیں۔ جب کہ سائنس دان فطرت کے عقل و شعور کے قائل نہیں ہیں۔ لہٰذا ہمیں ایک عظیم کائناتی دماغ، کائناتی شعور یا عظیم ہستی کا وجود تسلیم کرنا پڑتا ہے جس نے فطرت کے اجزاء کو یہ صفات عطا کیں اور پھر ان کو آپس میں مربوط بنا کر ایک عظیم کائنات تخلیق کی۔

دھریہ: اگر ہم ایک قانون دینے والے کے وجود کو تسلیم کر لیں۔ تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس خالق نے صرف یہ فطرت کے قوانین کیوں دیئے۔ اور کوئی دوسرے قوانین کیوں نہیں دیئے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ یہ بس اس کی مرضی تھی اور اس کی کوئی وجہ نہیں ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ایک ایسی چیز کو مان رہے ہیں جس پر قانون لاگو نہیں ہوتا۔ اور اس طرح آپ کے فطری قوانین کی زنجیر مکمل نہیں ہوتی اور اس کی ایک کڑی باہر رہ جاتی ہے۔

اگر آپ یہ کہتے ہیں جس طرح بہت سے مذہب پرست لوگ کہتے ہیں کہ خالق نے جو بھی قوانین دیئے ہیں ان کے پیچھے کوئی سبب یا وجہ تھی۔ یعنی یہ وجہ تھی کہ ایک بہترین کائنات تخلیق ہو؟ اگر ان قوانین کے دینے کی کوئی وجہ تھی جو خالق نے دیئے تو اس کا مطلب ہے کہ خالق خود بھی کسی قانون کے ماتحت تھا لہٰذا پھر وہ قانون کس نے دیا جس کا اطلاق خلق پر بھی ہوتا تھا۔ اس طرح ایک قانون دینے والے کا نظریہ غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ایک قانون ایسا بھی ہے جو خالق سے بھی ماوراء ہے لہٰذا پھر قانون دینے کے لئے کسی قانون دینے والے کا نظریہ غلط ہو جاتا ہے کیونکہ وہ قانون کس نے دیا جس کا اطلاق خالق پر بھی ہوا ہے۔

فہیم: میں آپ کے سوال کو مختلف اجزاء میں تقسیم کر کے فرداً فرداً جواب دینا چاہوں گا۔ تا کہ کوئی جز ایسا نہ رہ جائے جس کا جواب نہ دیا گیا ہو۔ پہلا جز یہ ہے کہ خالق نے وہ قوانین

Marfat.com

فطرت کیوں دیئے جو موجود ہیں اور کوئی دوسرے قوانین کیوں نہیں دیئے۔ یہ سوال عجیب اور عقل کے خلاف ہے۔ کیونکہ

کیا آپ نے کبھی کسی آرکیٹیکٹ سے یہ سوال کیا ہے کہ آپ نے یہ عمارت اس طرح کیوں ڈیزائن کی ہے اور کسی دوسری طرح کیوں ڈیزائن نہیں کی۔ اس نے ذہن میں ایک خاکہ بنایا۔ ایک منصوبہ بنایا۔ مختلف مقاصد مدنظر رکھے اور پھر اس نے عمارت کا نقشہ جیسا چاہا بنا دیا۔ اس کا یہ ہرگز طلب یہ نہیں کہ وہ اسی طرح کا ڈیزائن یا نقشہ بنانے پر مجبور تھا۔ بلکہ اس نے اپنی مرضی سے ویسا چاہا اور ویسا بنا دیا۔ کیونکہ وہ ایک آزاد ارادے کا حامل ہے۔ اس نقشے کی چھوٹی چھوٹی چیزیں اس بڑے منصوبے یا مقصد کی ضروریات ہیں نہ کہ نقشہ بنانے والے کی۔ وہ چاہے تو اس سے بالکل مختلف نقشہ بھی بنا سکتا ہے۔ اور ایک ماہر آرکیٹیکٹ بہت سی عمارتوں کے نقشے اور ڈیزائن بناتا رہتا ہے۔ جو اپنی تفاصیل اور جزئیات اور مقاصد میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ لہٰذا بنانے والا کسی ایک نقشے کے ڈیزائن کا محتاج نہیں ہے۔ اس کی اپنی مرضی اور ارادے پر مبنی ہے۔ لہٰذا جو کائنات ہمیں معلوم ہے یہ خالق کی مرضی اور چناؤ تھا کہ اس نے اس طرح بنائی۔ وہ اس طرح بنانے پر مجبور نہیں تھا۔ اور اس کے جو قوانین ہیں وہ کائنات کے اس ڈیزائن اور منصوبے کی ضروریات ہیں۔ اور آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک ہی کائنات ہے جو ان اصولوں پر مبنی ہے جو ہمیں معلوم ہیں۔ کیا آپ نے کائنات سے باہر جا کر دیکھا ہے کہ مزید دوسری کائناتیں موجود نہیں ہیں جن میں اس کائنات سے مختلف قوانین لاگو ہیں۔ اور وہ مختلف قوانین کے تحت تخلیق کی گئی ہو۔ اسلام تو مختلف کائناتوں کی بات کرتا ہے۔ اور قرآن کی پہلی سورت الحمد کی پہلی آیت میں ہی مختلف کائناتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے ہر حمد اللہ کے لئے جو رب العالمین ہے۔ عالمین جمع کا صیغہ ہے۔ عالم یہ ایک کائنات۔ عالمین بہت سی کائناتیں۔ تو قرآن نے بتایا ہے کہ وہ بہت سی کائناتوں کا خالق ہے۔ اسی طرح حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ

Marfat.com

قندیلیں روشن کی ہیں۔اور تمہارا یہ زمین وآسمان جنت ودوزخ سب ایک قندیل ہے۔

''اسی طرح کتاب ''امام جعفر صادق علیہ السلام سپر مین ان اسلام'' کے صفحہ 203 پر لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا یہ جہان جس پر ہم زندگی بسر کرتے ہیں کے علاوہ اور جہان بھی ہیں جن میں سے اکثر اس جہان سے بڑے ہیں اور ان جہانوں میں ایسے علوم ہیں جو اس جہان کے علوم سے شاید مختلف ہیں۔امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ دوسرے جہانوں کی تعداد کیا ہے تو آپ علیہ السلام نے جواب دیا کہ خداوند تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی دوسرے جہانوں کی تعداد سے مطلع نہیں ہے۔آپ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ دوسرے جہانوں کے علوم اور اس جہان کے علوم میں کیا فرق ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ دوسرے جہانوں میں دو قسم کے علوم ہیں جن میں سے ایک قسم اس دنیا کے علوم سے مشابہ ہے اور دوسری قسم کے علوم وہ ہیں جنہیں اس دنیا کے لوگ درک کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے''۔

حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ

''میں نے شب معراج میں ساتویں آسمان میں تمہاری زمین کے میدانوں کی طرح میدان دیکھے''۔(مجار الانوار)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''یہ خانہ کعبہ چودہ کعبوں میں سے ایک ہے اور سات زمینوں میں ہماری طرح مخلوق آباد ہے۔یہاں تک کہ میری طرح کا ایک ابن عباس بھی وہاں موجود ہے''۔(انوار نعمانیہ)

لہٰذا اس لئے آپ یا برٹرینڈ رسل صاحب یہ نہیں کہہ سکتے کہ خالق نے صرف یہی ایک جان تخلیق کیا ہے اور صرف یہی قوانین فطرت ہیں۔بلکہ اس جہان میں بھی بہت سے قوانین فطرت کے مجموعے (Set) ہیں جو مختلف ادوار میں انسانوں نے دریافت کیے ہیں۔جیسا کہ اہرام مصر اور اس جیسی دوسری عمارتیں بنانے والے لوگوں کو پتھر کاٹنے اور اٹھانے کے مختلف قوانین کا علم تھا اور وہ قوانین ہمارے علم میں نہیں ہیں۔اسی طرح موجودہ دور میں انگلینڈ کے مشہور نوبل یافتہ طبیعات دان سٹیفن ہاکنگ نے اپنی کتاب ''بلیک ہول اینڈ بے

Marfat.com

بلی یونیورسس" (Black Holes and Baby Universes) میں دوسری کائناتوں کے بارے میں علم الحساب (Mathematical) کی بنیاد پر نظریہ قائم کیا ہے۔ اور اس کے مطابق یہ کائنات اور بہت سی کائناتوں سے جڑی ہوئی ہے اور کائناتوں کا پورا ایک جال (lybrinth) موجود ہے۔

اس کے علاوہ آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت نے فزکس میں ایک جدید اور بے مثال باب کا اضافہ کیا۔ اور اس کے بعد ضد مادہ (Anti Matter) کی تھیوری محض تھیوری کی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے علم کے مراحل میں داخل ہوئی۔ اور سائنس دان اس حقیقت سے آشنا ہو گئے کہ ضد مادہ موجود ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ قول کہ بعض دوسرے جہانوں میں شاید ایسے علوم پائے جاتے ہیں جن کو سیکھنا انسانی دسترس سے باہر ہے۔ سمجھ میں آجاتا ہے۔ کیونکہ ضد مادہ کی دنیا میں ہمارے قوانین فزکس کے علاوہ دوسرے قوانین فزکس لاگو ہوتے ہیں۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ منطق اور استدلال کے وہ قوانین جنہیں وضع کرنے پر ہماری عقل قادر ہے دوسرے جہان میں یہ قوانین قابل اجراء نہیں ہیں۔ ضد مادہ ایک ایسی دنیا ہے جس میں الیکٹران پر مثبت اور پروٹان پر منفی چارج ہے ایک ایسی دنیا جہان پر الیکٹرانوں پر مثبت اور پروٹانوں پر منفی چارج ہو۔ نہ معلوم وہاں کون سے طبیعاتی قوانین کی کارفرمائی ہوگی۔ ہماری منطق اور استدلال میں کل جزو پر برتر ہے لیکن ممکن ہے کہ اس دنیا میں جزو کل پر برتر ہو۔ ہماری دنیا میں جب ہم کسی بھاری جسم کو پانی میں ڈالتے ہیں تو ارشمیدس کے قانون کے مطابق وہ پانی میں ہلکا ہو جاتا ہے۔ لیکن اس دنیا میں ممکن ہے کہ پانی میں ڈبونے سے جسم بھاری ہو جاتا ہو۔ اسی طرح اس دنیا میں لوگ پیدا ہوتے ہیں بڑے ہوتے ہیں جوان ہوتے ہیں بوڑھے ہوتے ہیں مر جاتے ہیں اس دنیا میں لوگ بوڑھے پیدا ہوتے ہوں جوان ہوتے ہوں بچے بن جاتے ہوں اور پھر شیر خوار بن کر غائب ہو جاتے ہوں۔ اب آپ کے سوال کا دوسرا جز لیتے ہیں کہ قانون دینے والے پر بھی ایک قانون ہے۔ تو گزشتہ مثالوں اور بحث سے یہ اعتراض بھی دور ہو جاتا ہے۔ یعنی خالق

Marfat.com

مجبور نہیں تھا اور نہ ہی اس کے پاس صرف قوانین کا ایک ہی مجموعہ تھا یہ تو اس کی مرضی تھی کہ کس دنیا کے لئے کون سے قوانین بنائے۔ اور اس نے مختلف جہانوں اور عالمین کو مختلف قوانین کے تحت تخلیق کیا۔ اگر میں یہ کہوں کہ برٹرینڈ رسل نے اپنی کتاب ''میں عیسائی کیوں نہیں ہوں'' میں جو الفاظ اور موضوعات استعمال کیے ہیں اور جو مثالیں اور دلائل دیئے ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی اور دوسرے الفاظ اور موضوعات، دلائل اور مثالیں بیان کیوں نہ کیے۔ تو اس کا منطقی جواب یہی ہوگا۔ کہ یہ برٹرینڈ رسل صاحب نے ایک خاص موضوع پر لکھنے کا ارادہ کیا۔ اور کتاب کا باقی مواد، الفاظ، دلائل، مثالیں اس موضع کے لوازمات تھے۔ نہ کہ برٹرینڈ رسل مجبور تھا۔ بلکہ الفاظ کا استعمال بھی برٹرینڈ رسل کی مرضی اور ارادے پر مبنی تھا نہ کہ وہ مجبور تھا ان الفاظ اور مثالوں کو بیان کرنے میں وہ چاہتا تو دوسرے الفاظ، موضوع، دلائل اور مثالوں سے دوسری کتاب بھی لکھ سکتا تھا۔ اور اس نے اور کتابیں بھی لکھی ہیں لیکن اگر ایک بھی لکھی ہوتو پھر بھی اس کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا خالق کی بھی یہ منشا تھی کہ وہ ایک ایسی کائنات تخلیق کرے جو ان ان قوانین پر مبنی ہو۔ لہٰذا اس نے یہ کائنات تخلیق کر دی۔ اور اس کے علاوہ باقی کائناتیں بھی تخلیق کی ہوئی ہیں جن کے بارے میں اس نے قرآن میں بتادیا۔ لہٰذا موجودہ قوانین فطرت اس کائنات کے ڈیزائن کے لوازمات تھے اور دوسری کائناتوں کے لئے دوسرے قوانین ہیں۔

اب آپ کے اعتراض کے تیسرے حصے کی طرف آتے ہیں کہ خالق کی ہستی مان لینے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ تو اس سلسلے میں پہلی بات یہ کرنا چاہوں گا کہ حقیقت کو دریافت کرنا بذات خود بہت بڑا فائدہ ہے۔ کیونکہ اگر آپ کے نظریات کی بنیاد حقائق پر مبنی ہے تو آپ اپنے آپ کو بہت سی غلطیوں سے بچا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ تحقیق کر کے اس نتیجے پر پہنچیں کہ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی بھی ہے۔ تو پھر آپ اس زندگی کے لئے تیاری کرسکیں گے۔ اور آپ ان قوانین کو جاننا چاہیں گے جن کی بنیاد پر آنے والی زندگی کے لئے تیاری کی جاسکتی ہے۔ اور اس طرح آپ اپنے آپ کو آنے والی زندگی میں مسائل و

Marfat.com

مشکلات سے بچا سکتے ہیں۔ اور اگر آپ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی نہیں ہے تو پھر آپ اپنی زندگی میں زیادہ سے زیادہ مزے لوٹنے اور لذتیں حاصل کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں اور اپنی زندگی کو اس دنیا میں بڑھانے کے طریقے دریافت کر سکتے ہیں۔ لہٰذا اس کائنات کے قوانین کی تشریح اور توضیح ایک قانون بنانے والی ہستی کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اور کائنات کے ہر فطری و تخلیقی عمل کے پیچھے ایک عظیم دماغ ایک عظیم دانش کارفرما نظر آتی ہے۔

منصوبے اور انتظام سے دلیل

دھریہ: خدا کے وجود کے بارے میں عام طور پر منصوبے اور انتظام سے دلیل پیش کی جاتی ہے کہ کائنات کی اور اس دنیا کی منصوبہ بندی اس باریک بینی سے کی گئی ہے کہ اس کی وجہ سے ہم زندہ رہ سکتے ہیں۔ اگر یہ چیزیں اس اپنی موجودہ منصوبہ بندی سے تھوڑی سی ہٹ جائیں تو ہماری زندگی ختم ہو جائے گی۔ یہ ہے وہ دلیل جو اکثر اس سلسلے میں مذہب پرست طبقہ پیش کرتا ہے۔ اس سلسلے میں سائنسی نقطہ نظر کچھ اور ہے۔ ڈارون کے وقت سے ہم نے یہ سمجھنا شروع کر دیا ہے کہ اشیاء اپنے ماحول کے مطابق کیوں ہیں۔ یہ اس طرح نہیں ہے کہ ماحول کو اشیاء کے مطابق بنایا گیا ہے بلکہ اشیاء نے ماحول کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالا ہے۔ (Why I am not a Christian. Page 17)

فہیم: اس سلسلے میں میں پہلی بات تو یہ کروں گا کہ یہ منصوبہ کی دلیل جو آپ نے پیش کی ہے وہ مکمل نہیں ہے۔ جب ہم منصوبے یا ڈیزائن کی بات کرتے ہیں تو اس کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک کائناتی سطح پر اور دوسرا کرۂ ارض کی سطح پر۔ یہ ہمارا سورج اور نظام شمسی کے ستارے، سیارے ایک بہت بڑے دھوئیں کے بادل (Galactic Nabulae) کی صورت میں تھے اور اس کا حصہ تھے۔ کیوں دھوئیں کے اس بادل سے ایک سورج اور 9 سیارے بنے۔ کیوں نہ 60 سیارے بن گئے اور سورج نہ ہوتا۔ یہاں ہر ایک دہریہ یہی کہے گا کہ یہ ایک چانس (Chance) تھا۔ یہ آکسیجن اور کاربن زمین پر کیوں بنیں تا کہ

Marfat.com

اس سے پانی H_2O اور کاربن مونو آکسائیڈ (CO) بن سکے۔ جو ہماری اور اس کرۂ ارض کی زندگی کے لئے ضروری ہے۔ یہ کس نے فیصلہ کیا تھا کہ ایٹموں اور مالیکیولز کا اس تناسب سے ملاپ ہوگا تو زندگی وجود میں آجائے گی۔ کیا وہ کائناتی دھوئیں کا بادل (Galactic Nabulae) اتنی فہم ودانش رکھتا تھا کہ وہ کرۂ ارض پر زندگی کی تخلیق کے لئے موزوں آب وہوا اور ماحول تخلیق کر سکے۔ کیا وہ یہ جانتا تھا کہ اس کائنات میں زندگی کی تخلیق کا جو اصول ہے اس کا یہ فارمولا ہے؟ کیا وہ انسانی خلیوں میں RNA (Ribo Neuclic Asid) اور DNA (Deoxy Ribo Neuclic Acid) کی پیچیدہ ترین بناوٹوں کو سمجھتا تھا۔ کائناتی بادل نے زندگی تخلیق کیوں کی؟ اور پھر اس تخلیق کے بعد اس زندگی کی سادہ ترین مخلوق کو ترقی کی شاہراہ پر ڈال کر زندگی کی زیادہ پیچیدہ اقسام کی طرف ارتقاء کیوں شروع کروایا۔ حتی کہ یہ ارتقاء چلتے چلتے انسان کی تخلیق پر پہنچ کر رک گیا۔ اس نے مزید زندگی کی اقسام بنانی کیوں بند کر دیں۔ اس تمام منصوبہ بندی اور تدبیر امور کے لئے ایک کائناتی دماغ، کائناتی شعور (Super intellect) کی ضرورت ہے۔ اور کائناتی شعور کے وجود کے مانے بغیر تخلیق کائنات اس کے ارتقائی سفر اور تخلیق حیات کی منطقی توجیح نہیں کی جا سکتی۔

دھریہ: یہ بغیر کسی سوچ اور فہم ودانش کے محض اتفاقیہ طور پر ہوا۔ ایک زندہ خلیہ اتفاقیہ طور پر وجود میں آ گیا اور پھر اس خلیہ نے ارتقاء کر کے زندگی کی زیادہ پیچیدہ اقسام تخلیق کر لیں۔ جناب ملر پہلا ماہر حیاتیات تھا جس نے غیر نامیاتی مرکبات سے امینو ایسڈز بنائے۔ اس طرح ثابت ہوا کہ غیر نامیاتی مرکبات سے نامیاتی مرکبات بن سکتے ہیں۔ لہٰذا زندگی تخلیق ہو سکتی ہے۔ لہٰذا پہلے خلیے کی تخلیق کے بعد ایک مسلسل مطابقت ومناسبت (Adaptability) کے عمل سے مزید پیچیدہ قسم کی حیات تخلیق ہوتی گئی۔ یہ ایک فطری میکانکی عمل تھا جس کے لئے کسی فہم ودانش یا دماغ کی ضرورت نہ تھی۔

فہیم: ہم نے قانون اتفاق پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ یہاں پر میں یہ یاددہانی کرانا چاہوں گا کہ قانون اتفاق کے تحت، ایک مربوط اتفاق (Organised Chance)

Marfat.com

''پی (P)'' وقت میں ایک بار ہوسکتا ہے یا ''ہندسہ پی (P)'' میں ایک بار ہوسکتا ہے۔ (P) کا ہندسہ بنانے کے لئے 1 کے بعد 40 صفر لگانے پڑتے ہیں۔ یعنی کہ

10000000000000000000000000000000000000

اب سائنسی تحقیق کے مطابق کرۂ ارض 4500 سے 4700 ملین سال پہلے وجود میں آیا۔ اگر 4700 ملین سال کو سیکنڈز میں تبدیل کیا جائے تو اس کے 18 صفر بن جائیں گے۔ اب کرۂ ارض کی تخلیق اور بڑے دھماکے (Big Bang) سے کائنات کی ابتداء تک کے درمیانی وقفے کے لئے ہم 16 صفر مزید اس میں زیادہ کر لیتے ہیں۔ تو اس طرح کل 34 صفر بن جائیں گے۔ لہٰذا قانون اتفاق کے تحت کائنات کی تخلیق سے لے کر موجودہ وقت تک صرف ایک مربوط اتفاق (Organised Chance) ظہور پذیر ہوسکتا ہے۔ اس کو ایک مثال سے واضح کرنا چاہوں گا۔ کہ ایک پانسے (Dice) کی (P) جہتیں ہوں۔ اور اس پر (P) ہندسے لکھے ہوں۔ اور اگر پانسے کو (P) دفعہ پھینکا جائے تو (P) دفعہ میں صرف ایک مرتبہ ایسا ہوسکتا ہے کہ آپ کو دو دفعہ چھ کا ہندسہ آگے پیچھے حاصل ہو جائے۔ اسی طرح فرانسیسی ماہر حیاتیات ڈاکٹر لیکامت دونوائے نے اپنی کتاب ''مقدر انسانی'' (Destiny of Man) میں یہ حقیقت مفصل بیان کی ہے کہ پروٹین کا ایک مالیکول قانون اتفاق کے تحت اگر وجود میں آئے تو ہمیں موجودہ کائنات میں جتنا مادہ ہے اس سے ہزاروں گنا زیادہ مادہ (Matter) کی ضرورت ہوگی۔ لہٰذا قانون اتفاق کے تحت صرف ایک یا زیادہ سے زیادہ دو مالیکیول پروٹین کے ''پی (P)'' وقت میں ظہور پذیر ہوسکتے ہیں۔ جب کہ ایک امینو ایسڈ کے مالیکیول میں پروٹین کے کئی مالیکیول ہوتے ہیں اور اسی طرح ایک خلیے میں کئی امینو ایسڈز کے پیچیدہ مالیکیولوں کی زنجیر (Chain) ہوتی ہے۔ لہٰذا قانون اتفاق کے تحت ''پی (P)'' وقت میں زندگی وجود میں نہیں آسکتی۔ جہاں تک ملر کے تجربے کا تعلق ہے جس کے تحت اس نے امینو ایسڈ کے مالیکیول بنائے۔ تو اس تجربے میں جناب ملر کی دانش اور فہم (Intellect) اس کے پیچھے کارفرما تھی۔ اور یہ ملر کی دانش و فہم ہی

Marfat.com

تھی جس نے امینوا ایسڈ مالیکیول کے وجود کو ممکن بنایا۔ ورنہ قانون اتفاق کے تحت لیبارٹری میں امینوا یسڈ کا مالیکیول کبھی بھی پیدا نہیں ہوسکتا۔ لیکن اگر جناب ملر صاحب تجربہ شروع کر کے لیباٹری سے چلے جائیں۔ اور آپ اس تجربے کو ہوتا دیکھیں۔ تو آپ کو ملر کی دانش کہیں کارفرما نظر نہیں آئے گی مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ جناب ملر کی دانش وفہم ہر لمحے اس تجربے میں کارفرما ہے۔ آپ تو صرف کمپیوٹر کو کام کرتے ہوئے، پیچیدہ تاروں کا نظام اور پیچیدہ کمپیوٹر کا حساب کتاب ہوتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں مگر آپ کو ملر کی فہم ودانش نظر نہیں آسکتی۔ کیا ایسی لیبارٹری کو دیکھ کر آپ یہ نتیجہ اخذ کریں گے کہ یہ سارہ پیچیدہ تجربہ لیبارٹری میں قانون اتفاق کے تحت بغیر کسی انجینئر کی فہم ودانش کی مداخلت کے ہو رہا ہے؟ آپ کا شعور اور آگہی یقیناً آپ کو یہی بتائے گا کہ اس پیچیدہ لیبارٹری کے تجربے کے پیچھے کسی ماہر اور صاحب علم سائنس دان کی فہم وفراست کارفرما ہے۔ اگر چہ آپ نے اس انجینئر کو کمپیوٹر بناتے ہوئے دیکھا ہی نہیں۔ انسانی عقل کا یہی فیصلہ ہوگا کہ یہ پیچیدہ تجربہ بغیر کسی سائنس دان کی فہم ودانش کے ظہور پذیر نہیں ہوسکتا۔ کیا اگر آپ ایک مکمل کمپیوٹرائزڈ کار دیکھیں۔ جس میں لندن کا مکمل نقشہ ریکارڈ کر دیا گیا ہو۔ اور وہ کار لندن کی سڑکوں پر انتہائی مہارت کے ساتھ دوڑتی پھرے۔ اور ٹریفک کے اشاروں پر رکے۔ تو ایسی کار کو دیکھ کر آپ یہ نتیجہ اخذ کریں گے کہ یہ کار محض اتفاق سے وجود میں آگئی ہے۔ اور مطابقت ومناسبت کے ایک مرحلے سے گزر کر اب اس میں یہ صفت پیدا ہوگئی ہے کہ وہ لندن کی سڑکوں پر دوڑتی پھرتی ہے۔ ایسی صورت حال میں آپ کبھی یہ نتیجہ اخذ نہیں کریں گے کہ یہ کار خود بخود قانون اتفاق کے تحت وجود میں آگئی ہے۔ آپ کہیں گے کہ اس کار کے پیچھے یقیناً ایک ماہر سائنس دان کی فہم ودانش کارفرما ہے۔ ایک کمپیوٹرائزڈ کار کے بارے میں تو دور کی بات ہے آپ تو پانی پینے والے ایک گلاس کے بارے میں بھی یہ نہیں کہیں گے کہ یہ قانون اتفاق کے تحت خود بخود وجود میں آگیا ہے۔ اب میں آپ سے سوال پوچھتا ہوں کہ کیا یہ ایک گلاس قانون اتفاق کے تحت ''پی (P)'' وقت میں وجود میں آسکتا ہے۔

Marfat.com

دھریہ: نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔ مگر گلاس کا بننا تو ایک مصنوعی کیمیائی عمل ہے جس کے تحت ایک مصنوعی چیز گلاس وجود میں آتا ہے۔

فہیم: آپ مصنوعی عمل کی کیا تعریف کرتے ہیں؟

دھریہ: نامیاتی یا غیر نامیاتی چیزوں کا انسانی محنت وکوشش کے ذریعے پیدا کرنا۔

فہیم: تو معلوم ہوا کہ گلاس قانون اتفاق کے تحت ''پی (P)'' وقت میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ اب آپ یہ بتائیں کہ کیا ایک مکمل کمپیوٹرائزڈ مشین (موٹر کار) قانون اتفاق کے تحت وجود میں آسکتی ہے؟

دھریہ: نہیں ایسا ممکن نہیں۔ کیونکہ یہ تو گلاس سے بھی پیچیدہ چیز ہے۔

فہیم: اب آپ یہ بتائیں کہ آپ کی نظر میں کیا ایک کار زیادہ پیچیدہ نظام ہے یا ایک زندہ جاندار؟

دھریہ: ظاہری بات ہے ایک زندہ جاندار کا نظام زیادہ پیچیدہ ہے۔

فہیم: تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انتہائی سادہ چیز گلاس قانون اتفاق کے تحت وجود میں نہیں آسکتا۔ تو پھر ایک انتہائی پیچیدہ امینو ایسڈز کی زنجیروں پر مبنی زندہ خلیہ کیسے وجود میں آسکتا ہے۔ جہاں تک مصنوعی (Synthetic) اور قدرتی (Natural) عمل کی تفریق کا تعلق ہے تو آپ کا یہ اعتراض ٹھیک نہیں کیونکہ گلاس یا کوئی اور مصنوعی چیز بھی تو قدرتی اجزاء (Natural Raw Material) سے ہی بنتا ہے۔ لہٰذا اگر فطرت قانون اتفاق کے تحت قدرتی اجزاء (Natural Raw Material) سے پیچیدہ امینو ایسڈز کے مالیکیول اور ان سے جاندار اشیاء کے خلیے اور حلیوں سے پیچیدہ حیات کی اقسام تخلیق کر سکتی ہے۔ تو انہی قدرتی اجزاء سے ایک گلاس کیوں نہیں بنا سکتی۔ جو کہ انتہائی سادہ نوعیت کی چیز ہے۔ یا کپڑا سینے کی ایک سوئی (Needle) کیوں نہیں بنا سکتی؟ آخر یہ فطرت ایسی سادہ اشیاء بنانے میں ناکام (Fail) کیوں ہو جاتی ہے۔ جب کہ یہ انتہائی مہارت سے حیات کی پیچیدہ ترین شکلیں بنا لیتی ہے اور زمین یعنی کرہ ارض کا انتہائی پیچیدہ کمپیوٹر بھی تخلیق

Marfat.com

کر لیتی ہے۔ آخر یہ فطرت میں اتنا تضاد کیوں ہے۔ لیکن اگر ہم یہ مان لیتے ہیں کہ ایک کائناتی شعور نے اس کائنات کو تخلیق کیا ہے جو اپنی ایک شخصیت (Personality) رکھتا ہے۔ اسے علم تھا کہ میں نے انسان کو تخلیق کیا ہے اور اس میں یہ قابلیت رکھ دی ہے کہ وہ قدرتی عوامل کی نقل مصنوعی طور پر تیار کر سکتا ہے۔ تو اس صورت میں فطرت میں یہ عقلی و منطقی تضاد نہیں پیدا ہوتا۔ جیسا کہ شروع میں میں نے کمپیوٹرائزڈ کار کی مثال دی تھی۔ اس کار کی مثال میں آپ کو یہ معلوم نہیں کہ اس کو بنانے والا سائنس دان کون ہے؟ اس نے یہ علم کب اور کہاں سے سیکھا، وہ خود کیسے وجود میں آیا؟ اور وہ اپنی زندگی کیسے برقرار رکھے ہوئے ہے۔ ان تمام معلومات کی غیر موجودگی کے باوجود آپ یہ کبھی نہیں کہیں گے کہ یہ کمپیوٹرائزڈ کار خود بخود بن گئی ہے۔ اور اس کا بنانے والا کوئی نہیں۔ آپ کو اس کار کے بنانے والے کا اتنا ہی یقین ہے جتنا آپ کو اپنی ذات کا یقین ہے۔ آپ غیر متزلزل یقین رکھتے ہیں کہ یہ کار کسی ماہر سائنس دان نے ہی بنائی ہے۔ اسی طرح اس وسیع اور بیکران کائنات کا پیچیدہ ترین کمپیوٹر بھی کسی کائناتی انجینئر نے بنایا ہے جو انتہائی فہم و دانش کا مالک ہے بلکہ جو عین فہم و دانش ہے۔ اور کائنات کے خالق اور جو کچھ کائنات میں ہے ان سب کا وہی خالق ہے اور اس کو ہم مذہب والے لوگ خدا (God) کہتے ہیں۔

دھریہ: جب ہم اس منصوبے یا خاکے (Design) کی دلیل پر مزید گفتگو کرتے ہیں تو یہ انتہائی عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ مذہب پرست لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس کائنات اور جو کچھ اس کے درمیان ہے کو اپنی تمام تر خامیوں اور نقائص کے باوجود ایک بہترین (Best) تخلیق مانا جاتا ہے۔ کیا یہی نقائص سے بھری کائنات ہی اس قادر مطلق اور علیم کل خدا نے تخلق کی ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اگر آپ قادر مطلق ہوتے اور علیم کل ہوتے اور پھر لاکھوں کروڑوں سال آپ کو دیئے جاتے تو آپ اس موجودہ کوکلکس، کلان (Klux-Klan) سے بہتر کائنات بنا سکتے تھے؟

فہیم: میں آپ کے سوال کا دو پہلوؤں سے جواب دوں گا۔ پہلا پہلو یہ ہے کہ کیا یہ

Marfat.com

کائنات کوکلکس، کلان (Ku- Klux- Klan) ہے یا ایک مکمل شاہکار ہے سوائے چند باتوں کے۔ دوسرے پہلو کو ایک مثال سے واضح کروں گا۔ سب سے پہلے میں آپ کے سوال کا جواب ایک مثال سے واضح کروں گا۔ مثال کے طور پر فرض کریں کہ ایک چیونٹی اگر برطانیہ کے بحری جہاز اور بیڑے بنانے کی کمپنی میں داخل ہوتی ہے جس میں بہت سے مختلف حصے (Sections) ہیں۔ یہ کارخانہ فرض کریں ایک بحری جہاز 5 سال میں تیار کرتا ہے۔ چیونٹی ایک حصے (Section) میں داخل ہوتی ہے جہاں جہاز بنانے کا بنیادی مادہ (Raw Material) اور اس میں نصب ہونے والے آلات کا ساز و سامان پڑا ہے۔ اور چند تکمیل شدہ آلات بھی پڑ ہیں۔ کام جاری ہے اور چیونٹی مشاہدہ کر رہی ہے۔ کارخانے کا ایک بحری جہاز بنانے کا وقت 5 سال ہے جو چیونٹی کی پوری زندگی سے کئی زیادہ ہے اور چیونٹی اس پورے عوامل (Processes) کو مکمل طور پر آفاقی لحاظ سے (h Totality) مشاہدہ نہیں کر سکتی۔ اب اگر وہ چیونٹی کہتی ہے کہ یہی وہ کو، کلکس، کلان (Klux-Klan) ہے جو برطانیہ کا اتنا عظیم کارخانہ اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ بنا سکا ہے۔ تو آپ کا کیا خیال ہے کہ چیونٹی کا یہ طنز صحیح ہوگا۔ یقیناً اس کا یہ جملہ مشاہدے پر تو مبنی ہے مگر حقیقت کے ادارک سے عاری ہے۔ کیونکہ چیونٹی تو صرف ایک حصے (Section) کا مشاہدہ کر کے یہ جملہ کہہ رہی ہے جب کہ اس نے پورے کارخانے کو تو دیکھا ہی نہیں۔ اسی طرح چیونٹی نے اس کارخانے کا تیار کردہ عظیم بحری جہاز تو دیکھا ہی نہیں۔ جس میں انواع و اقسام کے خودکار برقی آلات لگے ہوئے ہیں۔ اور جو سمندر کی وسعتوں میں لاکھوں من بوجھ اٹھا کر اپنا راستہ اپنے راڈار کی مدد سے ہزاروں میل کا سفر طے کرنے کے قابل ہے۔ اور جس میں بیٹھنے والے لوگوں کے لئے سکون و اطمینان کی اشیاء مہیا کی گئی ہیں۔ جب چیونٹی نے ایک تیار شدہ بحری جہاز نہیں دیکھا اور کارخانے کے پورے عمل کو مشاہدہ نہیں کیا تو اس کا طنز اس کی کم علمی پر مبنی ہے نہ کہ حقیقت پر۔ حقیقت میں تو وہ کارخانہ کو کلکس، کلان (Ku- Klux- Klan) نہیں ہے۔ اسی طرح ہم بھی اس عظیم کارخانہ کائنات کے ایک

Marfat.com

حصے(Section) کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔یعنی کہ کرۂ ارض کا ہم نے پورا کارخانہ کائنات تو دیکھا ہی نہیں۔ہم تو مختلف کائناتوں کا سفر نہیں کیا جو اس کائنات کے اردگرد پھیلی ہوئی ہیں۔ہم نے تو صرف اس ایک کائنات کیا یک کہکشاں کے ایک نظام شمسی کے سیارے کرۂ ارض (Planet Earth) کا مشاہدہ کیا ہے۔ اور تھوڑا بہت نظام شمسی کے دوسرے سیاروں کے بارے میں چند معلومات اکٹھی کی ہیں۔دنیا کے تمام مذاہب نے ایک مکمل اور حسین ترین دنیا کا نظریہ متفق علیہ طور پر دیا ہے جس کو'' جنت'' کہا گیا ہے عدن کہا گیا ہے۔ لہٰذا آپ اس کارخانے کے ایک بنیادی مادے (Raw Material) والے حصے (Section) کو دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ(Ku-Klux-Klan) ہے۔کیونکہ ہمارے وقت کے شعور اور کائناتی وقت میں بہت فرق ہے جیسا کہ ہمارے اور چیونٹی کے وقت کے پیمانوں میں فرق ہے۔اگر آپ اس کائنات کا اور پھر دوسری کائناتوں کا اور آخر میں اس سے تیار ہونے والی مکمل تخلیق کا مشاہدہ کرنے کے بعد یہ کہیں کہ یہ (Ku- Klux- Klan) ہے تو پھر بات ٹھیک ہوگی۔اس سے پہلے اگر آپ یہ بات کرتے ہیں تو یہ آپ کی کم نظری(Miopic vision) کی دلیل ہوگی۔اب ہم آپ کے سوال کا دوسرے پہلو سے جواب دیتے ہیں۔وہ پہلو یہ ہے کہ کیا واقعی یہ دنیا یا کرۂ ارض اور اس پر بننے والی مخلوق (Ku-Klux-Klan) ہے یا نہیں۔کروڑوں سال پہلے ایک بڑا دھماکہ ہوتا ہے۔پوری کائنات میں مادہ (دھوئیں کے بادل کی شکل میں) پھیل جاتا ہے۔اس کے بعد مقناطیسی اور کشش کی قوتوں سے اس دھوئیں کے بادل (Nabulae) میں سیارچی نظام (Planetary system) وجود میں آتا ہے۔مختلف سیاروں میں مختلف موسمی حالات کے تحت مختلف قسم کے عناصر وجود میں آتے ہیں۔زندگی کی مختلف اقسام خالق تخلیق کرتا ہے اپنی قدرت سے۔اس سلسلے میں ہمارا کرۂ ارض بھی شامل ہے۔کرۂ ارض پر موسمی حالات مختلف ہوتے ہیں پھر اس کے گرد کرۂ ہوائی (Atmmosphere) بنایا جاتا ہے۔ پودوں کی مختلف انواع جن کی شکل وصورت اور اندرونی بیرونی ہیئت مختلف ہوتی ہے وجود

Marfat.com

میں آتی ہیں۔ ان پودوں کے مختلف نمونے اور رنگ ہوتے ہیں۔ یہ رنگوں اور نمونوں کا مختلف ہونا اس کے سوچے سمجھے منصوبے ہونے کی ایک دلیل بھی ہے۔ پھر پودوں کے بعد یک خلوی جاندار (UnicellularOrganisms) پیدا ہوتے ہیں۔ یہ ترقی کرتے جاتے ہیں اور پھر مزید پیچیدہ ہیئت رکھنے والے جاندار اور جانور پیدا ہوتے ہیں۔ سمندر میں پیدا ہونے والے حیات کے نمونوں، رنگوں اور بناوٹ کے شاہکاروں کو دیکھ کر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور اس کا اندازہ ایک نیشنل جیوگرافک سوسائٹی کی ایک فلم دیکھ کر سکتے ہیں۔ پھر یہ زندگی سمندر سے خشکی پر آتی ہے اور خشکی پر بھی اس کی بوقلمونی، اس کی رنگینی اس کی بناوٹ کی اقسام قائم رہتی ہے۔ اور ہزاروں لاکھوں نمونے اور رنگ تخلیق کے نظر آتے ہیں جو مختلف صفات کے حامل ہیں۔ اس کا اندازہ آپ تتلیوں کے رنگوں، چیتے، زیبرے اور زرافے کی جلد کے نمونے سے لگا سکتے ہیں۔ پھر پرندوں کی انواع واقسام علیحدہ ہیں۔ آخر یہ بوقلمونی اور رنگینی کا نظریہ فطرت میں کیوں آیا۔ آخر اس میکانکی کائنات میں ایک ہی رنگ کی میکانکی تخلیق کیوں نہیں ہے۔ کیا زندگی کا یہ حسن اور بوقلمونی آپ کے نزدیک ایک حقیقت ہے یا سراب ہے؟ کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حیات کے یہ انتہائی خوبصورت مختلف رنگوں، مختلف شکلوں، مختلف ہیئتوں، مختلف صفتوں کے حامل شاہکار (Ku- Klux- Klan) ہیں۔ یہ سبز کائی سے لے کر انناس کے خوبصورت درخت تک لاکھوں اقسام پودوں کی، ایک چھوٹے سے سمندری گھوڑے (Sea horse) سے ویل مچھلی تک لاکھوں خوبصورت اقسام مچھلیوں کی ایک چھوٹے سے خوبصورت کیڑے سے عظیم الجثہ ہاتھی تک کی لاکھوں خوبصورت اقسام اور حیات کے نمونے کیا یہ سب (Ku- Klux- Klan) ہیں؟ کیا یہ کرۂ ارض پر عظیم منصوبہ بندی سے آنے جانے والے موسم، یہ سمندر سے اٹھ کر مختلف علاقوں میں تقسیم ہونے والے بادلوں کا نظام، یہ زمین کے اندر انسانی ضروریات کے لئے مختلف معدنیات، یہ کرۂ ارض کے گرد عظیم اوزون کی تہہ جو کرۂ ارض کی حفاظت کر رہی ہے یہ چاند کی تاریخوں کے ساتھ ساتھ سمندر میں ہونے والا مدوجزر یہ سب (Ku- Klux-

Marfat.com

Klan) ہے۔ اورآخر میں یہ عظیم حضرت انسان جس نے اس کرۂ ارض پر عظیم عمارتیں خوبصورت باغات، نقل وحرکت کا عظیم نظام ریل روڈ اور ہوائی جہاز کا نظام اور کروڑوں دوسری تخلیقات کر کے چار چاند لگا دیئے ہیں۔ کیا ایسے عظیم انسان کو آپ (Ku-Klux-Klan) کہہ سکتے ہیں؟ ان سب حقائق کو مشاہدہ کر کے ان کو (Ku-Klux-Klan) نہیں کہا جا سکتا۔ میں آپ کو یہی کہوں گا کہ آپ اس کرۂ ارض پر پائی جانے والی انواع و اقسام کی حیات کا مشاہدہ کریں۔ ان کی اہلیتوں اور صفات کا ان کی رنگینی اور اشکال کی بوقلمونی کا مشاہدہ کریں۔ اوراس کرۂ ارض کے سپر کمپیوٹر کے خودکار نظام کا مشاہدہ کریں۔ اس پر بغیر تعصب کے سوچیں اوراس کی عظمت کو محسوس کریں۔ یہ کرنے کے بعد اپنے جملے پر دوبارہ توجہ دیں کہ کیا آپ کا یہ جملہ (Ku-Klux-Klan) ایسے عظیم خودکار نظام کے لئے بولا جا سکتا ہے۔ اگر آپ دنیا کے بہترین انجینئر، ڈاکٹرز، کیمیا دان، مصور، مفکر، فلسفی، بائیوٹیکنالوجسٹ، بائیوکیمسٹ، آرکیٹیکٹ، طبیعت دان، برٹرسینڈرسل، ول ڈیورانٹ، آئن سٹائن، نیوٹن، ایڈیسن، سٹیفن ہاکنگ وغیرہ کو بلا لیں اور سپر کمپیوٹر بھی لے لیں۔ اوران سب کو ملا کر کیا آپ ایک مچھر بنا سکتے ہیں جس میں آزاد ارادہ کی قوت ہو۔ جس میں اپنی جان کی حفاظت کی سمجھ بوجھ ہو جس میں تولید کی قوت ہو اپنی اولاد کی دیکھ بھال اور حفاظت کی قوت ہو۔ ان صفات کا حامل ایک چھوٹا سا مچھر تخلیق کر دیں۔ بنا دیں۔ اوراس کے لئے بے شک ایک ہزار سال کا وقت بھی لے لیں۔ تو کیا آپ ایسی تخلیق کر لیں گے۔ اور ایک ایسا مچھر بنا لیں گے۔ یقیناً آپ نہیں بنا سکتے۔ اس وقت کرۂ ارض پر محتاط اندازے کے مطابق 5 لاکھ مچھلیوں کی، 5 لاکھ پودوں کو اور 3 لاکھ سے زیادہ خشکی کے جانوروں کی اقسام ہیں اگر انسان یہ 13 لاکھ اقسام تخلیق کرنا چاہے تو اس کو کتنا وقت درکار ہوگا۔ اگرچہ انسان کے پاس تو بہت زیادہ علم ہے۔ انسان اپنی تمام تر ترقی اور علم کے باوجود ایک مچھر تخلیق نہیں کر سکتا۔ تو 13 لاکھ اقسام کے لئے اگر وہ اس قابل ہو جائے تو کتنا وقت اسے چاہیے۔ جب سے زمین وجود میں آئی ہے اس وقت سے اب تک کے وقت میں انسان اتنی اقسام

Marfat.com

نہیں بنا سکتا۔ لہٰذا ہم کیسے اس عظیم کارخانہ حیات کرۂ ارض کو (Ku-Klux-Klan) کہہ سکتے ہیں۔ اب آپ کے سوال کا تیسرا پہلو فاشسٹ (Fascist) لیتے ہیں۔ انسان میں یہ جو فاشسٹ رجحانات پائے جاتے ہیں یہ تو اس کے آزاد ارادے کا اظہار ہیں۔ اگر آپ ایک ایسی تخلیق کریں جس میں اچھے اور برے دونوں رجحانات ہوں اور اس میں آزاد ارادہ بھی ہو۔ اور وہ تخلیق اپنے ارادے سے اچھائی یا برائی کرے۔ تو یہ آپ کی تخلیق کا نقص نہیں کمال ہوگا۔ کہ وہ اچھائی اور برائی دونوں پر قادر ہے۔ اگر صرف اچھائی کی صلاحیت والی تخلیق ہوتی تو پھر وہ صرف اچھائی کرے گی۔ اور وہ بھی ہے جن کو مذہب کی زبان میں فرشتے کہتے ہیں۔ پھر یہ کہ آپ صرف فاشسٹ لوگوں کو کیوں دیکھتے ہیں آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کیوں نہیں دیکھتے جنہوں نے مظلوم یہودیوں کو فرعون کے شکنجے سے نکالا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کیوں نہیں دیکھتے۔ مدر ٹریسا کو اور دوسرے کئی ایسے لوگوں کو کیوں نہیں دیکھتے جنہوں نے انسانیت کے لئے کام کیا۔ آپ حضرت محمد ﷺ کو کیوں نہیں دیکھتے۔ جنہوں نے عرب کے وحشی قبائل کو انسانیت کے سانچے میں ڈھال دیا۔ اور انسانیت کی رہنمائی کے لئے عظیم کتاب قرآن عظیم چھوڑ گئے۔ تاکہ یہ کتاب رہتی دنیا تک انسانیت کی رہنمائی کرتی رہے۔ اور انسان کو اپنے مسائل حل کرنے میں مدد دیتی ہے۔ یہ رحمانی (Humanitarian) اور ظلمانی (Fascist) رجحانات تو آزاد ارادے کا اظہار ہیں اور تخلیق کی تکمیل پر دلالت کرتے ہیں نہ کہ نقص پر۔ جیسا کہ ایک گولی بارود کی خوبی یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے شکار کو مار دے۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ خدا فاشسٹ لوگوں کو اپنے رجحانات کے اظہار سے روک دیتا۔ تو اس صورت میں پھر انسانی تخلیق کے مقصد کے خلاف ہوتا۔ کیونکہ انسان میں دونوں صلاحیتوں کا اظہار ہونے سے ہی ہمیں معلوم ہوگا کہ اس تخلیق میں یہ دونوں صلاحیتیں پائی جاتی ہیں۔ بندوق کی خوبی نشانہ پر گولی مارنا ہی تو ہے۔ اب آپ اعتراض کریں کہ یہ کیا فضول تخلیق ہے جو نشانہ خطا ہی نہیں کرتی اور لوگوں کا قتل کرتی ہے خون بہاتی ہے۔ تو پھر اس کی تخلیق کے مقصد کو مدنظر رکھ کر بات نہیں کر رہے۔ لہٰذا امید ہے کہ اب آپ اپنے (Ku-

Marfat.com

Klux-Klan)والے الفاظ پر دوبارہ سوچیں گے کہ کیا یہ ٹھیک ہے یا نہیں۔

دلیل اخلاقی (Moral Argument)

دھریہ: اب میں ایک قدم اور آگے بڑھ کر مذہب پرست طبقے کی طرف سے دی جانے والی دلیل اخلاقی پیش کرنا چاہوں گا۔ اور اس کی تردید کروں گا۔ پہلے پہل مذہب پرست طبقے کی طرف سے تین اہم ترین دلائل وجود خدا کے بارے میں دیئے جاتے تھے۔ جن کو امینوئل کانٹ (Immanual kant) نے اپنی کتاب ''عقل خالص پر تنقید'' (Critique of pure reason) میں رد کر دیا تھا۔ مگر اس نے ایک اور دلیل ایجاد کی۔ جس کو'' دلیل اخلاقی'' کہتے ہیں اور اس دلیل نے اسے متاثر بھی کیا۔ اور مطمئن بھی کیا۔ کانٹ نے دلیل اخلاقی ایجاد کی۔ اور اس کی یہ دلیل 19 ویں صدی میں مختلف علمی حلقوں میں کافی مشہور رہی۔ اس میں ہر قسم کی اشکال (Form) ہیں۔ ایک شکل (Forms) یا پہلو یہ ہے کہ اگر خدا کا تصور ختم کر دیا جائے تو پھر کوئی چیز یا کام یا نظریہ ٹھیک یا غلط نہیں ہوگا۔ یعنی صحیح اور غلط کا معیار خدا کے تصور پر مبنی ہے اس کے وجود سے قائم ہے۔ فی الحال میں اس پر بات نہیں کروں گا کہ صحیح اور غلط میں کوئی فرق ہے یا نہیں۔ میں تو یہ کہنا چاہوں گا کہ کیا صحیح اور غلط کے درمیان مذہب پرست طبقے کے نزدیک کوئی فرق ہے یا نہیں؟ اگر فرق ہے تو کیا یہ فرق خدا کی وجہ سے ہے یا اس کی وجہ سے نہیں ہے؟ اگر یہ خدا کی وجہ سے ہے تو پھر خدا کے اپنے نزدیک صحیح اور غلط میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ خدا اچھا ہے ایک بے معنی سا جملہ بن جائے گا۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ خدا اچھا ہے تو پھر آپ کو یہ ماننا پڑے گا کہ صحیح اور غلط کا مفہوم خدا کے حکم کے بغیر اپنا وجود رکھتا ہے۔ کیونکہ آپ خدا کے حکموں (Fiats) کو صحیح یا اچھا کہتے ہیں اس لئے کہ یہ خدا نے بنائے ہیں اور ان حکموں میں کوئی برائی نہیں ہے۔ اگر آپ یہ کہتے ہیں تو پھر منطقی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اچھائی، برائی، صحیح اور غلط کا وجود خدا کے ذریعے نہیں ہے بلکہ ان کا خدا کے علاوہ اپنا ایک وجود ہے۔

(Why I am not a Christian. Page 18,19 by Bertrand Russel)

Marfat.com

فہیم: میں دلیل اخلاقی سے اتفاق تو کرتا ہوں۔ مگر میں اس طریقے سے اتفاق نہیں کرتا۔ جس طریقے سے امینوئل کانٹ نے اسے پیش کیا ہے۔ جیسا کہ وہ کہتا ہے کہ اگر خدا کے تصور کو ختم کر دیں اس کے وجود کو نہ مانیں۔ تو صحیح اور غلط کا وجود ختم ہو جائے گا۔ اچھائی اور برائی کا وجود ختم ہو جائے گا۔ میں اس کو اس طرح پیش کرنا چاہوں گا کہ اگر خدا کے وجود اور آخرت کی زندگی کو نہ مانا جائے تو پھر کوئی صحیح وغلط اچھا یا برا نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ خدا کی غیر موجودگی اور موت کے بعد کوئی زندگی نہ ہونے کی صورت میں پھر اچھا یا برا صحیح اور غلط ہونے کی کوئی منطقی ضرو. ت نہیں رہتی۔ کیونکہ مجھے میری اخلاقی قدروں کا کوئی انعام نہیں ملے گا۔ جب خدا کا وجود نہیں اور موت کے بعد کوئی زندگی نہیں۔ تو پھر میں صحیح اور غلط نیکی و بدی کے چکروں میں کیوں پڑوں۔ اگر خدا کا وجود نہیں۔ اور موت کے بعد کوئی زندگی نہیں۔ تو پھر وہی بات اور عمل صحیح ہے جو میری خواہش کو پورا کرے۔ میرے مفاد کو پورا کرے۔ لہٰذا خدا کی غیر موجودگی اور موت کے بعد دوسری زندگی نہ ہونے کی صورت میں دہریوں کے پاس صحیح وغلط نیک و بد کے لئے کوئی منطقی بنیاد نہیں رہ جاتی۔ آخر ایک دہریہ بندہ رشوت کیوں نہ لے اور دیانت داری سے کیوں کام کرے؟ آخر ایک دہریہ کھانے پینے کی چیزوں اور دوائیوں میں ملاوٹ کیوں نہ کرے؟ آخر ایک دہریہ کسی کروڑ پتی کی دولت ہتھیانے کے لئے اسے پوشیدہ طور پر قتل کیوں نہ کرے؟ آخر ایک دہریہ گروہ بنا کر برطانیہ کی خوبصورت ترین لڑکیوں کی عزت کو تار تار کیوں نہ کرے؟ آخر ایک دہریہ اپنی ماں، بہن، بیٹی، بہو، ساس وغیرہ سے جنسی لذت کیوں نہ حاصل کرے؟ آخر ایک دہریہ جج سب سے زیادہ رشوت دینے والے کے حق میں فیصلہ کیوں نہ کرے؟ آخر ایک دہریہ منشیات کا کاروبار کیوں نہ کرے؟ آخر ایک دہریہ بینک کا ملازم ہے تو غبن کیوں نہ کرے؟ ایک دہریہ مسولینی کی طرح ایک فاشسٹ حکومت کیوں نہ قائم کرے؟ آخر ایک دہریہ ہٹلر کی طرح ہزاروں یہودیوں کو گیس چیمبر میں کیوں نہ قتل کرے؟ آخر ایک دہریہ اگر ملک کی انٹیلی جنس ایجنسی کا سربراہ ہے تو وہ اپنے ملک کے راز کیوں نہ بیچے؟ آخر جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون

Marfat.com

کیوں نہ نافذ کیا جائے؟ ان تمام سوالات اور ان جیسے اور بہت سے سوالات کا کوئی منطقی جواب نہیں ہوسکتا۔ کیا خدا کی غیر موجودگی اور موت کے بعد کی زندگی نہ ہونے کی صورت میں آپ ان سوالوں کے کوئی منطقی جوابات دے سکتے ہیں۔ اور اخلاقیات اور اخلاقی قدروں کے لئے کوئی منطقی جواز دے سکتے ہیں جو انسانی نفسیات کو مدنظر رکھتے ہوئے قابل عمل بھی ہو۔ اور اس کی بنیاد پر ایک معاشرہ تخلیق کیا جاسکتا ہو؟

دھریہ: آخر آپ اخلاقی رویہ اپنائیں گے تو لوگ آپ کی عزت کریں گے اور آپ کے مرجانے کے بعد آپ کو یاد رکھیں گے۔

فہیم: میرا خیال ہے کہ آپ نے ایسا معاشرہ نہیں دیکھا۔ جس میں صاحب علم وتقویٰ لوگوں کو انتہائی برا سمجھا جاتا ہے۔ اور ان کو معاشرے میں دھتکارا جاتا ہے اور انہیں معاشرے کی کارکردگی کے لئے ایک رکاوٹ سمجھا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر پاکستانی معاشرے میں اگر آپ اصول پسند اور سچے انسان ہیں تو پھر آپ کی زندگی ایک عذاب بن جائے گی۔ اور ایسے لوگوں کو معاشرے کا ناسور سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی کسٹم انسپکٹر رشوت نہیں لیتا۔ تو پہلے تو اسے کہا جاتا ہے کہ زیادہ رشوت لے لے۔ اگر نہ مانے تو کہا جاتا ہے ہمارے راستے سے ہٹ جا۔ اگر نہ ہٹے تو اسے قتل کردیا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ لوگ تو عزت دولت کی کرتے ہیں عہدے کی کرتے ہیں بندہ کتنا مشہور ہے اس کی عزت ہوتی ہے۔ لوگوں کو اس سے غرض نہیں کہ یہ بندہ کیسے دولت مند بنا۔ اور کیسے اس مقام تک پہنچا لوگ تو مسولینی، ہٹلر اور صدام جیسے لوگوں کی بھی عزت کرتے ہیں۔ چنگیز خان اور ہلاکو خان کے دور میں ان کی بھی عزت ہوتی تھی۔ اب آتے ہیں آپ کی اس بات کی طرف کہ مرنے کے بعد لوگ اسے یاد کریں گے۔ تو اس کا کیا فائدہ ہے مرنے والے کو۔ وہ تو بس خاک میں مل کر خاک ہوگیا۔ اس کو تو اب شعور نہیں ہے کہ اسے کوئی یاد کر رہا ہے یا نہیں۔ اسے تو اس کی خبر ہی نہیں۔ تو پھر فائدہ کیا ہوا۔ اگر لوگ آپ کو یاد نہیں بھی کریں گے تو آپ کو کیا فرق پڑے گا۔ آپ تو دونوں ہی صورتوں میں اس سے بے خبر ہیں۔ لہٰذا اگر زندگی کے بعد دوسری

Marfat.com

زندگی نہیں ہے تو پھر یہ باتیں بے کار ہیں۔اس طرح اگر ایک شخص کہتا ہے کہ مجھے عزت بھی نہیں چاہیے اور میرے مرنے کے بعد مجھے کوئی بھی یاد نہ کرے۔تو کیا ایسے شخص کو پھر اخلاقی رویہ نہیں اپنانا چاہیے۔اور آخری بات کہ اگر ایک معاشرے میں رشوت خور، حرام خور، بد دیانت، ملاوٹ کرنے والے، قاتل، لیٹرے، زانی شرابی کی لوگ عزت کرتے ہوں تو کیا ایسے معاشرے میں لوگوں کو یہ سب کچھ کرنا چاہیے اور اخلاقیات کو پس پشت ڈال دینا چاہیے۔اگر ایک شخص یہ تمام غلط کاریاں کرنے کے باوجود نہ پکڑا جائے تو کیا اسے یہ کرنا چاہیے۔کیا آپ اس قسم کے غلط کاموں کی معاشرے میں پھر اجازت دیں گے۔

دھریہ: نہیں نہیں، یقیناً ایسے کاموں کی اجازت نہیں دی جاسکتی چاہے کیسے ہی حالات ہوں۔

فہیم: تو گویا آپ مجھ سے اتفاق کرتے ہیں کہ خدا کی غیر موجودگی اور موت کے بعد دوسری زندگی کے تصور کے بغیر ہمارے پاس اخلاقی اقدار اپنانے کے لئے کوئی منطقی بنیاد یا جواز نہیں ہے۔اور ان دو نظریات کے بغیر اخلاقی اقدار قائم نہیں کی جاسکتیں۔اور اگر جیسے تیسے کر کے اخلاقی قدریں معاشرے میں نافذ کر بھی دی جائیں۔تب بھی ان کا منطقی جواز کوئی نہیں۔اور ایسی صورت میں وہ زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکتیں۔اور جب میں اخلاقی قدروں کی بات کرتا ہوں تو میری مراد ان سے سچائی، دیانت داری، امانت داری، ذمہ داری، رشوت نہ لینا، جھوٹ نہ بولنا، ملاوٹ نہ کرنا، چوری نہ کرنا، قتل نہ کرنا وغیرہ ہیں۔ہو سکتا ہے کہ ایک معاشرے میں ان اقدار کے علاوہ دوسری اقدار کو بھی قابل تعریف سمجھا جاتا ہو۔مگر میں انہی اقدار کی بات کر رہا ہوں جن سے ایک معاشرہ جنت نذیر بن جاتا ہے۔

دھریہ: آپ نے ''دلیل اخلاقی'' کے حوالے سے ایک نئے افق کا انکشاف کیا ہے۔جو واقعی قابل تعریف بھی ہے اور عقل کو لگتا بھی ہے۔مگر ابھی بھی کچھ اس سلسلے میں مزید گفتگو کرنا چاہوں گا۔اور وہ یہ کہ اگر آپ کو یقین ہے کہ صحیح اور غلط یا نیک اور بد میں فرق ہے تو پھر آپ اس کی کیا وضاحت کرتے ہیں خدا کی اپنی ذات کی حد تک صحیح اور غلط یا نیک اور بد میں کوئی

Marfat.com

فرق نہیں۔لہٰذا یہ کہنا کہ خدا اچھا ہے کوئی معنی نہیں رکھتا۔اگر آپ کہتے ہیں کہ خدا اچھا ہے تو پھر آپ کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اچھائی اور برائی کا خدا کے علاوہ اپنا مستقل وجود ہے۔لہٰذا پھر یہ کہنا غلط ہوگا کہ چونکہ یہ احکام خدا نے دیئے ہیں اس لئے یہ اچھے ہیں کیونکہ اچھائی اور برائی کا اپنا علیحدہ وجود ہے۔،لہٰذا اچھائی اور برائی اپنے وجود میں خدا کی مرہون منت نہیں۔

فہیم: میں آپ سے ضمنی طور پر اتفاق کرتا ہوں کہ صحیح اور غلط منطقی لحاظ سے خدا سے علیحدہ ہیں مگر میں آپ کے نظریے سے مکمل اتفاق نہیں کرتا ہوں۔کیونکہ آپ کے نظریے میں کچھ ابہامات ہیں جو کہ صحیح وغلط کی اصل نوعیت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہیں۔اس کو میں ایک مثال کے ذریعے واضح کرنے کی کوشش کروں گا۔اور اس کے بعد انشاءاللہ امید ہے آپ کے تمام سوالوں کے جوابات اس حوالے سے واضح ہو جائیں گے۔فرض کریں آپ ایک انجینئر ہیں اور آپ نے ایک خاص قسم کی موٹر کار ایجاد کی ہے۔موجد ہونے کے حوالے سے آپ سب سے بہتر جانتے ہیں کہ اس کے انجن کے لئے کس قسم کا تیل بہتر ہوگا۔اس کے جوڑوں کے لئے اس کے کاربوریٹر کے لئے کون کون سے تیل بہتر ہوں گے اور اس کے چلانے کے لئے کون سا ایندھن اس میں استعمال کیا جائے۔اور اس کار کی بہتر کارکردگی کے لئے کون سے کام کرنے ہیں (Do's) اور کون سے نہیں کرنے (Dont's) آپ نے یہ تمام ہدایات اس گاڑی کے ساتھ ملنے والے کتابچے میں لکھ دی ہیں۔اب اگر کوئی شخص ان ہدایات کے مطابق اس موٹر کار کو استعمال کرتا ہے تو وہ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائے گا۔اور جو ان ہدایات پر عمل نہیں کرے گا وہ اس کار کا بیڑہ غرق کر دے گا اور نتیجتاً نقصان اٹھائے گا۔ لہٰذا اس کتابچے میں دی گئی تمام ہدایات اس کار کے حوالے سے صحیح اور اچھی ہدایات ہیں۔ ان ہدایات میں وئی برائی نہیں ہے۔برائی تو ان ہدایات کی خلاف ورزی کرنے سے پیدا ہو گی۔لہٰذا غلطی اور برائی اس کتابچے کی خلاف ورزی کرنے سے پیدا ہوئی ہے۔اب اس کار کے حوالے سے دونوں برائی اور اچھائی، صحیح اور غلط اس انجینئر سے علیحدہ اپنا وجود رکھتی ہیں۔ لیکن ایک پہلو سے ان کا وجود انجینئر کے دم سے قائم ہے۔اور وہ بندہ جو اس کتابچے کے

Marfat.com

مطابق کار کو استعمال کر کے اس کا پورا پورا فائدہ حاصل کر رہا ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ جناب رسل صاحب بہت اچھا انجینئر ہے۔ اب آپ اس مثال میں انجینئر کی جگہ خدا کو تصور کریں، اور کار کی جگہ تخلیق یا کائنات کو رکھیں اور کتابچے کی جگہ خدا کی وحی شدہ کتاب کو رکھیں۔ بشرطیکہ اس وحی میں کسی انسانی دماغ وخواہشات کی ملاوٹ نہ ہوئی ہو۔ جب آپ یہ مثال ذہن میں رکھ کر غور کریں گے تو آپ کو آپ کے تمام سوالوں کے جواب مل جائیں گے۔ لہٰذا خدا کے تمام احکامات یا ہدایات تخلیق کے حوالے سے اچھی ہی ہیں اور ان میں کوئی بھی حکم برا حکم نہیں ہے برائی تو اس کے حکم کی نافرمانی کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اپنے جوہر کے حوالے سے اچھائی برائی دونوں خدا سے علیحدہ ہیں۔ مگر موجود بالذات نہیں ہیں۔

دھریہ: اس کے علاوہ بھی ایک بڑا ہی عجیب پہلو اس دلیل اخلاقی کا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وجود خدا کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ اس دنیا میں عدل قائم کیا جا سکے۔ کیونکہ کائنات کے جس حصے میں ہم رہتے ہیں اس میں عدل نہیں ہے اور بہت زیادہ ظلم نظر آتا ہے۔ اور اکثر برا کامیاب رہتا ہے اور اچھا ناکام رہتا ہے۔ لہٰذا اگر آپ کائنات میں عدل چاہتے ہیں تو آپ کو موت کے بعد ایک زندگی کا تصور ماننا پڑے گا۔ جس میں اس زندگی کی زیادتیوں کی تلافی ہو سکے۔ یہ عجیب دلیل ہے اگر آپ اس دلیل کو سائنسی لحاظ سے دیکھیں تو آپ یہ کہیں گے کہ میں تو بس اس دنیا کو جانتا ہوں میں باقی کائنات کے بارے میں تو کچھ نہیں جانتا ہوں۔ ہاں اس کو بہت سے امکانات میں سے زیادہ سے زیادہ ایک امکان کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں میں یہ کہہ سکتا ہوں۔ کہ چھوڑیں جی جیسی یہ دنیا ویسی وہ دنیا۔ اگر یہاں ظلم ہے اور عدل عنقا ہے تو وہاں بھی یہی حالت ہوگی۔

(Why I am not a Christian. Page: 19,20)

فہیم: سب سے پہلے تو میں یہ کہوں گا کہ میں اس دلیل سے کلی طور پر متفق نہیں ہوں۔ بلکہ میں اس کو اس طرح پیش کرنا چاہوں گا کہ اگر خدا ہے تو پھر اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہونی چاہیے تا کہ برے کو اس کی برائی کی سزا دی جائے۔ اور اچھے کو انعام ملے۔ اب

Marfat.com

آپ کے بیان کی طرف آتے ہیں آپ کا یہ کہنا کہ اگر اس دنیا میں عدل نہیں ہے تو وہاں بھی نہیں ہوگا۔ اب میں آپ سے یہ پوچھنا چاہوں گا کہ کیا دنیا میں یہ ظلم خدا کی وجہ سے ہے یا انسان کی وجہ سے؟ یہاں پر آپ کو خدا کے مکمل تصور اور اس کی تخلیق کے تصور کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اب میں آپ کو یہاں بتا دوں کہ خدا نے انسان کو ایک آزاد ارادے کے ساتھ تخلیق کیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسری مخلوقات بھی ہیں جن میں آزاد ارادہ و اختیار موجود نہیں ہے۔ انسان کو ایک آزاد ارادہ و اختیار دیا گیا ہے اور ساتھ ہی اس کو استعمال کرنے کا کتابچہ بھی دے دیا گیا ہے کہ آپ نے ان حدود کے اندر رہ کر اپنے اختیار اور ارادے کو استعمال کرنا ہے۔ اگر آپ ان حدود کے اندر رہ کر زندگی بسر کریں گے تو معاشرے میں کوئی ظلم و زیادتی نہیں ہوگی۔ اور نتیجتاً ان ہدایات کے مطابق زندگی بسر کرنے کی وجہ سے آپ کو ایک ایسی دنیا میں لے جایا جائے گا جہاں پر کوئی بھی تکلیف یا منفیت نہیں ہوگی۔ اس کو مذہب نے اپنی اصطلاح میں جنت کہا ہے۔ یعنی انسان کو جنت میں لے جایا جائے گا۔ لہٰذا اس دنیا میں جتنے ظلم ہوتے ہیں یا زیادتیاں ہوتی ہیں وہ ان ہدایات یا احکام کی خلاف ورزی کی وجہ سے ہیں۔ مثلاً آپ چاقو ایجاد کرتے ہیں اور لوگوں کو بتاتے ہیں کہ آپ نے اس چاقو کو سبزی، فروٹ، لکڑی، کاغذ وغیرہ کاٹنے کے لئے استعمال کرنا ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس چاقو سے کسی دوسرے انسان کا گلا کاٹتا ہے تو اس کا آپ کو ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ کیونکہ آپ نے کسی کو یہ ہرگز حکم نہیں دیا کہ اس چاقو نے دوسرے انسان کا گلا کاٹیں۔ اگرچہ چاقو میں ایک ذاتی صلاحیت گلا کاٹنے کی بھی ہے مگر آپ نے اسی لئے گلا کاٹنا ممنوع قرار دے دیا۔ اور اس سلسلے میں امتناعی ہدایات دے دیں۔ اب ان ہدایات کے باوجود کوئی بندہ اس سے کسی انسان کا گلا کاٹتا ہے تو وہ سزا کا مستحق ہے۔ اسی طرح خدا نے انسان کو آزاد ارادہ و اختیار دے دیا ہے اور اس کو ساتھ وحی کے ذریعے اس آزاد ارادے و اختیار کو استعمال کرنے کی حدود بتا دیں ہیں۔ اگر انسان وحی کی ہدایات پر عمل کریں گے تو دنیا میں کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ اور انسان کو اپنا ارادہ و اختیار صحیح طریقے سے استعمال کرنے کا انعام دیا

Marfat.com

جائے گا۔ اور اگر انسان اس آزاد ارادے و اختیار کو وحی کی ہدایات کے خلاف استعمال کرے گا یا اس کے مطابق استعمال نہیں کرے گا تو اس کو سزا دی جائے گی۔ مثال کے طور پر فرض کریں۔ آپ ایک الیکٹرانک انجینئر ہیں آپ نے 3 ہزار ایسے روبوٹس بنائے ہیں جن میں آزاد ارادہ و اختیار ہے اور 7 ہزار ایسے روبوٹس بنائے ہیں جن میں آزاد ارادہ و اختیار نہیں ہے۔ اب آپ ان 3 ہزار روبوٹس کو حکم دیتے ہیں کہ آپ نے اپنا کام ایمان داری سے کرنا ہے آپ نے کسی کے ساتھ ظلم زیادتی نہیں کرنی، ملاوٹ نہیں کرنی، رشوت نہیں لینی وغیرہ وغیرہ۔ اگر آپ ان ہدایات کے مطابق کام کریں گے تو انعام ملے گا ورنہ سزا ملے گی۔ اب اگر وہ تین ہزار روبوٹس آپ کی ہدایات کے مطابق کام نہیں کرتے تو آپ کو الزام نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ ان کا آپ کی ہدایات کے خلاف چلنا اس بات کا ثبوت ہے کہ ان میں آزاد ارادہ اور اختیار موجود ہے اور ایک انجینئر ہونے کے حوالے سے یہ آپ کی تخلیق کے مکمل ہونے کی دلیل ہے کہ واقعی آپ ایک انجینئر کی حیثیت سے روبوٹس میں آزاد ارادہ و اختیار پیدا کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔ اور روبوٹس کا آزاد ارادہ ان کی خلاف ورزی سے عیاں ہوتا ہے جو آپ کی تخلیق کے مکمل ہونے کی دلیل ہے۔ ان کی خلاف ورزیاں احکامات کی ان کے حوالے سے بری ہیں کیونکہ اس وجہ سے ان کو سزا ملے گی۔ لیکن انجینئر ہونے کے حوالے سے آپ کی تخلیق قابل تعریف ہے اور آپ ایک آزاد ارادہ و اختیار تخلیق کرنے میں کامیاب ہیں۔ اسی طرح دوسرے 7 ہزار روبوٹس جن میں آزاد ارادہ و اختیار نہیں ہے وہ بڑی تندہی سے آپ کی ہدایات و پروگرام کے مطابق دن رات کام کر رہے ہیں۔ آپ کے نزدیک کون سی تخلیق شاہکار ہے وہ جس میں آزاد ارادہ و اختیار ہے یا وہ جو پروگرام کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی مجبوراً کام کرتی جا رہی ہے۔ لہٰذا انسان کو چونکہ ایک آزاد ارادہ و اختیار دیا گیا ہے۔ اس لئے جب انسان اپنی اس قوت کو خدا کی ہدایات کے خلاف استعمال کرتا ہے تو اس سے ظلم اور زیادتیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اب آپ کے اعتراض کے دوسرے پہلو کی طرف آتے ہیں جیسا کہ آپ نے کہا کہ اگر یہاں اس دنیا میں ظلم و زیادتی ہے تو وہاں

Marfat.com

بھی یہی حال ہوگا۔تو سب سے پہلے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ظلم زیادتیاں خدا کی وجہ سے نہیں ہیں۔دوسری بات یہ کہ اگر ایک شخص لندن میں ظلم کر رہا ہے اور میں یہ کہوں کہ چونکہ وہ شخص لندن میں ظلم کر رہا ہے لہٰذا اس کا مطلب ہے کہ برطانیہ کی سپریم کورٹ بھی ظالم ہے۔ اور چونکہ انگلش معاشرے میں ظالم لوگ ہیں۔لہٰذا اس کا مطلب یہ ہے کہ برطانیہ کی سپریم کورٹ ظالم ہے تو یہ میرا کہنا ٹھیک نہیں ہوگا۔ اور حقیقت پر مبنی نہیں ہوگا۔آپ نے خدا کی پوری سکیم کو سمجھنا ہے جب آپ سمجھ جائیں گے تو پھر آپ کو آپ کے سوالوں کے جواب مل جائیں گے۔خدا نے اس دنیا کو تخلیق کیا ہے انسان کے آزاد ارادہ و اختیار کو آزمانے کے لئے۔اگر لوگ اپنی اس دنیا کی زندگی کو انسانیت کی بھلائی اور فلاح کے لئے استعمال کریں گے تو انہیں اگلے جہان میں انعام دیا جائے گا۔اگر لوگ اپنی اس زندگی کو انسانوں کے ساتھ ظلم کرنے، انسانیت کی تباہی و بربادی کے لئے استعمال کریں گے تو ان کو اگلے جہان میں سزا دی جائے گی۔لہٰذا یہ دنیا تو انسان کے آزاد ارادہ و اختیار کے امتحان ہی کے لئے تو تخلیق کی گئی ہے۔اسی لئے خدا اس میں عموماً مداخلت نہیں کرتا۔تا کہ انسانیت اپنے آزاد ارادے و اختیار کو صحیح معنوں میں استعمال کر کے ہی انعام یا سزا کی مستحق بنے۔لہٰذا یہ پورا پروگرام انتہائی مضبوط عقلی و منطقی بنیادوں پر قائم ہے۔یہ تو ہماری کم علمی ہوتی ہے جس کی وجہ سے تضاد و ابہام پیدا ہوتا ہے۔ میرے لئے ہو سکتا ہے کہ ڈیفرنیشنل ایکوویشن (Differential Equation) نمبروں کا بے ترتیب و بے ہنگم نمونہ ہو۔مگر ایک ماہر ریاضی دان کے لئے وہ ایک عظیم مربوط اور ترتیب وار ایکوویشن ہوگی۔لہٰذا مجھے ڈیفرنشل ایکوویشن کو ایک ریاضی دان کی نظر سے دیکھنا پڑے گا۔

دھریہ: آپ نے تخلیق کے فلسفے کو بڑے اچھے انداز سے واضح کیا ہے۔لیکن ابھی اس معاملے میں میں نے دلیل اخلاقی کے حوالے سے مزید کچھ کہنا ہے۔میرے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اخلاقی کردار میں ایک بہت بڑا نقص ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جہنم پر یقین رکھتے ہیں۔میں نہیں سمجھتا کہ ایک انسان دوست بندہ جو صحیح معنوں

Marfat.com

میں انسان دوستی کا قائل ہو۔، وہ ہمیشہ کی سزا (جہنم) پر یقین کرسکتا ہے (صفحہ 22) میں یہاں یہ زور دے کر کہنا چاہوں گا کہ یہ نظریہ کہ جہنم کی آگ گناہوں کی سزا ہے۔ایک انتہائی ظالمانہ نظریہ ہے۔(Why I am not a Christian. Page 23)

فہیم: سب سے پہلے تو آپ کو یہ یادرکھنا چاہیے کہ جو موجودہ انجیل (Bible) ہے یہ وہ انجیل نہیں ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ موجودہ انجیل تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے 4 حواریوں کے بیانات یا روایات ہیں۔ اور یہ تمام کی تمام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیان کردہ الفاظ پر مبنی نہیں ہیں۔ یہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مختلف حالات واقعات اوران کے خطبات کا مجموعہ ہیں جن کو یہ حواری یادرکھ سکے ہیں۔اسی لئے تو ان کے نام متی کی انجیل، مرقس کی انجیل، لوقا کی انجیل اور یوحنا کی انجیل ہیں۔اس میں رسولوں کے اعمال پر مبنی ایک باب ہے۔اور سینٹ پال کے رومیوں اور کرنتھیوں کے نام کچھ خطوط بھی ہیں۔اسی طرح سینٹ جان کی وحی وغیرہ بھی اس میں شامل ہے۔ پھر انجیل کی اصل زبان عبرانی تھی۔ جس کے ترجمے کر کے اس کی اصل روح بہت حد تک تبدیل ہو چکی ہے۔انجیل کے مکمل تجزیے کے لئے آپ موریس بوکا ییئے کی کتاب ''بائبل قرآن اور سائنس'' کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ اس کتاب کو ایک فرانسیسی ڈاکٹر نے لکھا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کو بائبل کی کچھ سائنسی غلطیوں کا علم ہو جائے گا۔ لہٰذا جب آپ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام پر کوئی اعتراض کریں تو آپ کو یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ موجودہ انجیل مکمل طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نظریات کی عکاسی نہیں کرتی۔ لہٰذا میں یہاں پر پوری کی پوری بائبل کا تو دفاع نہیں کروں گا۔ لیکن آپ نے جو اعتراض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت پر جہنم کے عقیدے کے حوالے سے کیا ہے میں اس کا دفاع عقلی و منطقی بنیادوں پر کروں گا آپ نے کہا کہ یہ نظریہ کہ جہنم کی آگ گناہ کی سزا ہے'' یہ نظریہ ایک ظالمانہ نظریہ ہے۔ تو میں آپ سے پوچھنا چاہوں گا۔ کہ کیا برطانیہ کی عدالت کسی مجرم کو ایک مقدمے کی سماعت کے بعد جو سزا دیتی ہے اسے آپ ظلم کہہ سکتے ہیں۔ یا کیا وہ ظلم ہے؟ کیا برطانیہ کی سپریم

Marfat.com

کورٹ نے جتنی موت کی سزائیں اور زندگی بھر قید کی سزائیں اور دوسری سزائیں مجرموں کو دی ہیں وہ سب ظلم ہے۔ اور ان سزاؤں کو ظلم کہنا ٹھیک ہے؟ کیا آپ کسی ایسے انسانی معاشرے کی نشاندہی کر سکتے ہیں جس میں جرم کے لئے سزا کا نظریہ نہ ہو۔ کیا آپ کسی ایسے مفکر کا پتہ بتا سکتے ہیں جو جرم کی سزا دینے کو ظلم سمجھتا ہو۔ میرے خیال میں آپ واحد ایسے بندے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں، اگر چہ آپ بھی برطانیہ کی سپریم کورٹ نے جو سزائیں دی ہیں ان کو ظلم نہیں سمجھتے۔ لہٰذا منطقی لحاظ سے آپ کا اعتراض باطل ہے۔ یہ عدل کا تقاضہ ہے کہ مجرم کو سزا دی جائے۔ اگر کوئی معاشرہ مجرم کو سزا نہیں دے گا تو وہ معاشرے رفتہ رفتہ جہنم بن جائے گا۔ جس معاشرے میں مجرموں کو جتنی سخت سزائیں دی جاتی ہیں اس معاشرے میں جرم اسی قدر کم ہوں گے۔ یہ تو ایک صدیوں کا آزمودہ عمرانیات (Socialogy) کا قانون ہے۔ اب آپ کے سوال کے دوسرے حصے کی طرف آتے ہیں جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ ''کوئی بھی انسان دوست انسان ہمیشہ کی سزا کا قائل نہیں ہو سکتا'' یہ سوال جہنم کی اصل حقیقت و ماہیت نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ ایک انجینئر ہیں اور ایک موٹر کار بناتے ہیں۔ اور خریدنے والے کو اس کے ساتھ چلانے کے لئے ہدایات دیتے ہیں۔ آپ اسے بتاتے ہیں کہ اگر آپ فلاں فلاں غلطیاں کریں گے تو اس موٹر کار میں بہت بڑا مسئلہ پیدا ہو جائے گا اور وہ ہم آپ کو ٹھیک کر کے نہیں دیں گے۔ ہاں چھوٹے موٹے مسئلے کو ہم ٹھیک کر دیں۔ ایک دوسرا بندہ ہے اس نے بھی کار خریدی ہے مگر اسے کار ڈیلر نے مستقل مسئلے کے بارے میں وارننگ نہیں دی۔ اب اگر دونوں خریدار ایک جیسی بڑی غلطی کرتے ہیں اور موٹر کار میں مستقل قسم کی وہی بڑی خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ دونوں آپ کے پاس آتے ہیں۔ تو ایک اصول پسند ڈیلر ہونے کی حیثیت سے آپ کا جواب دونوں کو کیا ہوگا۔ یقیناً جس خریدار کو آپ نے تنبیہ کر دی تھی وارننگ دے دی تھی اس کو تو آپ واپس کر دیں گے۔ کیونکہ اس نے آپ کی واضح ہدایات کی خلاف ورزی کی۔ اور اپنی گاڑی کو خراب کر لیا۔ لیکن دوسرا خریدار جس کو آپ نے ہدایات نہیں دی تھیں اس کی

Marfat.com

آپ مدد کریں گے کیونکہ اس کا قصور نہیں۔اس بے چارے کو ہدایات ملی ہی نہیں تھیں۔لہٰذا جہنم کی سزا اس طرح کی سزا کے زمرے میں آتی ہے۔آپ کو جہنم کے اصل معنی کو سمجھنا پڑے گا اس کی نوعیت کو سمجھنا پڑے گا۔خدا نے انسان کو جذبات کے ساتھ تخلیق کیا ہے اور اسے آزاد ارادہ و اختیار دیا ہے۔ پھر اللہ نے انسان کو اس کے نشو ونما کے اصول بتا دیئے تا کہ انسان کا ارتقاء اگلے زمان و مکان میں جاری رہے۔لہٰذا وہ لوگ جو خدا کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق اپنی زندگی کی گاڑی چلائیں گے۔وہ دوسروں سے سبقت لے جائیں گے۔اور اپنے آپ کو بلند کر لیں گے۔لہٰذا وہ اگلے زمان و مکاں میں اپنا ارتقاء و ترقی جاری رکھ سکیں گے۔وہ لوگ جنہوں نے خدائی ہدایات پر عمل نہیں کیا ہوگا۔ان پر اپنی کمزوریاں اور خامیاں کھل جائیں گی۔اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ اپنی ذات کو اتنا نقصان پہنچا چکے ہیں کہ وہ اب مزید آگے ارتقاء کرنے کے قابل نہیں رہے۔لہٰذا پھر ان کو انتہائی درجہ کا پچھتاوا ہوگا۔ اور اسی پچھتاوے، محرومی، احساس جرم، اپنی پستی و ذلت کے احساس سے وہ جہنم کے شعلے بنیں گے۔اس دنیا میں بھی ہمیشہ کی سزا کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر اگر 100 میٹر دوڑنے کا مقابلہ ہوتا ہے۔حکومت نے اعلان کر دیا ہے۔جب مقابلہ شروع ہوتا ہے تو ایک بندہ پہلے نمبر پر آتا ہے۔ایک اور دوسرے نمبر پر جو پہلے سے ایک قدم پیچھے تھا۔ اور دوسرا تیسرے نمبر پر آتا ہے۔اب اگر میں یہ کہوں کہ اگر کوئی انسان دوست بندہ ہے تو وہ کبھی بھی کسی بندے کو صرف ایک قدم پیچھے رہنے کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے فرسٹ انعام سے محروم نہیں کر سکتا۔تو کیا میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گا۔اور کیا انعام دینے والے کو اس بنیاد پر ظالم کہا جا سکتا ہے۔اور اگر وہ بندہ جو سیکنڈ آیا ہے وہ اس فرسٹ نہ آنے کو اپنے دل پر لے بیٹھتا ہے اور اسے دل کا دورہ پڑ جاتا ہے اور وہ ہسپتال میں داخل ہو جاتا ہے۔تو کیا اس بنیاد پر انعام دینے والے کو ظالم کہا جا سکتا ہے۔کیا ایسی صورت حال میں آپ قانون تبدیل کر دیں گے۔اور اس سیکنڈ آنے والے کو ہسپتال سے بلوا کر فرسٹ انعام دے دیں گے۔اگر آپ ایسا کریں گے تو پھر آپ عدل کے تقاضوں کی خلاف ورزی کر رہے

Marfat.com

ہوں گے۔اور یہ عدل نہیں ہوگا۔اور اگر آپ نے عدل نہ کیا تو پھر اس مقابلے کا سارا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔اور اگر آپ نے ایسا ہی کرنا تھا تو پھر یہ سارا مقابلے کا ڈرامہ کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ایسی صورت میں آپ کو انتہائی نامعقول اور غیر منطقی انسان سمجھا جائے گا۔ دوسری مثال آپ کو سمجھانے کے لئے یہ ہے کہ فرض کریں ایک شخص ایک چھوٹے بچے کو قتل کرتا ہے۔اور گواہوں کے بیانات کے بعد اس کا جرم ثابت ہو جاتا ہے اور عدالت فیصلہ دیتی ہے کہ اس بندے کو سزائے موت دی جائے۔تو اس عدالت نے اس بے چارے اچھے بھلے بڑے بندے کو ایک چھوٹے سے بچے کو قتل کرنے کے جرم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندگی سے فارغ کر دیا۔تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے موت کے گھاٹ اتار دینا صرف ایک جرم کے لئے تو بڑا ظالم ہے۔لہٰذا آپ کے نظریے کے مطابق وہ تمام جج صاحبان جو موت کی سزا دیتے ہیں صحیح انسان نہیں ہیں اور ظالم ہیں کیونکہ وہ ایک دفعہ کے چند منٹ کے جرم قتل کے لئے ایک مجرم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندگی سے محروم کر دیتے ہیں اور اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے موت کے منہ میں دھکیل دیتے ہیں۔اگر آپ اس قسم کی بے ہنگم رحم دلی مجرموں کے لئے اپنائیں گے تو آپ اس معاشرے کو جہنم بنا دیں گے۔لہٰذا جہنم کی سزا انسانی اعمال کے اندر فطری طور پر رکھی گئی ہے۔جس طرح گرمی و جلن آگ میں فطری طور پر ہوتی ہے۔یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ آگ میں ہاتھ رکھیں اور ہاتھ نہ جلے۔یہ ممکن نہیں ہے۔آپ اگر آگ میں ہاتھ ڈالیں تو ہاتھ جلے گا۔لہٰذا برے اعمال فطری طور پر جہنم کی آگ اور انگارے ہیں جو انسان خود اپنے لئے اکٹھے کرتا ہے۔جتنا کوئی انسان خدا کی ہدایات کے خلاف عمل کرتا ہے اتنا ہی وہ اپنے لئے جہنم کی آگ اکٹھی کر رہا ہوتا ہے۔کیونکہ ان کی اصل حقیقت جہنم کی آگ ہے۔خدا کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ آپ کو اچھے اور برے اعمال کے بارے میں خبر دے دے۔بتا دے۔کہ اگر آپ فلاں فلاں اعمال کریں گے تو آپ کو اگلے زمان و مکاں میں مسائل پیش آئیں گے۔جیسا کہ اگر کچھ لوگوں نے خلاء میں جانا ہو تو ان کو بتا دیا جائے کہ آپ نے خلائی لباس اور آکسیجن کا سلنڈر لے کر ضرور جانا ہے ورنہ آپ کا دم گھٹ

Marfat.com

جائے گا۔اب اگر کوئی بندہ سلنڈر نہیں لے کر جاتا اور اس کا دم گھٹنے لگتا ہے تو اس میں بتانے والے کو ہم الزام نہیں دے سکتے۔اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ صرف سلنڈر نہ لے جانے کی اتنی بڑی سزا اسے دی ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مر گیا ہے۔ایسی بات بذات خود عقل و منطق کے خلاف ہے۔اور آخری دلیل اس سلسلے میں میں یہ دینا چاہوں گا کہ آپ جہنم کی دائمی سزا کو تو برا بھلا کہتے ہیں آپ جنت کے ابدی انعام کی تعریف کیوں نہیں کرتے۔آخر کار آپ کو دونوں راستے بتا دیئے گئے ہیں کہ دیکھو بھئی تمہارے پاس دو راستے ہیں جو دو انتہاؤں پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔ایک راستے کے آخر میں ہمیشہ کی عیش اور لطف و مزے ہیں اور دوسرے کے آخر میں ہمیشہ کی ذلت اور آگ کی سزا ہے۔آپ کو کھلی چھٹی دی جاتی ہے آپ دونوں میں سے جس راستے پر چلنا چاہتے ہیں آپ کی مرضی ہے آپ کو کسی بھی صورت میں مجبور نہیں کیا جائے گا۔اگر آپ خدا کی ہدایات کے مطابق چلتے ہو تو آپ کو ہمیشہ کی لذت و عیش کی زندگی ملے گی اور اس زندگی میں بھی آپ کچھ زیادہ نہیں کھوئیں گے۔اور اگر آپ خدا کی ہدایات کے خلاف زندگی بسر کریں گے تو آپ اپنے آپ کو ہمیشہ کے عذاب میں ڈال دیں گے۔اب آپ کی اپنی مرضی ہے آپ کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔آپ جس راستے پر چلنا چاہتے ہیں وہ آپ کی مرضی ہے۔لہٰذا آپ کیسے خدا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی پسند کے راستے پر چلنے کے لئے مورد الزام ٹھہرا سکتے ہیں۔آپ چاہتے ہیں کہ خدا آپ کی مرضی اور خواہشات کے مطابق چلے۔مگر آپ اس کی تخلیق ہوتے ہوئے بھی اس کی مرضی اور خواہش کے مطابق نہ چلیں۔خدا آپ کی مرضی کے مطابق کائنات کے اصول بنائے۔تو کیا وہ آپ کا خالق ہے یا آپ اس کے خالق ہیں۔اگر آپ بندے ہو کر اس کے اصولوں کے مطابق اور ہدایات کے مطابق نہیں چلتے ہیں تو وہ خالق ہو کر آپ کی مرضی کے مطابق کیوں چلے۔لہٰذا یہ جنت اور دوزخ اور مذہب کے تمام اصول و قوانین گہری بصیرت و عقلیت پر مبنی ہیں۔اور انسانی عقل و منطق بھی اس کو ثابت کرتی ہے۔انسانوں کے مقابلے میں خدا کے اصول زیادہ معقول اور منطقی ہیں۔اگر ہم اس کے اصولوں کی اصل نوعیت کو سمجھ لیں۔

Marfat.com

آخرکار ہم نے اس دنیا میں رہنے کے لئے کچھ نہ کچھ اصول تو بنانے ہی ہیں اور ان پر چلنا ہی ہے تو پھر کیوں نہ خدا کے بنائے ہوئے اصولوں وقوانین کو اپنایا جائے۔ البتہ خدا کے اصولوں پر چلنے کے لئے اس کی دی گئی کتاب سے رجوع کرنا پڑے گا۔ اور یہ تسلی کرنی ہوگی کہ اس میں انسانی خواہشات واصولوں کی آمیزش تو نہیں ہے۔ اس حوالے سے موجودہ دور میں قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جس پر دوسری تمام کتابوں کے مقابلے میں زیادہ اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ یہ جس زبان میں نازل ہوئی اسی زبان میں آج تک محفوظ ہے۔ اور نزول کے زمانے سے لے کر موجودہ ور تک کے نسخے آج بھی میسر ہیں۔ باقی کوئی کتاب اپنی اصل زبان میں موجود ہی نہیں ہے۔

جذباتی پہلو کی دلیل

دھریہ: آپ نے بہتر طریقے سے دلیل اخلاقی پر سیر حاصل گفتگو کی۔ اب آتے ہیں جذباتی پہلو کی طرف۔ میرے خیال میں تو مذہب لوگ اس لئے نہیں اپناتے کہ اس کی بنیاد محکم دلائل پر ہے۔ بلکہ یہ تو مذہب کو جذباتی لگاؤ کی وجہ سے اپناتے ہیں۔ عموماً لوگوں کو یہ بتایا جاتا ہے کہ مذہب پر تنقید کرنا بہت بری بات ہے۔ کیونکہ مذہب لوگوں کو نیک بناتا ہے۔ یہی بات مجھے بھی بتائی جاتی ہے۔ مگر میں نے کبھی اس طرح کا کوئی مشاہدہ نہیں کیا۔ آپ کو سیموئیل بٹلر کی کتاب ایری وون کی دوبارہ آمد (Erewhon revisited) کا علم ہوگا۔ اس میں مذہب کے حوالے سے ایک پیروڈی لکھی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ ایری وون میں ایک پھیری والا (Higgs) ایک دور دراز علاقے میں آتا ہے اور پھر کچھ عرصہ وہاں رہنے کے بعد وہ ایک غبارے میں بیٹھ کر وہاں سے فرار ہو جاتا ہے۔ 20 سال گزرنے کے بعد وہ دوبارہ اسی علاقے میں اسی قریے میں جاتا ہے تو وہاں پر ایک نئے مذہب کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس نئے مذہب میں اس (پھیری والے) کی سورج دیوتا کے بیٹے کے طور پر پوجا کی جاتی ہے۔ (Why I am not a Christian. Page: 24)

فہیم: آپ نے فرمایا کہ لوگ مذہب کو جذباتی بنیادوں پر اپناتے ہیں اور دلائل کی بنیاد

Marfat.com

پر نہیں اپناتے۔تو اس سلسلے میں میرا آپ سے یہ سوال ہے کہ آخر یہ مذہب نے انسانوں کو جذباتی لحاظ سے اتنا متاثر کیوں کیا ہے اور سائنس نے کیوں نہیں متاثر کیا۔لوگ مذہب کے لئے اپنی ہر چیز قربان کرنے کے لئے تیار ہیں آخر کیوں؟ منطقی و عقلی لحاظ سے تو دیکھا جائے تو مذہب کے ساتھ جذباتی لگاؤ نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ دنیا کے تمام بڑے الہامی مذہب انسانی جذبات پر اور جبلتوں پر پابندیاں لگاتے ہیں۔ مثال کے طور پر جنسی لذت پر پابندی، شراب پر پابندی، مقررہ اوقات میں عبادت کرنا، خدا کے راستے میں اپنا مال خرچ کرنا حتیٰ کہ خدا کے دین کے لئے اپنی جان کی قربانی بھی دے دینا وغیرہ۔ یہ تمام پابندیاں تو انسانی جذبات و جبلتوں کے خلاف ہیں تو پھر مذہب اس کے باوجود لوگوں کے لئے کیوں باعث کشش ہے۔آپ کی دلیل کا دوسرا پہلو کہ مذہب کی بنیاد دلائل پر نہیں تو یہ بات آپ کی ٹھیک نہیں ہے۔اس وقت دنیا کے تین بڑے مذاہب یہودیت، عیسائیت اور اسلام ہیں۔ ان تینوں مذاہب نے ہمیشہ انسانی عقل کو اپنا مخاطب بنایا ہے اور جذبات کو نہیں بنایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دنیا کے ظالم ترین بادشاہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں اور فرعون کو کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو آزاد کرو اور میرے ساتھ جانے دو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کو بتاتے ہیں کہ مجھے خدا نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور میرے پاس اس کی نشانیاں موجود ہیں۔آپ خود ان تمام منطقی و عقلی دلائل کو آج بھی پڑھ سکتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دیئے۔لہٰذا سچے مذاہب نے تو ہمیشہ انسانی عقل کو ہی مخاطب کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے عقلی دلیل دی تھی کہ اے فرعون تو خدا نہیں ہے۔ پھر وہ بنی اسرائیل کو عقلی دلائل پر مبنی تعلیم دیتے رہے کہ تم ان بتوں کی پرستش مت کرو۔ یہ بت تو بیچارے اپنے موجود ہونے میں تمہارے محتاج ہیں یہ تمارے خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔تم صرف خالق کائنات کی عبادت کرو۔اور وہ بنی اسرائیل کو اس خالق کائنات کی طرف سے عطا کردہ معجزات و نشانیاں بتاتے رہے۔ تا کہ وہ اپنی عقل کو استعمال کریں۔اب اگر ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال لیں۔تو انہوں نے لوگوں کو جو نظریات پیش کیے۔ وہ

Marfat.com

حکومت وقت کے خلاف تھے لہٰذا حکومت وقت نے ان کو سزا دینے کا تہیہ کرلیا۔ اسی طرح آخری نبی حضرت محمد ﷺ نے بھی عرب کے جاہلوں کو عقلی بنیادوں پر سمجھایا۔ کہ یہ بت تمہارے خدا نہیں ہو سکتے۔ یہ تو اپنی ناک سے مکھی بھی نہیں اڑا سکتے۔ یہ تو آپ کی بات نہیں سن سکتے۔ تم ان کو کیوں سجدے کرتے ہو جن کو تم نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ تم تعقل کیوں نہیں کرتے ہو (اَفَلَا تَعْقِلُوْن) تم تدبر کیوں نہیں کرتے ہو (اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ) تم تفکر کیوں نہیں کرتے ہو (اَفَلَا یَتَفَکَّرُوْنَ) ایک عیسائی جماعت ان کے پاس آئی۔ ان سے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نعوذ باللہ خدا کا بیٹا ہے۔ کیونکہ ان کی والدہ کنواری تھی غیر شادی شدہ تھی۔ اور ان کو روح القدس کے ذریعے حمل ہوا ہے۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خدا کا بیٹا ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے ان کو ایک عقلی دلیل دی۔ کہ اگر والد کا نہ ہونا ہی خدا کا بیٹا ہونے کی دلیل ہے تو پھر حضرت آدم علیہ السلام کے بھی تو والد نہیں تھے تو کیا وہ بھی خدا کے بیٹے ہیں۔ لیکن کوئی عیسائی یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ حضرت آدم علیہ السلام بھی خدا کے بیٹے ہیں۔ لوگوں نے اسلام پر اعتراض کیا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ مرے ہوئے لوگ دوبارہ زندہ ہو جائیں جب کہ ان کی ہڈیاں بھی بکھر چکی ہوں گی؟ انہیں یہ عقلی دلیل دی گئی کہ جب تم پہلی بار پیدا ہوئے تو تمہارا وجود کہیں بھی نہیں تھا اور تمہیں خالق نے تخلیق کیا عدم سے۔ اس طرح خدا تمہیں دوبارہ اپنی قدرت سے پیدا کر سکتا ہے۔ کیا جس نے پہلی بار عدم سے تخلیق کیا۔ وہ دوبارہ بکھری ہوئی ہڈیوں سے تمہیں تخلیق نہیں کر سکتا۔ لوگوں نے حضور ختمی مرتبت ﷺ سے کوئی معجزہ دکھانے کو کہا۔ تو انہوں نے لوگوں کو فطرت کا مشاہدہ اور مطالعہ کرنے کو کہا اسی طرح اگر پرانی تہذیبوں کے بارے میں مطالعہ کریں تو آپ کو خدا کے بارے میں بہت سی معجزاتی چیزیں معلوم ہو جائیں گی۔ لہٰذا دنیا کے تمام بڑے مذاہب دلیل سے اپنی بات شروع کرتے ہیں۔ اور دلیل سے تبلیغ کرتے ہیں اور دلیل مانگتے بھی ہیں۔ مسلمانوں کی مذہبی کتاب قرآن حکیم میں ہمیں بہت سے عقلی دلائل ملتے ہیں۔ جو مختلف لوگوں کو دیئے گئے۔ اور انہیں بھی دلائل لانے کی دعوت دی گئی اور کہا گیا قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

Marfat.com

صٰدِقِيْنَ﴿۱۱۱﴾ (بقرہ) اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔ یعنی قرآن انسان میں وہ عقلی و علمی شعور پیدا کرنا چاہتا ہے جہاں پر جنگ تیغ و تفنگ کی بجائے حجت و برہان کی جنگ ہو۔ عقل و منطق کی جنگ کے ذریعے مسائل کے فیصلے کیے جائیں۔ لہٰذا سچے مذاہب کی بنیاد دلیل پر ہے جذبات پر نہیں ہے۔ جب اصل مذہب کو زوال آجاتا ہے تو پھر یہ چند بے عقل و خرد اور بعض اوقات ظالمانہ رسومات، عملیات اور خرافات کا مجموعہ بن جاتا ہے۔ اور ان رسومات و خرافات کی بنیاد انسانی جذبات ہوتے ہیں۔ لہٰذا آپ کو اصل مذہب اور مذہب کی بگڑی ہوئی زوال یافتہ صورت میں فرق سمجھنا چاہیے۔ لہٰذا جب آپ حقیقت کو خرافات سے جدا کرنا چاہیں گے تو آپ کو دنیا کے مذاہب کا بڑی باریک بینی سے مطالعہ کرنا پڑے گا۔ ان مذاہب میں سے ہمارے پاس جو سب سے کم عمر اور نیا مذہب ہے وہ اسلام ہے جس کی الہامی کتاب قرآن مجید ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ آپ نے قرآن کو پڑھنے کی کبھی تکلیف گوارا نہیں کی۔ کیونکہ مجھے آپ کی کتابوں میں قرآن سے کوئی اقتباسات نہیں ملتے۔ کم از کم میں نے جو کتابیں پڑھی ہیں آپ کی ان میں تو یہی بات ہے۔

اب آتے ہیں سموئیل بٹلر (Samuel Butller) کی پیروڈی کی طرف جس سے کہ اس کے مذہب دشمن جذبات عیاں ہیں۔ اس حوالے سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس نے جو مثال یا قصہ بیان کیا ہے وہ اس کے اپنے تخیل کی پیداوار تھی اور یہ قصہ کسی تاریخی حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ لہٰذا اس قسم کے خود ساختہ قصے کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ دوسری بات یہ کہ مذہب دشمنی بذات خود بھی ایک جذبہ (Emotion) ہی ہے۔ اور یہ خود بھی ایک مذہب ایک فلسفہ ہے۔ لہٰذا اگر اس کی بنیاد جذبہ (Emotion) پر ٹھیک ہے تو مذہب کو اس بنیاد پر کیوں مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ تیسری بات یہ کہ خدا کی غیر موجودگی کی صورت میں اخلاقیات کو اپنانے کے لئے کوئی عقلی و منطقی بنیاد نہیں رہ جاتی۔ لہٰذا اخلاقیات کا تعلق بنیادی طور پر وجود خدا اور عقیدہ آخرت سے منسلک ہے نہ کہ عیسائیت سے۔ اس سلسلے میں میں یہ نہیں کہتا کہ خدا کے وجود اور عقیدہ آخرت کے بغیر لوگ اخلاقیات کو اپنا ہی نہیں سکتے۔ ہو سکتا

Marfat.com

ہے کہ ایسا ہو جائے۔ مگر ان اخلاقیات کی بنیادیں عقل و منطق پر چونکہ نہیں ہوں گی لہٰذا پائیدار نہیں ہوں گی۔ اور ان کی عمارت کسی بھی وقت گر سکتی ہے۔ دوسرا یہ کہ اس صورت میں بھی بنیادی طور پر لوگوں کو حکومت کا خوف ہی اخلاقی رویوں پر مجبور کر رہا ہوگا۔ اگر یورپ کے لوگ کچھ اخلاقی قدروں پر عمل کرتے ہیں۔ تو اس میں ان کا مذہبی پس منظر اور حکومت سے سزا کا خوف بنیادی محرکات ہیں۔ یہ محرکات ختم کر دیں پھر آپ دیکھیں ان کے معاشرے میں ابتری کیسے پھیلتی ہے۔

خوف مذہب کا سنگ بنیاد ہے

دھریہ: میرے خیال میں مذہب کی بنیاد خوف پر ہے۔ مذہب کا بنیادی جذبہ محرکہ ایک انجانہ خوف ہے۔ اور یہ جذبہ ہے کہ کوئی بڑا بھائی ہے جو ہر مشکل میں میرے کام آسکتا ہے۔ خوف ہی اصل بنیاد ہے۔ پراسرار خوف، موت کا خوف، شکست کا خوف وغیرہ جس کی بنیاد پر مذہب کو اپنایا جاتا ہے۔

فہیم: مذہب کے متعلق آپ کی سوچ ناقص ہے۔ میں آپ سے اس سلسلے میں مکمل اتفاق نہیں کرتا کہ مذہب کا بنیادی جذبہ محرکہ خوف ہے۔ ہاں البتہ میں یہ کہوں گا کہ مذہب نے انسانی فطرت کے دو بنیادی جذبوں خوف اور انعام کو اپنا ہتھیار بنایا ہے۔ تا کہ ان دو جذبات کے ذریعے انسانیت کا رخ زندگی کے عظیم مقاصد کی طرف پھیرا جائے۔ اور جزا و سزا کا نظریہ تو دنیا کے ہر قانون میں پایا جاتا ہے۔ لہٰذا اسلام نے بھی اس نظریے کو اپنی تبلیغ کے لئے استعمال کیا ہے کوئی بھی معاشرہ قانون کے بغیر وجود برقرار نہیں رکھ سکتا۔ اور کوئی بھی قانون ان دو بنیادی ضرورتوں (جزا و سزا) سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ جس ریاست کے نظام میں اچھائی کے لئے زیادہ انعام اور برائی کے لئے سخت سزائیں ہوں گی وہ ریاستی نظام دوسرے نظاموں سے بہتر ہوگا جس میں یہ دو بنیادی ضرورتیں جزا و سزا نہیں ہوں گی یا اگر ہوں گی تو کم ہوں گی۔ کیا آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ برطانیہ کے قانون میں بھی یہ دو بنیادی عناصر موجود ہیں۔ آخر ایک معاشرے میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں بعض قانون کی پابندی خوف کی وجہ

Marfat.com

سے کرتے ہیں۔بعض لوگ انعام حاصل کرنے کے لئے قانون کی پابندی کرتے ہیں۔اور بہت ہی کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اس وجہ سے قانون کا احترام کرتے ہیں کہ وہ انسان ہیں لہٰذا انہیں انسانوں ہی کا رویہ اپنانا چاہیے۔اور قانون کا احترام کر کے انسانیت کا ثبوت دینا چاہیے۔مگر آپ کسی ایسے معاشرے کی نشاندہی نہیں کر سکتے جس میں سارے لوگ تیسری قسم کے ہوں۔تہذیبوں کی تاریخ اس بات کا ثبوت ہے کہ تمام انسانی تہذیبوں میں اکثریت ان لوگوں کی رہی ہے جو خوف کی وجہ سے قانون کا احترام کرتے ہیں۔اور اس وجہ سے دوسرے لوگ ان کی شرارتوں سے محفوظ رہتے ہیں۔لہٰذا خوف اور انعام وہ دو منطقی و عقلی بنیادیں ہیں جن پر معاشرے اور تہذیب کی عمارت تعمیر کی جاتی ہے۔

مذہب نے بھی انسانی نفسیات کے ان دو بنیادی محرکات کو استعمال کیا ہے اور اس کے ذریعے انسانی ارتقاء کے اعلیٰ مقاصد حاصل کیے ہیں۔لہٰذا اس سلسلے میں آپ صرف مذہب پر اعتراض نہیں کر سکتے۔بلکہ پھر تو آپ دنیا کے تمام جدید ریاستی نظاموں پر بھی تنقید کریں گے۔اور ان پر بھی یہ اعتراض آتا ہے۔دوسری بات یہ کہ کیا آپ کے پاس کوئی ایسا نظریہ یا قانون ہے جس کی بنیاد ان دو انسانی جذبات پر نہ رکھی گئی ہو۔اور پھر اس نظریے کی بنیاد پر ایک معاشرہ تشکیل کیا جا سکتا ہو۔تیسری بات یہ کہ آپ صرف ''خوف'' کے جذبے کو کیوں دیکھتے ہیں۔آپ مذہب میں انعام کے پہلو کو بھی دیکھیں چوتھی بات اس سلسلے میں یہ ہے کہ دنیا کے تین بڑے مذاہب یہودیت، عیسایت اور اسلام کی تاریخ سے آپ کے اس نظریے کی نفی ہوتی ہے۔کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دنیا کے ظالم ترین حکمران نمرود کے خلاف آواز جو بلند کی تھی وہ خوف کی بنیاد پر کی تھی۔وہ کون سا خوف تھا جس نے ان سے یہ کارنامہ کروایا۔حالانکہ نمرود کے نمک خواروں نے انہیں بہت ڈرایا دھمکایا اور برے نتائج کی خبر بھی دی۔مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔حتیٰ کہ آخر کار ان کو آگ میں ڈال دیا گیا۔اس کے باوجود وہ اپنے موقف پر ڈٹے رہے اور بتوں کو برا کہتے رہے۔اور توحید الٰہی کی تبلیغ کرتے رہے۔کہ اس کائنات کا ہمارا اور تمہارا سب کا ایک ہی

Marfat.com

خالق اللہ ہے۔ وہ کون سا خوف تھا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہمت و جرأت دی کہ وہ اپنے وقت کے ظالم ترین حکمران فرعون کے خلاف کھڑے ہو گئے۔ اور اسے کہا کہ بنی اسرائیل کی غلامی ختم کر کے انہیں میرے ساتھ بھیج دو۔ کیا انسان میں خوف کا اظہار اسی طرح ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام دنیا کے ظالم ترین حکمران کے خلاف بنی اسرائیل کو غلامی سے نجات دلانے کے لئے قیام کرتے ہیں۔ کیا بے خوف قسم کا یہ خوف ہے۔ کیا آپ ایسی غیر متزلزل جرأت کو خوف کہتے ہیں۔ اگر اسی کو خوف کہتے ہیں جس سے انسان میں ظالم و جابر حکمرانوں اور طاغوتوں کو لگام دینے کی جرأت پیدا ہو جائے تو پھر ہم اس قسم کا خوف تو اپنے معاشرے میں پیدا کرنا چاہیں گے۔ تا کہ کوئی ظالم، فاسق، فاجر، مطلق العنان طاغوت اپنی کرسی پر چین سے نہ بیٹھ سکے۔ تا کہ غلامی کی زنجیروں کے ٹکڑے ٹکڑے کیے جا سکیں۔ وہ کون سا خوف تھا جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ جرأت تھی کہ وہ ظالم رومی سلطنت کی غلط رسومات و ظالمانہ قوانین کے خلاف کھڑے ہو گئے۔ وہ کون سا خوف تھا جس نے حضرت محمد ﷺ کو یہ جرأت عطا کی کہ اس وقت کے عرب جاہل معاشرے میں ان کے بتوں، ان کی غلط رسم و رواج، ان کے معاشرتی امتیازات، ان کے بیٹیوں کو زندہ دفن کر دینے اور آباؤ اجداد کے دین کے خلاف کھڑے ہو گئے۔ اور تمام تر معاشرتی پابندیوں، مقاطعوں اور ظلم و تشدد کے باوجود ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ لہٰذا آپ کا یہ نقطہ نظر کہ مذہب کی بنیاد انسان کے جبلی خوف پر ہے اور اسی سے مذہب پیدا ہوا ہے غلط ثابت ہوتا ہے اور دنیا کے بڑے مذاہب کی تاریخ اس کو غلط ثابت کرتی ہے۔ بہر حال یہ بات اپنی جگہ حقیقت پر مبنی ہے کہ ہر مذہب نے لوگوں کو زندگی کے اعلیٰ مقاصد کی طرف لانے کے لئے انسانی نشوونما اور ارتقاء کے لئے دو بنیادی جذبات، خوف اور انعام سے کام لیا ہے اور اس کی بنیاد پر جزا و سزا کا فلسفہ دیا ہے۔ جو کہ انسانی معاشرے کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ اور اس کی بنیاد انتہائی عقلی و منطقی ہے اسی لئے دنیا کے تمام ریاستی نظاموں میں یہ بنیادی دو عناصر شامل ہیں۔ ہر ریاست میں قانون بنانے کے لئے جزا و سزا

Marfat.com

سے کام لیا گیا ہے۔ یہ دو بنیادی عناصر قانون سازی کے لئے بنیادی اور ناگزیر شرائط ہیں۔ ان کے بغیر کوئی معاشرتی یا ریاستی نظام وجود میں آ ہی نہیں سکتا۔

کیا مذہب نے تہذیب وتمدن کی ترقی میں مثبت کردار ادا کیا ہے؟

دھریہ: میرا اپنا مذہب کے بارے میں نظریہ اقلیدس (Lucretius) والا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مذہب ایک بیماری ہے جو خوف سے پیدا ہوتی ہے۔ اور انسانیت پر ناگفتہ بہ مظالم کا منبع ہے۔ مذہب ابتدائی لحاظ سے ایک معاشرتی مظہر ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات جو انجیل میں دی گئی ہیں ان کا عیسائیوں کی اخلاقیات سے بہت ہی کم تعلق رہا ہے نہ کیتھولک اور نہ پروٹیسٹنٹ عیسائیوں نے اس کی تعلیمات کو اپنانے میں کوئی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا ہے۔ عیسائی پادریوں نے گلیلیو اور ڈروان کی مخالفت کی۔ اور اسی طرح سگمنڈ فرائڈ کی بھی مخالفت کرتے ہیں۔ بلکہ عیسائی مذہب نے اپنے عظیم اقتدار کے زمانے میں علم وعقل کی بہت زیادہ مخالفت کی۔ مذہب ایک ایسا ضابطہ اخلاق نافذ کرتا ہے جس سے انسان خوش نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح عیسائیت نے غلامی ختم کرنے کی بھی آخری دم تک مخالفت کی اور معاشی مساوات کی ہر تحریک کی مخالفت کی۔ پوپ نے باضابطہ طور پر سرکاری طور پر سوشل ازم (Socialism) کی مخالفت کی۔ سب سے برا رویہ جو عیسائیت کا ہے وہ جنسی حربے کے متعلق ہے۔ یہ رویہ اتنا غیر فطری اور خوابیدہ ہے کہ اس کو سمجھا نہیں جا سکتا۔

(Why I am not a Christian. Page 27-29)

فہیم: آپ نے مذہب کے بارے میں جو الفاظ استعمال کیے ہیں کہ یہ ایک بیماری ہے جو خوف سے پیدا ہوتی ہے۔ ایسے الفاظ آپ جیسے مہذب کو زیب نہیں دیتے۔ ایسے ہی الفاظ کوئی بنیاد پرست، دہریت، آزاد پسندی اور دوسرے مکاتیب فکر کے بارے میں کہہ سکتا ہے۔ مثلاً دہریت کے بارے میں کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ ایک بیماری ہے جو خود پسندی، خودسری،

Marfat.com

من مانے رجحانات کی غمازی کرتی اور مجرمانہ ذہنیت کی عکاسی کرتی ہے۔ کیونکہ ایک مجرمانہ ذہنیت کا شخص قانون کو اپنا مدمقابل و مخالفت سمجھتا ہے اور چونکہ مذہب اس کی پست خواہشات اور حیوانی جبلتوں پر پابندیاں عائد کرتا ہے لہٰذا وہ مذہب اور خدا کے خلاف بغاوت کرتا ہے اور اس طرح دہریہ بن جاتا ہے۔

اب آتے ہیں آپ کے اعتراض کے دوسرے پہلو کی طرف، آپ نے خود اعتراف کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جو تعلیمات انجیل مقدس میں دی گئی ہیں وہ عیسائیوں کے ضابطہ اخلاق سے بہت مختلف ہیں۔ اور یہی میرا نقطہ ہے یہی میری دلیل ہے کہ آپ کو مذہب کی دی گئی اخلاقیات اور لوگوں کی اپنائی ہوئی اخلاقیات و کردار میں فرق مدنظر رکھنا چاہیے۔ لوگوں کی اکثریت ہمیشہ سے طول تاریخ میں مذہب کی دی ہوئی اخلاقیات اپنانے کی بجائے اپنی جبلی خواہشات پر مبنی ضابطہ اخلاق اپناتی ہے۔ اور مذہبی تقاضوں پر مبنی ضابطہ اخلاق پر عمل پیرا نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف انبیاء لوگوں کے اخلاق کو درست کرنے کے لئے خدا کی طرف سے آتے رہے۔ اور خدا کی طرف سے دی گئی ہدایت کی تجدید کرتے رہے۔ لوگ تو انبیاء کی لائی ہوئی الہامی کتابوں میں بھی ردو بدل کرتے رہے اور تحریف کرتے رہے۔ جو بندہ صحیح معنوں میں متقی پرہیزگار ہے وہ جرم، ہیرا پھیری، ظلم و ناانصافی کر ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ مذہب کا کام ہی انسان کی جبلی اور سفلی خواہشات کو لگام دے کر انسان کی نشوونما کرنا ہے۔ اگر آپ علم بشریات، عمرانیات اور اخلاقیات کے حوالے سے مذہب کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مذہب نے انسان کی نشوونما و ارتقاء میں کیا کردار ادا کیا ہے۔ مثال کے طور پر آپ دیکھیں گے کہ ایک قدیم مذہب مستقل سکونت و رہائش کو عبادت قرار دیتا ہے اور خانہ بدوشی کی زندگی کو گناہ قرار دیتا ہے۔ پھر ایک مذہب چیزوں کو پکا کر کھانے کو عبادت قرار دیتا ہے اور کچی سبزیاں وغیرہ کھانے کو گناہ قرار دیتا ہے (زرتشت کا مذہب) پھر ایک مذہب کا پیغمبر ایک ظالم حکمران کے سامنے غلاموں کی آزادی کے لئے قیام کرتا ہے اور ظالم حکمران سے آزادی دلواتا ہے۔

Marfat.com

اور ان مختلف قبائل میں بٹے ہوئے انسانوں کو ایک امیر کے تحت ایک لیڈر کے تحت زندگی گزارنے کو کہتا ہے (یہودیت) پھر ایک مذہب ہے جو لوگوں کو کہتا ہے کہ معاشرے میں امن و سکون اور آتشی سے رہنا چاہیے اور اگر کوئی ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا گال اس کے آگے کر دو۔ اور ساتھ ہی لوگوں کو ہفتے میں ایک دن کے لئے آرام کا کہتا ہے کیونکہ خدا نے 6 دن میں کائنات بنائی اور ساتویں دن آرام کیا۔ اس طرح وہ مذہب ہفتے کی چھٹی (Weekand) کا نظریہ دیتا ہے۔ لہٰذا ہفتے میں ایک دن کی چھٹی کو عبادت سمجھا جاتا ہے۔ اور اس دن اس مذہب کے لوگوں کو عبادت کرنے کو کہا جاتا ہے (عیسائیت) پھر اسلام آتا ہے اور وہ ان تمام الہامی مذاہب کی تعلیمات کو جامع طور پر ایک جامع نظام کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ اور زندگی کے معاشی، معاشرتی، اخلاقی، تخلیقی، تحقیقی، علمی عسکری وغیرہ پہلوؤں پر مبنی اپنی تعلیمات پیش کرتا ہے۔ یہ علمی تحقیق و جستجو کو عبادت کا درجہ دیتا ہے۔ یہ ہمسایوں کے خیال رکھنے کو، غلاموں کو آزاد کرنے کو، غلاموں سے اچھا سلوک کرنے کو، بیماروں کی تیمارداری کو، مظلوم کی مدد کرنے کو، قرض دار کو قرض دینے وغیرہ کو عبادت قرار دیتا ہے۔ یہ مذہب کہتا ہے کہ تاریخ، فطرت اور انسانی ذات تین بڑی بڑی علم کی شاخیں ہیں اور علم حاصل کرنے کے ذرائع ہیں۔ یہ یتیموں کی بے سہارا کی بوڑھوں کی خدمت و مدد کو عبادت قرار دیتا ہے۔ یہ ایک عدل اور فلاح کے نظام پر مبنی ریاست کے قیام کو عبادت قرار دیتا ہے۔ اور یہ اسلام ہی کی وجہ سے تھا کہ عربوں کا ایک قبائلی معاشرہ ایک عمرانی جست (Sociological jump) لگا کر قبائلی معاشرہ سے ایک بین الاقوامی (International) معاشرے میں صرف 23 سال کی قلیل مدت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ فطری ارتقاء کے حوالے سے یہ سفر طے کرنے کے لئے صدیاں درکار ہوتی ہیں۔ یہ اسلام کا ایک عمرانیاتی معجزہ ہے۔ یہ مذہب اسلام ہی تھا جس نے صدیوں کے استنباطی (Deductive) طریقہ تحقیق کو استخراجی (Inductive) طریقہ تحقیق سے بدلا۔ اور تحقیق میں مشاہدہ و تجربے پر بہت زور دیا۔ اور اسی طریقہ استخراجی (Inductive)

Marfat.com

پر جدید سائنس کی بنیاد ہے۔ مسلمان سائنس دانوں نے سب سے پہلے استخراجی (Inductive) طریقہ اپنایا۔ اور مشاہدات کی بنیاد پر تجربات کر کے اصول اخذ کیے۔ اور آخر میں آپ کا یہ نقطہ کہ کلیسا نے گلیلیو، ڈارون، فرائڈ اور سوشل ازم کی مخالفت کی۔ اور غلامی کو ختم کرنے کی بھی مخالفت کی۔ اس حوالے سے بھی آپ کا نظریہ وخیال ناقص ہے۔ کیونکہ انہی بنیادوں پر ہم کسی بھی آئیڈیالوجی پر اور آپ کے نظریات پر بھی تنقید کر سکتے ہیں۔ اگر کلیسا نے آپ کی مخالفت کی ہے اور وہ مورد الزام ٹھہرا۔ تو آپ کلیسا کی مخالفت کر رہے ہیں اور اس لحاظ سے آپ کیوں ٹھیک ہیں اور کلیسا غلط ہے۔ لہٰذا حقیقت میں مخالفت کرنا بری بات نہیں ہے بلکہ اس کے لئے جو طریقہ کار اور ذرائع استعمال کیے جاتے ہیں وہ اچھے یا برے ہوتے ہیں۔ اس صورت میں ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ کیا عیسائیت کی تعلیمات میں ایسی بات ہے یا نہیں۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ایک بندہ اپنے آپ کو عیسائی کہتا ہو مگر وہ بائبل کی تعلیمات پر عمل نہ کرتا ہو۔ اس صورت میں ہم بائبل یا عیسائیت کو برا نہیں کہیں گے بلکہ اس خاص شخص کو مورد الزام ٹھہرائیں گے۔ اگر عیسائیت کی تعلیمات ایسی ظالمانہ ہوں گی پھر تو ہم عیسائیت کو برا کہہ سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ لیکن اگر آپ پھر بھی اپنے نقطہ نظر پر قائم رہتے ہیں کہ افراد کی وجہ سے نظریے کی نفی کر دیں۔ تو اس بنیاد پر تو ہم سوشل ازم اور کمیونزم کو بھی مورد الزام ٹھہرا سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو انتہائی ظالمانہ نظریات ہیں اگر چہ آپ کے نزدیک یہ اچھے نظریات ہیں۔ حالانکہ لینن اور سٹالن نے جو انسانیت سوز مظالم اپنے مخالفوں پر کیے اور جو ظلم و بربریت کا بازار روس میں گرم رکھا۔ وہ جاننے والوں سے کوئی پوشیدہ نہیں ہے اور آپ بھی جانتے ہیں۔ تو ایک ایسے ظالم اور سفاک نظریے کو آپ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں لہٰذا ہم لینن اور سٹالن کے اعمال کی وجہ سے سوشل ازم و کمیونزم کو برا نہیں کہیں گے بلکہ ان کے بنیادی اصولوں کو عقلی و منطقی بنیادوں پر پرکھ کر اچھا یا برا کہیں گے۔ کیونکہ دنیا کے ہر نظریے کے اچھے اور برے پیروکار موجود ہوتے ہیں جو اس نظریے کے حامل ہونے کے دعویدار ہوتے ہیں جب کہ فی الحقیقت جو عمل وہ کر رہے ہوتے ہیں اس کا حکم اس نظریے

Marfat.com

میں موجود نہیں ہوتا۔ اگر کسی نظریے کی تعلیمات بری ہیں تو ہم اس نظریے کو برا کہیں گے اگر لوگ برے ہیں تو ہم ان لوگوں کو برا کہیں گے نظریے کو برا نہیں کہیں گے۔ لہٰذا میں سوشل ازم کو سٹالن کی وجہ سے برا نہیں کہتا۔ میں عیسائیت کو ہٹلر اور مسولینی کی وجہ سے برا نہیں کہتا۔ لہٰذا آپ کو کسی نظریے کے بنیادی اصولوں کا عقلی و منطقی بنیادوں پر تجزیہ کرنا چاہیے۔ اور اس کے بعد فیصلہ کرنا چاہیے کہ یہ نظریہ حیات صحیح ہے یا غلط۔ ہمیں کسی نظریہ حیات یا مذہب کو اس کے بنیادی اصولوں کے منطقی تجزیہ کی بنیاد پر اپنانا چاہیے یا رد کرنا چاہیے۔ لوگوں کے اعمال یا بداعمالیوں کی وجہ سے اس کو رد نہیں کرنا چاہیے۔

مذہب پر اعتراضات

دھریہ: مذہب پر اعتراضات دو طرح کے ہیں علمی اور اخلاقی (Intellectual & Moral) علمی یا عقلی اعتراض یہ ہے کہ کسی بھی مذہب کو سچ سمجھنے کی کوئی معقول وجہ (Reason) نہیں ہے اخلاقی اعتراض یہ ہے کہ مذہبی نظریہ اس دور سے متعلق ہے جب انسان آج کے دور سے بہت زیادہ ظالم ہوتا تھا۔ لہٰذا ظالم کے ظلم سے بچنے کے لئے اخلاقیات کو ایجاد کیا گیا تاکہ انسانی ضمیر اس ظلم کا تدارک کر سکے۔

(Why I am not a Christian. Page 31)

فہیم: کسی مذہب یا نظریے کو رد کرنے کا یہ علمی طریقہ نہیں ہے کیونکہ آپ نے دنیا کے تمام مذاہب کا مطالعہ نہیں کیا ہے اور نہ ہی ان کی تاریخ پڑھی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دنیا میں کوئی ایک دو مذہب ایسے بھی ہوں جن کی تعلیمات عقلی و سائنسی بنیادوں پر پوری اترتی ہوں۔ دوسری بات یہ کہ آپ یہ کیسے دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ اخلاقیات کمزور لوگوں نے طاقتور کے ظلم سے بچنے کے لئے ایجاد کی تھی۔ آپ کی اس بات کا کیا تاریخی یا عمرانی ثبوت ہے۔ آپ اپنے نظریات پر بھی تو دلیل قائم کریں۔ جب آپ کے پاس اس بات کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں تو آپ کیسے مذہب پر اعتراض کرتے ہیں کیونکہ اگر آپ مذہب کو غیر سائنسی کہہ رہے ہیں تو آپ کے نظریات کی بنیادیں بھی اتنی ہی غیر سائنسی ہیں۔

Marfat.com

اب آتے ہیں آپ کے دوسرے اعتراض کی طرف کہ اخلاقیات کا تصور اس دور سے تعلق رکھتا ہے جب انسان بہت زیادہ ظالم تھا۔ تو یہ نظریہ بھی معروضی حقیقت (Objective Reality) کے خلاف ہے کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ کون سا ظلم اور تشدد تھا جو اس دور میں ہوتا تھا اور آج نہیں ہے۔ ہاں طریقہ کار اور آلات وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہے ہیں مگر ظلم و جرم تو پہلے جیسے تھے اب بھی ہیں اخلاقیات کے حوالے سے تو انسان آج بھی پتھر کے دور میں ہی کھڑا ہے۔ بقول شاعر

ظاہر تو شگفتہ ہے گل تر کی طرح ہے
دیکھو تو نیا دور بھی پتھر کی طرح ہے

اگر آپ آج نیویارک میں ہونے والے جرائم و مظالم کے ایک مہینے کا موازانہ پرانے دور کے پوری دنیا میں ہونے والے جرائم و مظالم کے ایک مہینے سے کریں تو آج کے نیویارک کے جرم زیادہ ہوں گے۔ آپ کی سائنس نے انسانیت کے ساتھ کیا کیا ظلم نہیں کیے۔ میں سائنس کو بحیثیت مجموعی رد نہیں کرتا ہوں لیکن اگر میں آپ کی طرح نظریات کو رد کرنے لگوں تو پھر سائنس کو رد کر دوں گا، ہیروشیما اور ناگاساکی کے لوگوں پر آپ کی سائنس کے ایٹم بم نے کیا قیامت برپا کی۔ کتنی انسانیت آپ کی سائنس کے بنائے ہوئے بارود سے جنگ عظیم ایک اور دو میں تباہ ہوئی۔ کتنے ہی انسانوں کو ہٹلر نے گیس چیمبروں میں ابدی نیند سلا دیا۔ کتنے ہی لوگ سائنس کی بنائی ہوئی گاڑیوں کے ایکسیڈنٹ سے مر جاتے ہیں۔ کتنے ہی لوگ منشیات کی وجہ سے اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ آپ کی سائنس کے یہ بنے ہوئے کارخانے اور فیکٹریاں روزانہ لاکھوں ٹن دھواں فضا میں چھوڑتے ہیں اور کرۂ ارض کی آب و ہوا کو آلودہ کر رہے ہیں۔ یہ ماحولیاتی آلودگی فریج اور ایئر کنڈیشنز اور مختلف قسم کے سپریز وغیرہ فضا میں اوزون کی تہہ کو تباہ کر رہے ہیں اسی طرح فضا کی آکسیجن کو تباہ کر رہے ہیں۔ جب یہ آکسیجن اور اوزون کی تہہ ختم ہو جائے گی تو انسانیت پر کیا تباہی پڑے گی آپ نے کبھی سوچا ہے۔ لہٰذا انسانیت تو آپ کی سائنس اور ٹیکنالوجی کی وجہ سے

Marfat.com

تباہی کے کنارے پر کھڑی ہے۔ کتنے ہی بے گناہ لوگ روزانہ کشمیر، فلسطین، عراق وغیرہ میں قتل ہورہے ہیں۔ کتنے ہی ایٹم بم انسانیت کے لئے اکٹھے کیے گئے ہیں۔ ان سب باتوں کو دیکھتے ہوئے کیا ہم سائنس کو مجموعی طور پر یکسر رد کردیں۔ نہیں ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے ہمیں اس کی خامیوں اور برائیوں کو دور کرنا چاہیے۔ اسی طرح ہمیں مذہب کو مجموعی طور پر چند لوگوں کی وجہ سے رد نہیں کرنا چاہیے اگر چند لوگ جو کسی نظریے کے پیروکار ہونے کے دعویدار ہیں۔ اور اس نظریے کے احکامات کو پس پشت ڈال کر ظلم و جرم میں ملوث ہیں تو ان لوگوں کی وجہ سے اس مذہب یا نظریے کو ہم رد نہیں کر سکتے۔

دھریہ: خدا کے وجود کے بارے میں لوگوں کی دلیل عام طور پر یہ ہوتی ہے کہ میں اور میرا دوست انتہائی ذہین لوگ ہیں لہٰذا یہ ممکن نہیں ہے کہ اتنی ذہانت محض اتفاقی طور پر پیدا ہوگئی ہو۔ لہٰذا کوئی ایسی ہستی ضرور ہے جس نے اس کائناتی مشین کو حرکت دی ہے تا کہ وہ آخر کار ذہانت کو تخلیق کر سکے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس دلیل سے بالکل متاثر نہیں ہوں۔ اور اس دلیل کو میں مسکت دلیل نہیں مانتا۔ کیونکہ یہ کائنات انتہائی وسیع ہے۔ اس کے باوجود اگر ہم ایڈنگٹن کا یقین کریں تو کائنات میں انسان جیسی ذہین مخلوق اور کہیں موجود نہیں ہے۔ اگر آپ پوری کائنات میں موجود مادے کو لیں اور پھر جو مادہ ذہین مخلوق کو تخلیق کر رہا ہے اس کو لیں۔ اور دونوں کا موزانہ کریں۔ تو آپ دیکھیں گے کہ ذہانت تخلیق کرنے والا مادہ انتہائی طور پر قلیل در قلیل ہے۔ نتیجتاً اگر یہ انتہائی طور پر ناممکن بات ہے کہ قانون اتفاق کے تحت ایک ایسا جاندار پیدا ہوسکتا ہے جو کہ ذہانت رکھتا ہو۔ لیکن اس کے باوجود یہ ممکن نظر آتا ہے کہ کائنات میں بہت ہی قلیل تعداد میں کچھ جاندار ضرور پائے جائیں گے۔ اگر ایسا ہے تو پھر قانون اتفاق کے تحت جاندار پیدا تو ہوگیا۔ اور اگر پیدا ہوگیا تو پھر ہماری ذہانت کوئی ایسی بڑی چیز تو نہیں جو پیدا نہیں ہوسکتی۔ میں یہ تصور نہیں کر سکتا کہ قادر مطلق خدا نے ازل سے محنت کر کے کوئی بہتر چیز بنائی ہے اگر ہم خدا کے تصور کو مان بھی لیں تو پھر یہی بھونڈا انسان ہی اس کی تخلیق ہے نا۔ اور انسان کوئی اتنی بھی قابل رشک تخلیق نہیں ہے۔

(Why I am not a Christian. Page: 32)

Marfat.com

فہمیم: اس سلسلے میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ کہنا ٹھیک نہیں ہے کہ کرۂ ارض کے علاوہ اور کہیں بھی کائنات میں زندگی کے آثار موجود نہیں یا زندگی نہیں۔ کیونکہ ہم نے ابھی دوسرے نظام ہائے شمسی اور دوسری کہکشاؤں کی چھان بین نہیں کی ہے۔ اگر ہم قانون اتفاق پر یقین رکھیں تب بھی یہ ہوسکتا ہے کہ دوسرے سیاروں پر بھی یہی اتفاق ہوا ہو۔ جو زمین پر ہوا ہے۔ اسی طرح اگر ہم خدا کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں تو پھر بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ اتنی بڑی کائنات خدا نے خالی تو پیدا نہیں کی۔ اس میں ضرور مخلوقات ہوں گی۔ جس طرح زمین پر بہت سی مخلوقات ہیں اسی طرح دوسرے سیاروں پر بھی مخلوقات ہوں گی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں مختلف مذاہب کی الہامی کتابوں میں دوسرے سیاروں پر زندگی ہونے کا نظریہ ملتا ہے۔ اور اسی بارے میں مذہبی کتابوں میں ایسی آیات مل جاتی ہیں۔ ایرک وان دینی کن (Eric von daniken) ایک مغربی مفکر نے اس سلسلے میں کافی دقیق قسم کی تحقیق کی ہے۔ اور اس موضوع پر کئی کتابیں لکھی ہیں مثلاً ''دیوتاؤں کا رتھ'' (Chariots of gods) ''سیارے کو واپسی'' (Return to the stars) ''قدیم دیوتاؤں کی تلاش'' (In search of ancient gods) اور ''دیوتاؤں کے معجزات'' (Miracles of gods) وغیرہ۔ اب میں ''سیارے پر واپسی'' (Return to the star) سے چند اقتباسات پیش کروں گا۔ جو ایرک وان دینی کن (Eric von daniken) نے لکھی ہے۔

میسور کی سنسکرت زبان پر تحقیق کی بین الاقوام اکیڈمی نے پہلی دفعہ ترجمہ کرنے کا تجربہ کیا۔ یہ خدمت انہوں نے مہارشی بھاردوایہ جو ابتدائی زمانے کے مفکر ہیں سے لی۔ مہارشی نے مہابھارت کتاب کا ترجمہ سنسکرت سے اس انداز میں کیا جو ایک جدید ذہن اور دور کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ اس کے نتائج میرے لئے حیران کن تھے۔ اور میں اس قدر حیرت زدہ ہوا کہ میں (ایرک وان دینی کن) جب انڈیا گیا تو میں نے اس ترجمے کی درستگی کو 1968ء میں میسور سے اور سنٹرل کالج آف بنگلور سے تصدیق کروائی۔ یہ ایک سنسکرت کی کتاب کا جدید متن ہے۔

Marfat.com

اقتباس

(۱) ایک آلہ جو اپنی اندرونی طاقت سے حرکت کرتا ہے جیسا کہ پرندہ۔ چاہے وہ آلہ زمین پر ہو پانی میں ہو یا فضا میں اس کا نام ویمانا (Viamana) ہے۔

(۲) یہ آلہ آسمان پر ایک مقام سے دوسرے مقام تک جا سکتا ہے..... ملک سے دوسرے ملک، ایک دنیا سے دوسری دنیا..... اس کو سائنس کا پنڈت ویمانا کہتا ہے۔

(۳) اس اڑنے والی مشین کے بنانے کا راز..... اس کو توڑا نہیں جا سکتا۔ اس کو تقسیم بھی نہیں کیا جا سکتا اور اس کو آگ بھی نہیں لگتی..... اور اس کو تباہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔

(۴) اس مشین کو کھڑا کرنے کا راز..... اس مشین کو نظروں سے غائب کرنے کا راز..... دشمن کی اڑن مشینوں میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی بات چیت سننے کا راز۔

(۵) دشمن کی اڑن مشین کے اندرونی حصوں کی تصاویر لینے کا راز۔

(۶) دشمن کی اڑن مشین کا راستہ معلوم کرنے کا راز۔

اس کے بعد متن میں ان اکتیس (31) بڑے بڑے حصوں کی تفصیل بیان ہوئی ہے جن کے ذریعے یہ مشین بنائی جا سکتی ہے۔ اس میں ان سولہ (16) دھاتوں کا بھی ذکر ہے جن سے اڑن مشین بنائی جاتی ہے مگر ہمیں ان میں سے صرف تین کا علم ہے۔ باقی تمام کے ناموں کا آج ترجمہ نہیں کیا جا سکا۔ (صفحہ 138-139)

اقتباس نمبر 2

اڑن مشین جس کو ویمانا کہا جاتا ہے ان کا ذکر مہا بھارت اور تبت کے صحیفوں میں بار بار ملتا ہے۔ (صفحہ 144)

مہا بھارت کے مطابق دیوتاؤں کے 1200 سال انسانوں کے 3,60,800 سال کے برابر ہے۔ (صفحہ 141)

میں نے مہا بھارت کو ویسے ہی کھولا۔ اور میرے سامنے یہ اقتباس آیا۔

Marfat.com

بریفو نے آسمان کے خیمے کی پیمائش کے بارے میں پوچھا۔ جواب ملا۔ اس کی کوئی حد نہیں۔ اور اس میں روحانیات (Divinities) اور نیک لوگوں (Blessed) کا ٹھکانا ہے۔ یہ بہت ہی مسرور انگیز ہے۔ اور اس میں بہت سی مخلوقات کے مسکن ہیں۔ اور اس کے کناروں تک پہنچا نہیں جا سکتا۔ اس کے کرے سے ماوراء اور اس کے نیچے چاند اور سورج کو دیکھا نہیں جا سکتا۔ وہاں پر دیوتاؤں کی دنیا ہے۔ اس کا اپنا نور سورج کی طرح چمکتا اور آگ کی طرح بھڑکتا ہے، حتی کہ یہ دیوتا بھی اس عظیم آسمان کے کناروں کو نہیں دیکھ سکتے۔ کیونکہ وہاں پہنچنا بہت مشکل ہے کیونکہ یہ لامحدود ہے۔ مگر اوپر کی طرف اور مزید اوپر کائنات کی پیمائش دیوتاؤں سے بھی ممکن نہیں ہے۔ وہاں پر بھڑکتی ہوئی نورانی مخلوق آباد ہے (صفحہ 145)

تو یہ تھا اقتباس انڈین متن سے۔ ایرک وان دینی کن کہتا ہے کہ میں نے ویدوں کے لکھنے کے زمانے کے بارے میں پوچھا۔ تو مفکرین نے متحدہ طور پر یہ بتایا کہ مہا بھارت جس میں 80000 سے زائد اشعار ہیں یہ تقریباً 1500 قبل از مسیح میں ظاہر ہوئی۔ لیکن جب میں (ایرک وان دینی کن) نے اصل زمانے کے بارے میں جس میں یہ سلطنت واقعہ تھی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ زمانہ 2604 ق م یا 7016 ق م کا ہے۔ (صفحہ 141)

اسی طرح سوبوان کی لائبریری جو پیرس میں ہے اس میں کبالہ (Kabbala) کی 7 جلدیں پڑی ہیں۔ اس کے بارے میں اندازہ یہ ہے کہ 1200 عیسوی میں لکھی گئی ہے۔ اس ''کبالہ'' میں پرانے عہد نامے کے پراسرار اقتباسات کی تشریح و تاویل کی گئی ہے۔ اور پرانے یہودیوں کے قوانین میں خفیہ پیغامات (Encoded Messages) کے بارے میں اظہار خیال کیا گیا ہے۔ اس ''کبالہ'' میں سات دوسری دنیاؤں کے بارے میں کافی تفصیل سے لکھا ہوا ہے۔ اور وہاں کے رہنے والوں کے بارے میں بھی تفصیل ملتی ہے۔ یہاں پر میں ان مختلف اقتباسات کو ملا کر ایک تصویر پیش کرتا ہوں۔

''گے'' دنیا کے لوگ درختوں اور پودوں کو بوتے ہیں۔ یہ درختوں کی ہر چیز

Marfat.com

کھاتے ہیں مگر یہ گندم یا دوسرے آٹے سے باخبر نہیں ہیں۔ان کی دنیا سایہ دار ہے اور اس میں بہت بڑے بڑے جانور ہیں''۔

نیضیاء دنیا (Nesziah World) کے لوگ جھاڑیاں اور درخت کھاتے ہیں جو وہ خود نہیں بوتے بلکہ قدرتی طور پر پیدا ہوتی ہیں۔ یہ قد میں چھوٹے ہوتے ہیں اور ناک کی بجائے ان کے سر میں دو سراخ ہوتے ہیں جن سے وہ سانس لیتے ہیں۔ یہ بڑے بھلکڑ ہوتے ہیں اور جب کوئی کام کر رہے ہوتے ہیں تو بھول جاتے ہیں کہ انہوں نے یہ کام کیوں شروع کیا تھا۔ان کی دنیا سے ایک لال سورج نظر آتا ہے۔

''تیزیا'' دنیا (Tziah World) کے لوگ وہ چیزیں نہیں کھاتے جو دوسری دنیاؤں کے لوگ کھاتے ہیں۔ یہ مستقل طور پر زمین کے نیچے پانی کے راستوں کو ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ان کی دنیا میں بت سی عمارتیں اور خزانے ہیں۔ان کی زمین خشک ہے اور ان کی دنیا سے دو سورج نظر آتے ہیں۔

''تھیبل'' دنیا (Thebel World) کے لوگ پانی میں سے ہر چیز کھاتے ہیں۔ یہ تمام دوسرے لوگوں سے ترقی یافتہ ہیں ان کی دنیا دو حصوں میں تقسیم ہے جس میں رہنے والوں کی شکلیں اور رنگ مختلف ہیں۔ یہ اپنے مردوں کو دوبارہ زندہ کر لیتے ہیں یہ دنیا سورج سے بہت دور ہے۔

''ایریز'' دنیا (Erez World) آدم کی نسل سے ہیں۔

''اداما'' دنیا (Adammah World) کے رہنے والے بھی آدم کی نسل سے ہیں کیوں کہ آدم نے ایریز دنیا کے ناخوشگوار ہونے کا شکوہ کیا تھا۔

یہ زمین میں کھیتی باڑی کرتے ہیں یہ پودے، جانور اور روٹی کھاتے ہیں۔ یہ اکثر اوقات غمگین رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف جنگیں کرتے رہتے ہیں۔اس دنیا میں دن ہوتے ہیں اور ان کی دنیا سے ستاروں کے جھرمٹ (Groupings of Constellaticn) نظر آتے ہیں۔ ماضی میں تھیبل دنیا (Thebel World) کے لوگ

Marfat.com

ان کی دنیا میں آتے رہے ہیں۔مگر یہ سیر کرنے والے لوگ جو آئے ان کی یادداشت کھو گئی یہاں ''آداما'' دنیا(Adammah) میں اوراب ان کو کچھ یاد نہیں کہ وہ کب آئے تھے۔

''ارقا'' دنیا(Arqa World) کے لوگ بیج بوتے ہیں اور کھیتی باڑی کرتے ہیں ان کے چہرے ہمارے چہروں سے مختلف ہوتے ہیں۔یہ تمام دنیاؤں میں جاتے ہیں اور تمام زبانیں بولتے ہیں۔

اب یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کبالہ(Kabala) کا مصنف یہ کیسے جانتا تھا کہ سات دنیاؤں کے رہنے والے لوگوں کی شکل وصورت زمین کے باشندوں سے مختلف ہے۔ اس کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ ان دنیاؤں کے لوگ مختلف قسم کی غذا کھاتے ہیں اور وہ یہ جانتے ہیں کہ دوسرے نظام شمسی بھی کائنات میں موجود ہیں۔

(Return to the star. Page: 148)

زہار(Zohar) جو کبالہ(Kabala) کا اہم کام ہے اور یہ آرامی زبان میں لکھا ہوا ہے۔اس میں ایک زمین کے باشندے اور ارقا (Arqa World) دنیا کے باشندے کے درمیان گفتگو لکھی ہوئی ہے۔(Page: 148) اسی طرح مسلمانوں کی مقدس کتاب قرآن میں بھی سات آسمانوں اور سات زمینوں کا نظریہ دیا ہوا ہے۔جیسا کہ قرآن کریم کی سورۃ الطلاق 65: آیت 12 میں ارشاد ہوتا ہے کہ

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾ (الطلاق)

''اللہ وہی ہے جس نے سات آسمان تخلیق کیے۔اور اس کے مثل زمینیں بھی۔ اس کے احکام ان سب میں نازل ہوتے رہتے ہیں تا کہ تم جانو کہ اللہ کا علم ہر چیز پر محیط ہے''۔

تو یہ تھے دنیا کے تین بڑے مذاہب کی کتابوں سے اقتباسات۔اب آتے ہیں جدید

Marfat.com

معلومات کی طرف۔ اس سلسلے میں امریکہ کے مشہور مصنف چارلس برلٹز (Charles Berlitz) نے ایک کتاب ''راسویل کا واقعہ''(Roswell Incidenec)لکھی ہے۔ یہ واقعہ امریکہ کی ریاست ''راسویل'' میں پیش آیا۔ مصنف کے مطابق اس ریاست میں ایک خلائی جہاز آ کر گرا جس میں خلائی مخلوق بھی تھی۔ امریکہ حکومت اس پر خفیہ طور پر تحقیق کر رہی ہے۔ اسی طرح ریڈر ڈائجسٹ والوں نے ایک کتاب شائع کی جس کا نام ہے ''ناقابل توجیح واقعات۔ کے اسرار''(Mysteries of the Un-explained)اس کتاب کے مطابق اڑن طشتریوں (UFO'S) کے بارے میں کم از کم 10 لاکھ رپورٹیں پوری دنیا سے ریکارڈ کی گئی ہیں۔ اس طرح ایرک وان دینی کن (Erik von Daniken) اپنی کتاب ستارے پر واپسی (Return to the stars) کے صفحہ 17 پر لکھتا ہے کہ

آج کوئی بھی اس بات میں شک نہیں کرتا کہ کائنات میں دوسری خلائی مخلوق موجود نہیں ہے۔ 1961ء میں گیارہ سائنس دانوں کی ایک خفیہ کانفرنس کے بعد یہ اعلان کیا گیا کہ ہماری کہکشاؤں میں کم از کم 50 ملین تہذیبیں ہو سکتی ہیں۔ یہ کانفرنس ویسٹ ورجینیا کی ریاست میں گرین بینک کے مقام پر ہوئی۔

یہ اعداد و شمار کافی کم محسوس ہوں گے اگر یہ ثابت ہو جائے کہ زندگی کی کنجی چار بنیادی امینو ایسڈز ایڈینن (Adenine) سائی ٹوسین (Cyctosinc) گوآمین (Guamine) اور تھائی مین (Thymine) پوری کائنات میں حیات کو کنٹرول کرتے ہیں۔ اور اگر یہ سچ ہوا تو پھر کائنات میں حیات کی بے انتہا شکلیں موجود ہوں گی۔ لہٰذا جناب رسل صاحب جدید سائنسی تحقیق کے مطابق اس کائنات میں بہت سی دوسری باشعور مخلوقات موجود ہیں۔ لہٰذا اگر آپ اس وجہ سے دہریے یا Agnostic تھے تو اب یہ بہانہ نہیں رہا۔ اب آتے ہیں آپ کے اعتراض کے دوسرے پہلو کی طرف۔ آپ کا کہنا ہے کہ اگرچہ یہ تقریباً ناممکن ہے کہ قانون اتفاق کے تحت ایٹموں کے اتفاقیہ میل جول سے کوئی باشعور مخلوق پیدا ہو جائے۔ لیکن یہ ممکن لگتا ہے کہ اگر ایسی باشعور مخلوق موجود بھی ہے تو کائنات میں اس کی تعداد

Marfat.com

انتہائی کم ہوگی۔آپ کے اس بیان کے سلسلے میں یہ عرض یہ ہے کہ قانون اتفاق کے بارے میں ہم نے پہلے تفصیلی گفتگو کی ہے۔اور زندگی کی تخلیق قانون اتفاق کے تحت ہونا یہ ایک ایسا نظریہ ہے جو قانون اتفاق اور خلیہ کی اندرونی ساخت کی پیچیدگی کے بارے میں علم کی کمی پر مبنی ہے۔اگر کسی کو ان دونوں پہلوؤں کے بارے میں تفصیلی علم ہو تو وہ یہ نظریہ نہیں رکھ سکتا کہ حیات کی تخلیق یا خلیہ کی تخلیق قانون اتفاق کے تحت اتفاقی طور پر ہوئی ہے۔

آپ کو قانون اتفاق سمجھانے کے لئے ایک مثال دیتا ہوں۔کہ فرض کریں ایک برتن میں دس ہزار پلاسٹک کے بنے ہوئے الفاظ پڑے ہیں اور صرف چھ الفاظ ''RUSSEL'' ایک بار ہلانے سے گرتے ہیں۔تو دس ہزار بار ہلانے سے صرف ایک اتفاق ہوسکتا ہے کہ حرف (R) نیچے گرے پہلے۔پھر دس ہزار بار ہلانے سے (U) گرے۔پھر دس ہزار بار ہلانے سے (S) گرے وعلی ہذا القیاس۔یہ تو تب ہے کہ اگر ہم نے ہر بار صرف ایک حرف نیچے گرانا ہو۔اور اگر پورے نام ''RUSSEL'' کے چھ حروف گرانے ہوں تو پھر ہمیں 10000 دفعہ ہلانا پڑے گا۔اور یہ رقم (10000000000000000000000000) ایک کے بعد 24 صفر لگا کر حاصل ہوتی ہے۔اسی طرح اگر یہ پلاسٹک کے حروف 10 لاکھ ہیں تو پھر ہلانے کی تعداد مزید بڑھ جائے گی۔اب آپ تصور کریں کہ زمین کی ابتدا میں یہاں پر کتنے عناصر تھے اور ان کے ایٹموں کی تعداد کتنی تھی۔اب اس تعداد کا تصور بھی مشکل ہے۔اس تعداد سے پہلے مالیکیول بنے ہوں گے پھر ان عناصر کے مالیکیولز کے ملنے سے امینو ایسڈز کے مالیکیول بنے ہوں گے۔ایک سادہ ترین پروٹین کا مالیکیول بنانے کے لئے ایٹموں کو کتنی بار ہلانے (Shake) کی ضرورت تھی۔اس قسم کے اعداد وشمار کے بارے میں فرانس کے ایک پروفیسر چارلس یوجین گوائے نے تحقیق کی۔کہ ایک سادہ پروٹین کا مالیکیول اتفاق (Chance) کے تحت بنانے کے لئے ہمیں موجودہ کائنات میں موجود مادے کی مقدار سے بلین گناہ زیادہ مادے کی مقدار چاہیے۔لہٰذا یوجین گوائے (Yojin Guoy) کی تحقیق اور اعداد وشمار کے مطابق قانون اتفاق کے ذریعے موجودہ کائنات کے

Marfat.com

مادے سے ایک سادہ ترین پروٹین کا مالیکیول نہیں بن سکتا۔ امینو ایسڈز کے مالیکیول اور زندہ خلیہ کا اور پھر کسی جاندار کا پیدا ہونا تو بہت ہی دور کی بات ہے۔ لیکن جناب رسل صاحب اگر میں آپ کو یہ رعایت دے دیتا ہوں۔ کہ چلیں خیر ہے قانون اتفاق کے تحت ایک زندہ جانور بن گیا ہوگا۔ لیکن پھر بھی ایک معمہ اس میں ایسا ہے جو حل ہوتا نظر نہیں آتا۔ وہ یہ کہ زندگی کا یا حیات کا قانون (Principle of life) کس نے بنایا۔ اور کہاں سے آیا۔ یہ کس نے فیصلہ کیا کہ مادے کی، ایٹموں کی، مالیکیولز کی، امینو ایسڈز کی یہ بناوٹ اور ساخت اور ملاوٹ ہوگی تو حیات تخلیق ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔ یہ قانون اپنی جگہ علیحدہ موجود تھا جو غیر مادی تھا۔ لہٰذا یہ قانون کیسے بنا کس نے بنایا۔ یہ معمہ تب ہی حل ہوسکتا ہے جب ایک قانون بنانے والے کے تصور کو مان لیا جائے۔ حیات کا قانون کائنات میں موجود تھا جس تک مادہ اتفاقی طور پر پہنچ گیا۔ اسی طرح کے کروڑوں قوانین فطرت ہیں جو کائنات میں موجود ہیں۔ اور ان کے وجود کا معمہ کسی قانون بنانے والی ہستی کو مان کر ہی حل ہوسکتا ہے۔ پانی پیاس کیوں بجھاتا ہے اور آگ چیزوں کو کیوں جلاتی ہے۔ یہی سوال تمام کیمیاوی مرکبات کے بارے میں کیا جاسکتا ہے۔ معدہ وہ کام نہیں کرتا جو انسانی جگر کرتا ہے۔ جینز کی ایک خاص ترتیب سے ایک خاص جانور یا مخلوق بنتی ہے اور دوسری ترتیب سے دوسری مخلوق بنتی ہے کیوں؟ یہ تمام قوانین فطرت کائنات میں مادے سے علیحدہ موجود ہیں اور مادہ ان قوانین کی پابندی کرتا ہے۔ اب یہ بات بالکل ظاہر و باہر ہے کہ مادہ خود اپنے لئے قوانین نہیں بنا سکتا۔ اور نہ ہی قوانین کے شعور کے بغیر ان پر عمل ہوسکتا ہے۔ مادہ میں شعور نہیں ہے اس کی خصوصیت جمود (Inertia) اور بے شعوری ہے۔ یہ سائنس کا مسلمہ قانون ہے۔ لہٰذا ہمیں ایک باشعور ہستی کا وجود ماننا پڑتا ہے۔ جس نے مادے کے لئے یہ قوانین بنائے۔ اور جو مادے کو ان قوانین پر چلا رہی ہے۔ ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ وہ ہستی باشعور اور صاحب ارادہ ہے۔ وہ ہستی جیسا ارادہ کرتی ہے قوانین اپنا رخ ادھر کر لیتے ہیں۔ یعنی ان قوانین کی بنیاد اس ہستی کا ارادہ ہے۔ اور دنیاوی اور ملکی قوانین میں بھی یہی اصول کارفرما ہے۔ ہر قانون

Marfat.com

میں کسی نہ کسی باشعور ہستی کا ارادہ کارفرما ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ہمارے گھر بنانے والے معمار کے ارادے کو ظاہر کرتے ہیں اور فرنیچر کار پینٹر کے ارادے کو ظاہر کرتا ہے۔ اگر یہ اصول نہ مانا جائے۔ تو کسی سادہ سے سادہ گھر کے ڈیزائن کی تشریح وتوضیح قانون اتفاق کے تحت نہیں کی جاسکتی۔ باتھ روم کیوں باتھ روم ہے؟ وہ کچن کیوں نہیں ہے؟ کسی گھر میں ایک مخصوص کمرہ سونے کا ہے ایک مخصو کمرہ ٹی وی کا ہے ایک کمرہ سٹڈی کرنے کا ہے؟ یہ کیوں ایسا ہے۔ اس کو قانون اتفاق کے ذریعے واضح نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک اسے ایک صاحب ارادہ ہستی کا ارادہ قرار نہ دیا جائے۔ اسی طرح اس کائنات میں ہر چیز کی تخلیق میں ایک مقصد ہے۔ جس سے پوری تخلیق ایک با مقصد عمل بن جاتا ہے۔ کیا کونین کے پودے کو اس بات کا علم تھا کہ اس کرۂ ارض پر ایک مخلوق انسان بھی ہوگا اور اس کو ملیریا ہوگا لہٰذا مجھے پہلے سے ادھر موجود ہونا چاہیے۔ یا پھر انسان میں ملیریا اس لئے پیدا ہوا کہ چونکہ کونین اس کے علاج کے لئے موجود ہے لہٰذا انسان نے ملیریے کی بیماری اپنے اندر پیدا کر لی۔ یہ بات باقی تمام پودوں کے لئے کہی جاسکتی ہے جن سے ادویات بنائی جاتی ہیں۔ کیا ان تمام پودوں کو یہ علم تھا شعور تھا کہ ایک مخلوق انسان پیدا ہوگی جس میں یہ بیماریاں ہوں گی۔ یا پھر انسان کے جسم میں وہ بیماریاں اس لئے پیدا ہوئیں کہ ان کے علاج کے لئے مخصوص پودے موجود تھے۔ ان دونوں مقاصد کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے۔ انسانی جسم میں ایسی بیماریاں کیوں پیدا ہوتی ہیں جن کے علاج کے لئے مختلف پودے، جڑی بوٹیاں موجود ہوتی ہیں۔ انسان کو علم ہو یا نہ ہو۔ اس کے جسم کو یہ ضرور علم ہوتا ہے۔ کہ فلاں بیماری کا علاج زمین پر موجود ہے۔

اسی طرح انسان کی تخلیق سے ہزاروں، لاکھوں سال پہلے ان پودوں، جڑی بوٹیوں وغیرہ کو علم تھا کہ ایک مخصوص مخلوق انسان پیدا ہوگی۔ جس کے اندر فلاں فلاں بیماریاں پیدا ہوسکتی ہیں اور ان بیماریوں کا علاج ہمارے اندر موجود ہونا چاہیے۔ ایسی لاکھوں بیماریاں اور لاکھوں پودے، جڑی بوٹیاں اور دھاتیں ہیں۔ اب اس سب کچھ کو قانون اتفاق کے

Marfat.com

ذریعے واضح نہیں کیا جا سکتا۔ ان تمام مظاہر کی ایک ہی توجیح ہو سکتی ہے کہ ان کے پیچھے ایک باشعور اور صاحب ارادہ ہستی کو تسلیم کر لیا جائے۔

دھریہ: آپ نے بڑے اچھے طریقے سے وجود خدا کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل گفتگو کی۔ اور آپ نے جناب برٹرینڈ رسل کے دلائل کو بڑے اچھے طریقے سے علمی بنیادوں پر رد کیا۔ مگر بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی۔ ابھی تو اور بہت سے پہلوؤں پر گفتگو ہونی باقی ہے۔

فہیم: اب میں ول ڈیورینٹ کی کتاب ''لذات فلسفہ'' (Pleasure of Philosophy) سے وجود خدا اور مذہب کی حقانیت کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کروں گا۔

فہیم: گفتگو شروع کرنے سے پہلے میں ول ڈیورینٹ صاحب کے بارے میں آپ کے پاس اپنی شکایت ریکارڈ کروانا چاہوں گا کہ یہ ایک انتہائی متعصب مفکر ہے؟

دھریہ: یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں ول ڈیورینٹ کے بارے میں؟

فہیم: میں یہ اس طرح کہتا ہوں کہ ویل ڈیورینٹ نے اپنی کتاب ''لذات فلسفہ'' (Pleasure of Philosophy) کے حصہ نمبر 8 میں مختلف مذاہب پر ایک مکالمہ لکھا ہوا ہے۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ اس مکالمے میں اس نے اسلام کا نمائندہ شامل ہی نہیں کیا۔ اب اس کی دو ہی وجوہات ہو سکتی ہیں کہ یا تو ول ڈیورینٹ صاحب کو اسلام کے بارے میں علم ہی نہیں تھا۔ یا پھر انہوں نے تعصب کی وجہ سے اسلام کا نمائندہ اپنے مکالمے میں شامل نہیں کیا۔ پہلی وجہ تو ممکن نہیں ہے کیونکہ ول ڈیورینٹ جیسے جہاندیدہ مفکر کے بارے میں یہ کہنا کہ اسے اسلام کا علم نہیں تھا بالکل غلط ہے۔ کیونکہ انہوں نے مختلف تہذیبوں کی تاریخ پر بھی کتابیں لکھی ہیں۔ لہٰذا اسلام کا ان کو بہت اچھی طرح علم تھا۔ لہٰذا دوسری بات ہی سچ ہے کہ اس نے اپنے تعصب کی وجہ سے اسلام کا نمائندہ اپنے مکالمے میں شامل نہیں کیا۔ اب آپ اپنی گفتگو کا آغاز کریں یہ جملہ معترضہ بیچ میں آ گیا تھا۔

دھریہ: لکریٹس (Lucretius) کہتا ہے کہ یہ انسانی خوف تھا جس کی وجہ سے ''دیوتا'' (gods) بنے۔ ابتدائے تاریخ میں زندگی خطرات سے بھری ہوئی تھی۔ اور ایسا بہت کم

Marfat.com

ہوتا تھا کہ زندگی کا اختتام قدرتی طور پر ہو جائے۔ جب ایک وحشی انسان کسی مظہر کی سائنسی توجیح نہیں سمجھ سکتا تھا تو وہ اس کی وجہ یا علت (Cause) کو شخصیت کا روپ دے دیتا تھا۔ اور اپنے جسم پر قیاس کر کے وہ یہ سمجھتا تھا کہ ہر قدرتی موجود میں ایک روح ہوتی ہے ان پہاڑوں، دریاؤں، چوٹیاں، درخت، ستاروں اور آسمان کو ارواح بیرون سمجھا جاتا تھا۔ اور آج تک ہم ان قدرتی اجسام کو شخصیات کا روپ دیتے ہیں۔ یونانی یہ سمجھتے تھے کہ آسمان یورینس دیوتا کا جسم ہے۔ اسی طرح چاند کو سیلن دیوی کا جسم سمجھا جاتا تھا۔ زمین گائیا دیوی کا جسم سمندر پوسائیڈن دیوتا کا جسم گرادنا جاتا تھا۔ بابلی تہذیب کے لوگوں نے سات ستاروں کو مقدس قرار دے کر ان کے نام ہفتے کے دنوں پر رکھ دیئے۔ جیسے سن ڈے (Sunday) من ڈے (Monday) وغیرہ۔ اسی طرح مرد و عورت کی شرمگاہوں (Lingam & Yoni) کی پوجا انڈیا میں اب بھی کی جاتی ہے۔ اور اس پرستش کو حفاظتی جادو کے طور پر کیا جاتا ہے۔ اس طرح مصری تہذیب کے ابتدائی ریکارڈ میں لنگ پوجا (عضو تناسل کی پوجا) کا تصور ملتا ہے۔ اسی طرح رومی تہذیب کے لوگ عضو تناسل (Lingam) کی شبیہ کو اپنے پاس تعویز کے طور پر رکھتے تھے تا کہ اس سے بانجھ پن دور رہے۔ یہ تھی مختصر تاریخ مذہب کی اس طرح مذہب وجود میں آیا۔

(لذات فلسفہ صفحہ 335-336)

فہیم: یہ تمام رام کہانی مذہب کی ابتدا کے بارے میں جو آپ نے بیان کی ہے۔ یہ علم بشریات (Anthropology) کی ایک تھیوری ایک نظریہ ہے جو بیان کرنے والے کی اپنے ذہن کی پیداوار ہے۔ یہ نظریہ کوئی تاریخی حقیقت (Fact of History) نہیں ہے۔ یہ نظریہ ٹھیک بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی۔ اب ہم اس نظریہ پر تفصیلی گفتگو کرتے ہیں۔ اس میں سب سے پہلا قدم ہی ثبوت کا محتاج ہے۔ یعنی اس نظریے (Theory) کو پیش کرنے والے بندے کا نام ہی موجود نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس نظریے کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا کہ خوف کی وجہ سے انسان نے مذہب کو خود تخلیق کیا۔ ہم خوف (Fear)

Marfat.com

کے متعلق تفصیلی گفتگو برٹرینڈ رسل کے حوالے سے پہلے کر چکے ہیں (صفحہ نمبر 77 تا صفحہ 79) مذہب کے مظہر (Phenomenon) کو غلط انداز سے سمجھا گیا ہے اور مذہب دشمن دانش وروں نے اسے غلط طریقے سے پیش کیا ہے۔ کیونکہ وہ مذہب سے ایک دلی دشمنی رکھتے تھے۔ اس سے زیادہ معقول نظریہ دنیا کے تین بڑے مذاہب یہودیت، عیسائیت اور اسلام کا مطالعہ کر کے بنایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ان مذاہب کی ابتدا، پھیلاؤ، بگاڑ اور تنزل کا مطالعہ کر کے ہم مذہب کے مظہر (Phenomenon) کو بہتر طریقے سے سمجھ سکتے ہیں۔ اور یہ مطالعہ حقیقت سے زیادہ قریب ہوگا۔ کیونکہ ان کا قابل اعتماد ریکارڈ ہمارے پاس موجود ہے۔ اگر آپ ان تین مذاہب کا مطالعہ کریں تو ان کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ ایک انسانی معاشرے کا ایک فرد، ایک بندہ نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور یہ بندہ انسان کے خود ساختہ تمام خداؤں مثلاً ستاروں، سورج، چاند، گائے، بت، بادشاہ وغیرہ کی نفی کرتا ہے۔ وہ ایک خدا کی تبلیغ کرتا ہے جو کہ تمام مخلوقات اور اس کائنات کا خالق ہے۔ یہ نبی اپنے معاشرے کی غلط رسومات اور رسم و رواج اور معاشرتی اقدار کے خلاف بغاوت کرتا ہے۔ اور اس کوشش میں وہ بہت سی سختیاں اور مصائب جھیلتا ہے۔ جب پیغمبر اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو اس کی اصل تعلیمات کو ان کے اصل محور و مقصد سے ہٹا دیا جاتا ہے اور اس میں اپنی خواہشات کے حصول کے لئے کئی ترامیم کر دی جاتی ہیں۔ لوگوں نے ہمیشہ انبیاء کے دیئے ہوئے سچے ادیان میں اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے بہت سی تبدیلیاں کی ہیں۔ اگر آپ ان تین بڑے مذاہب کی ابتداء، پھیلاؤ، بگاڑ اور زوال کا مطالعہ کریں تو آپ کو ان حقائق کا بخوبی علم ہو جائے گا۔ مثلاً یہودیوں نے سامری کے کہنے پر کیسے ایک سونے کا بچھڑا بنایا۔ اور اس کی عبادت کرنے لگے جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت کوہ طور پر گئے ہوئے تھے۔ کس طرح سینٹ پال نے عیسائیت میں تثلیث کا عقیدہ داخل کیا (The 100,s By Michael H.Hart) کس طرح ایک انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی تھی 4 انجیلوں میں تبدیل ہو گئی؟ کس طرح لوگوں کو معاف کرنے کا اختیار اللہ سے

Marfat.com

پادریوں کی طرف منتقل کیا گیا؟ کس طرح اسلام کی علمی وروحانی تحریک، اسلامی سلطنت کی جغرافیائی سرحدوں کی توسیع پذیری میں بدل گئی؟ کس طرح اسلام فرقہ واریت اور گروہی اختلافات کا شکار ہوگیا؟ کس طرح اسلام کی روحانی حکومت کا تصور بنوامیہ اور بنوعباس کے خلفاء نے ملوکیت میں تبدیل کر دیا؟ کس طرح اسلام کا ایک متحرک نظریہ حیات چند بے جان رسومات میں بدل گیا۔ جن کا مسلمانوں کی زندگی پر کوئی خاطر خواہ اثر نہیں ہے۔ لہٰذا اگر ہم ان تین بڑے مذاہب کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہم مذہب کے بارے میں زیادہ حقیقت پر مبنی تصور قائم کر سکتے ہیں۔ زیادہ قرین عقل نظریہ یہ ہے کہ دنیا میں دو قسم کے مذاہب ہیں۔ اللہ کے عطا کردہ مذاہب اور انسانوں کے بنائے ہوئے مذاہب (God made & Man made) انسانوں کے بنائے ہوئے مذاہب، رسومات، توہمات جادو، اصنام شبیہ پرستی اور خرافات وغیرہ سے پر ہیں جب کہ اللہ کے بنائے ہوئے مذاہب انسانیت کی انسانوں کے بنائے ہوئے مذاہب سے آزادی کے لئے تھے۔ انسانی مذاہب کی تاریخ میں ہم مسلسل اس بات کا مطالعہ کرتے ہیں کہ انسان کے بنائے ہوئے مذاہب نے انسانوں کی زندگی اجیرن بنادی ہوتی تھی اور پھر ان انسانوں کے بنائے ہوئے مذہب سے انسانیت کو چھٹکارا دلانے کے لئے اللہ کا ایک پیغمبر ایک نبی اٹھتا ہے اور لوگوں کو اللہ کا دیا ہوا مذہب عطا کرتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ اللہ کا دیا ہوا مذہب انسانی جبلتوں کے خلاف ہوتا تھا لہٰذا نبی کے وفات پا جانے کے بعد لوگ اس اصل مذہب میں پھر سے بگاڑ پیدا کر دیتے تھے۔ لہٰذا آپ کا علم بشریات (Anthropology) پر مبنی نظریہ خوف انسان کے بنائے ہوئے مذاہب کے بارے میں تو مانا جا سکتا ہے اور کسی حد تک درست ہو سکتا ہے۔ مگر اللہ کے عطا کردہ مذاہب کے بارے میں یہ نظریہ یکسر باطل ہے۔ کیونکہ ان مذاہب کے بانی یعنی انبیاء نے تو بڑے بڑے طاغوتوں اور ظالم حکمرانوں سے ٹکر لی ہے۔ اور یہ انبیاء کسی قسم کے خوف کا شکار نہ تھے۔ نمرود جیسے طاغوت کے خلاف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کھڑے ہونا، فرعون جیسے خدائی کے دعویدار کے سامنے بنی اسرائیل کی آزادی کے حق کی بات کرنا

Marfat.com

کسی خوف کا نتیجہ نہیں ہوسکتا۔لیکن اگر آپ خدا کی موجودگی کا انکار کردیں۔تو پھر بھی آپ کا نظریہ غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس وقت دنیا کے تین بڑے مذاہب یہودیت، عیسائیت اور اسلام آپ کے اس نظریے کو باطل کر دیتے ہیں۔اور ہمارے پاس جو سب سے زیادہ قابل اعتماد معلومات ہیں وہ انہی تین مذاہب کے بارے میں ہیں۔ اگر ہم مسلمانوں کی الہامی کتاب القرآن کا مطالعہ کریں تو قرآن ہمیں یہی نظریہ مذاہب کے بارے میں دیتا ہے کہ انسان کے بنائے ہوئے مذاہب اور اللہ کے عطا کردہ مذاہب کے درمیان ابتدا سے ہی کشمکش جاری ہے۔ اور اس کو قرآن حق (Haque) اور باطل (Baatil) کی جنگ قرار دیتا ہے۔شاید یہی وجہ تھی کہ ول ڈیورینٹ نے اپنی کتاب لذات فلسفہ (Pleasure of Philosophy) میں مذہب کی تخلیق کے بارے میں جو مناظرہ لکھا ہے اس میں ویل ڈیورینٹ نے اسلام کا نمائندہ نہیں بٹھایا۔کیونکہ قرآن کی موجودگی میں یہ نفسیات، عمرانیات، بشریات اور تاریخ پر مبنی نظریات ثابت نہیں کیے جاسکتے تھے۔قرآن کی موجودگی میں وحی سے انکار (ڈی ازم Deism) کا نظریہ ثابت نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے بڑی ہوشیاری سے مذہب کے بارے میں اس مناظرے (Dialogue) سے اسلام کے نمائندے کو باہر ہی رکھا۔یعنی ول ڈیورینٹ فلسفہ کی لذت کے مزے لوٹنا چاہتا تھا۔ اور حقیقت کی تلاش نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جب کہ حقیقت کی لذت فلسفے کی لذت سے کئی گنا زیادہ ہے۔لہٰذا ایک سائنسی طریقہ کار یہ ہوگا۔کہ ہم ان تین نئے مذاہب یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے بارے میں حقائق کو جمع کریں۔اور پھر ان حقائق کی بنیاد پر مذہب کی حقانیت اور اصلیت کے بارے میں ایک سائنسی نظریہ قائم کریں۔ ورنہ تو علم بشریات (Anthropology) کے حوالے سے پیش کیا گیا یہ نظریہ سیاسیات کے عمرانی معاہدے (Social Contract) والے نظریے کی طرح ہے۔ جو ریاست کے وجود میں آنے کے بارے میں تھامس ہابس، جان لاک اور جے جے روسو نے پیش کیا تھا۔یہ عمرانی معاہدہ ایک فرضی اور تصوراتی معاہدہ تھا جس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے۔اور

Marfat.com

نہ ہی کوئی عقلی شواہد موجود ہیں۔ اس پر مزید میں یہ بات کہنا چاہوں گا کہ بعض اوقات وہ نظریات جوٹھوس مشاہدات پر مبنی ہوں وہ بھی غلط ہو سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر دو بندے جو ایک سیب کے درخت سے گرنے کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور وہ سیب کے گرنے کے بارے میں اپنا اپنا نظریہ پیش کرتے ہیں۔ ایک بندہ کہتا ہے کہ یہ سیب کی فطرت ہے کہ جب بھی وہ درخت سے علیحدہ ہوتا ہے یا شاخ سے ٹوٹتا ہے زمین کی طرف گرتا ہے۔ دوسرا شخص کہتا ہے کہ زمین میں ایک قوت کشش پائی جاتی ہے جو سیب کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ دونوں نظریات مشاہدے پر مبنی ہیں اور تجربے کی کسوٹی پر پرکھے جا سکتے ہیں مگر دونوں میں سے ایک نظریہ ٹھیک ہے اور دوسرا غلط۔ لہٰذا مذہب کے بارے میں ایک حقیقت پسندانہ نظریہ قائم کرنے کے لئے دنیا کے تین بڑے قریب ترین مذاہب کا مطالعہ کرنا پڑے گا۔ اسی طرح انسان کے بنائے ہوئے مذاہب اور اللہ کے عطا کیے ہوئے مذاہب کا فرق بھی ملحوظ خاطر رکھنا پڑے گا۔ کیونکہ اگر مظاہر فطرت کا خوف ہی مذہب کی بنیاد تھا تو پھر موجودہ دور میں تو کوئی مذہب ہونا ہی نہیں چاہیے۔ جیسا کہ ایستھر (Esther) ایک یہودی عورت یہودیت کے بارے میں کہتی ہے کہ

یہودیت جیسے عظیم مذہب کی ابتدا ایسی مظاہر پرستی (Animism) اور توہمات سے ہوئی جیسا کہ سر جیمز نے اس کے بارے میں بیان کیا ہے۔ ابتدائی یہودی جیسا کہ ہم جانتے ہیں پہاڑوں (Rocks) مویشیوں (Cattles) بھیڑ بکریوں (Sheeps) اور غاروں اور کنوؤں کی روحوں کی پرستش کرتے تھے۔ یہ عضو پرستی (Fetiches) اور گھروں میں رکھے ہوئے بتوں ٹیرافم (Teraphim) کی پرستش کو مقدس سمجھتے تھے جیسا کہ رومی لوگوں کے گھریلو بت لیرس (Lares) تھے۔ اس طرح یہ جادو وغیرہ بھی کرتے تھے۔ اسی طرح پانسوں کو جو ایک صندوق میں پڑے ہوتے تھے ہلا کر خدا کی مرضی معلوم کی جاتی تھی"۔ اسی طرح اسلام سے پہلے عرب لوگ بھی بتوں کی پرستش کرتے تھے اور کئی باطل اور بیوقوفانہ نظریات کے حامل تھے۔ حتیٰ کہ ایک قبیلہ تو اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتا تھا۔ مگر جب

Marfat.com

سچا مذہب اسلام آیا تو چیزیں بدل گئیں خیالات ورسم ورواج بدل گئے۔ پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد لوگوں نے پھر قرآنی تعلیمات کو اپنی خواہشات کے مطابق ڈھالنا شروع کر دیا۔ حالانکہ ایسی ایسی روایات بنائیں کہ جن سے اپنے نبی کی شان بھی کم کی اور نبی کی شخصیت کو قابل اعتراض بنا دیا۔ جب کہ دوسرے مذاہب کے لوگوں نے اپنے انبیاء کی شان بڑھا کر اتنا غلو کیا کہ ان کو خدائی کا یا دیوتا کا درجہ دے دیا۔ لہٰذا نتیجتاً ہم یہ پورے وثوق اور یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کے عطا کردہ مذاہب (God made religions) نے ہمیشہ انسانیت کو جاہلانہ رسوم ورواج اور خرافات سے آزادی دلوائی ہے۔ ظالموں کے ظلم سے انہیں نجات دلوائی ہے جب کہ انسان کے خودساختہ مذاہب نے انسان کی تذلیل کی ہے۔ اور انسان کو عظیم انسانیت کے مقام سے گرا کر مظاہر پرستی، شبیہ پرستی اور پتھروں کے صنم کے سامنے سجدہ ریز کیا ہے۔

Marfat.com

چوتھی نشست

ذراتی طبیعات (Particles physics) سے دلیل

فہیم: کیا آپ مجھے مادے کے حتمی اجزاء یا ذرات کے بارے میں جدید تحقیق کے حوالے سے کچھ بتانا پسند کریں گے۔

دھریہ: میں آپ کو اس موضوع پر جدید معلومات مشہور کتاب ''بریف ہسٹری آف ٹائم'' سے پیش کروں گا جو انگلینڈ کے مشہور اور نوبل انعام یافتہ طبیعات دان (Physicist) سٹیفن ڈبلیو ہاکنگ نے لکھی ہے۔

(۱) 1911 میں برطانیہ کے طبیعات دان ارنسٹ ردرفورڈ (Earnest Rutherford) نے یہ ثابت کر دیا کہ ایٹم کے اندر بھی اجزاء موجود ہیں۔ ایٹم کے اندر مثبت چارج والا نیوکلیئس یا مرکزہ پایا جاتا ہے۔ جس کے گرد منفی چارج والے الیکٹران گھومتے رہتے ہیں۔

(۲) 1932ء میں ردرفورڈ کے ایک ساتھی نے کیمبرج یونیورسٹی میں یہ دریافت کیا کہ نیوکلیئس کے اندر بھی کچھ ذرات (Particles) موجود ہوتے ہیں۔ جن کو نیوٹران کہتے ہیں۔ ان کی کمیت اتنی ہی ہوتی ہے جتنی پروٹون کی مگر ان پر کوئی برقی چارج نہیں ہوتا۔ یہ دریافت کرنے والا جیمس چاڈوک (James Chadwick) تھا۔

(صفحہ 68 بریف ہسٹری آف ٹائم)

(۳) پروٹون اور نیوٹرون کو بنیادی ذرات سمجھا جاتا تھا مگر تجربات سے یہ ظاہر ہوا کہ یہ بھی مزید چھوٹے چھوٹے ذرات سے مل کر بنے ہیں۔ ان ذرات کا نام کوارک (Quarks) رکھا گیا۔ ان کو دریافت کرنے والا مورے گیل مین (Murray Gell-Man) تھا۔ جس کو 1969ء میں نوبل انعام ملا۔ اس کوارکس (Quarks) کی مختلف قسمیں ہیں۔ اس کی چھ اقسام تصور کی جاتی ہیں جن کو ''اپ'' ''ڈاؤن'' ''سٹرینج'' ''چارمڈ'' باٹم اور ٹاپ کا

Marfat.com

نام دیا گیا ہے۔ان میں سے ہر ایک قسم کے تین رنگ ہیں جو کہ لال، سبز اور نیلے ہیں (یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ (Quarks) روشنی کے تموج (Wevelength) سے بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔لہٰذا ان کے رنگوں کو عام دکھائی دینے والے رنگوں کی مانند نہیں سمجھنا چاہیے۔ایک پروٹون یا نیوٹرون تین کوارکس سے مل کر بنا ہوتا ہے۔اور ہر کوارکس ایک خاص رنگ کا ہوتا ہے یعنی تین کوارکس تین رنگوں (لال، نیلا، سبز) پر مبنی ہوتے ہیں۔ایک پروٹون میں دو ''اپ'' کوارکس ہوتے ہیں اور ایک ''ڈاؤن'' کوارک ہوتا ہے۔اور نیوٹرون میں دو ''ڈاؤن'' کوارکس اور ایک ''اپ'' کوارک ہوتا ہے۔ہم کوارکس سے مختلف ذرات بنا سکتے ہیں۔ہمیں اب یہ معلوم ہو گیا ہے کہ نہ تو ایٹم اور نہ ہی ان میں پائے جانے والے پروٹون و نیوٹرون ایسے ہیں جنہیں مزید تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ چونکہ روشنی کا تموج (Wevelength) ایٹم سے زیادہ ہوتا ہے لہٰذا ہم ایٹم کو عام انداز میں دیکھ نہیں سکتے۔ ہمیں ایٹم کو دیکھنے کے لئے بہت ہی کم تموج (Wevelength) کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوانٹم میکانکس (Quantum Mechanics) ہمیں بتاتی ہے کہ تمام ذرات دراصل امواج (Waves) ہیں جیسے جیسے ذرات کی توانائی زیادہ ہوتی جاتی ہے اسی تناسب سے ان ذرات کی امواج کی طول موج (Wevelength) کم ہوتی جاتی ہے۔ان ذرات کی ایک ایک صفت کو Spin کہتے ہیں۔ایک صفر Spin والا ذرہ ایک نقطے (Dot) کی طرح ہوتا ہے۔ یہ تمام پہلوؤں سے ایک ہی طرح کا نظر آتا ہے۔اسی طرح ایک Spin (Spin-1) والا ذرہ ایک تیر کی طرح ہوتا ہے۔ یہ مختلف سمتوں سے مختلف نظر آتا ہے۔ اگر اس کو مکمل 360 ڈگری کا چکر دیا جائے تو پھر یہ اسی طرح نظر آتا ہے جیسے پہلے تھا۔اسی طرح (Spin-2) والا ذرہ دوسروں والے تیر کی طرح نظر آتا ہے۔اگر اس کو 180 ڈگری پر گھمایا جائے یا آدھا چکر دیا جائے تو یہ اسی طرح نظر آنے لگتا ہے جیسا کہ پہلے تھا۔اسی طرح زیادہ Spin رکھنے والے ذرات تھوڑا سا گھمانے سے اسی طرح دکھائی دینے لگتے ہیں جیسے پہلے تھے۔کائنات کے تمام ذرات کو دو گروہ (Groups) میں تقسیم کیا جا سکتا

Marfat.com

ہے۔آدھی (1/2)Spin کے ذرات جو کائنات کے مادہ کو بناتے ہیں اور صفر، ایک، اور دو Spin والے ذرات جو مادی ذرات کے درمیان قوتوں کی تشکیل کرتے ہیں۔ مادے کے ذرات یا 1/2 Spin والے ذرات پالی ایکس کلوژن (Paulis Exclusion Principles) کے قانون کی اطاعت کرتے ہیں یہ دریافت 1925ء میں آسٹریا کے ایک طبیعت دان وولف گینگ پالی (Wolfgang Pauli) نے کی۔اگر کائنات پالی کے ایکس کلوژن کے قانون کے بغیر پیدا کی گئی ہوتی، تو کوارکس (Quarks) علیحدہ اور واضح پروٹون اور نیوٹرون کی تشکیل نہ کرتے۔ نہ ہی یہ الیکٹران کے ساتھ مل کر علیحدہ علیحدہ ایٹموں کی تشکیل کرتے۔ یہ سارے آپس میں مدغم ہو کر ایک یک قسم (Homogensous) کا مائع مادہ بنا دیتے۔اور اس طرح یہ کائنات وجود میں نہ آسکتی۔(A brief History of time. Page: 69-72)

فہیم: آپ نے بہت اچھے طریقے سے طبیعات کی جدید تحقیق پیش کی۔اب اس تحقیق کے مطابق جو سب سے بنیادی ذرات جن سے تمام کائنات تخلیق ہوئی ہے وہ کوارکس (Quarks) ہیں۔جن کی تین قسمیں اور 6 رنگ ہیں۔اب کیا آپ مجھے یہ بتا سکتے ہیں کہ یہ کوارکس (Quarks) ٹھوس ہیں، مائع ہیں یا گیس ہیں۔

دھریہ: یہ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔کیونکہ یہ ذرات ٹھوس، مائع یا گیس کی درجہ بندی میں نہیں آ سکتے۔ہاں ان کو روشنی (Light) کے ذرات کہا جا سکتا ہے۔

فہیم: اگر یہ ذرات ٹھوس، مائع یا گیس نہیں ہے۔تو پھر ان کے ملنے سے ٹھوس، مائع، گیس کیسے وجود میں آ گئیں۔ پھر تو کائنات میں ٹھوس مائع اور گیس چیزیں ہونی ہی نہیں چاہئیں۔اگر ہم منطقی لحاظ سے دیکھیں تو دو روشنیوں کا مجموعہ روشنی ہی ہوتا ہے نہ کہ تاریکی۔ دو مائع چیزوں کو ملائیں تو مائع ہی ہوتا ہے نہ کہ ٹھوس بن جاتا ہے۔اگر آپ 2+2 ٹکڑے لوہے کے آپس میں ملائیں تو ان سے ریشم تو نہیں بن جاتا۔اگر آپ 2 +2 دانے چینی کے ملائیں تو ان سے نمک تو نہیں بن جاتا۔اگرچہ منطقی لحاظ سے تو یہ نہیں ہو سکتا۔مگر ہم کائنات

Marfat.com

میں ٹھوس، مائع، گیس، ریشم اور ہر طرح کی چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ آخر یہ ایسا کیوں ہے؟ سوڈیم ایک دھات ہے اور کلورین ایک زہریلی گیس ہے۔ مگر جب دونوں ملتے ہیں تو سوڈیم کلورائیڈ یا نمک بناتے ہیں جو انسان کے لئے نہایت مفید اور حیات بخش چیز ہے۔ اور دنیا میں سب سے زیادہ کھانوں میں استعمال ہوتا ہے۔ آخر ان دو چیزوں کا نتیجہ نمک کیوں ہے جب کہ منطقی لحاظ سے ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ یا نہیں ہوسکتا۔ کیا آپ اس کا کوئی منطقی جواز پیش کر سکتے ہیں؟

دھریہ: اس کے لئے منطقی جواز تو کوئی میرے ذہن میں نہیں آ رہا۔ مگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مادہ اسی طرح (Behave) عمل کرتا ہے؟

فہیم: یہی تو سوال ہے کہ مادہ کیوں اس طرح عمل (Behave) کرتا ہے۔ کہ دو نقصان دہ چیزوں کو ملا کر ایک حیات بخش چیز بنا دیتا ہے۔ اس کا ایک ہی منطقی جواب ہے جو مذہب کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے۔ کہ خدا نے اس کو اسی طرح حکم دیا ہے۔ اور اللہ کی مرضی یہی ہے جس کو یہ اطاعت کرتا ہے ورنہ میکانکی لحاظ سے اس کے لئے کوئی منطقی جواز نہیں دیا جا سکتا۔ اسی طرح ہائیڈروجن ایک ایسی گیس جو دھماکے سے جلتی ہے۔ اور آکسیجن ایک ایسی گیس جو جلنے میں مدد دیتی ہے۔ اور ان دونوں کے ملنے سے پانی بنتا ہے جو آگ بجھاتا ہے۔ آخر دو گیسوں کے ملنے سے گیس کیوں نہیں بنتی۔ اور دو جلنے والی چیزوں سے آگ بجھانے والی چیز کیوں بن جاتی ہے۔ منطق اور عل اس کے لئے کوئی دلیل اور جواز پیش نہیں کر سکتی۔ اگر میکانکی حوالے سے دیکھا جائے۔ مذہب کی منطق یہاں آ کر فیل نہیں ہوتی۔ مذہب کی منطق یہ کہتی ہے کہ اس کی تقدیر خدا نے یہی بنائی ہے اور اس نے ان چیزوں کو ایسا ہی حکم دیا ہوا ہے کہ آپ نے یہ چیز بنانی ہے تا کہ تم میرے وجود کی ایک نشانی انسان کے لئے بن سکو۔ اسی طرح منطقی حوالے سے دیکھا جائے تو یہ گتھی سلجھتی نہیں کہ آخر سبزے کا تعلق پانی سے کیوں ہے۔ بغیر پانی کے ہریالی کیوں نہیں ہوتی؟ اگر ہم اس کارخانہ فطرت کو ایک میکانکی سلسلہ سمجھیں تو پھر یہ تمام مظاہر کی عقلی اور منطقی توجیح نہیں پیش کی جا

Marfat.com

سکتی۔ لہٰذا ماننا پڑتا ہے کہ اس کارخانے میں ایک شعور ایک ہستی کی مرضی اور ارادہ کارفرما ہے۔ تو کیا آپ اس سے متفق ہیں کہ فطرت ایک شعور رکھتی ہے اور ایک ہستی رکھتی ہے۔

دھریہ: نہیں میں اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ کیونکہ ہمیں مادے میں یہ صفات نظر نہیں آتیں۔ اور ان کو تجربات کے ذریعے ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ ''جمود'' (Inertia) مادے کی ایک صفت ہے جس کو ہم مشاہدہ بھی کرتے ہیں اور اس کو تجربات کے ذریعے ثابت بھی کیا جاسکتا ہے۔

فہیم: یہاں پر بھی ہمیں میکانکی تصور میں عقلی و منطقی تضاد نظر آتا ہے جس کی توجیح نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ جب ہم مادے کے ذرات کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ مردہ، جمود زدہ اور میکانکی زدہ نظر آتے ہیں۔ مگر جب ہم اس کو کائناتی نظام اور عمل تخلیق کے حوالے سے دیکھتے ہیں تو ہمیں اس میں شعور، ارادہ اور ایک ہستی کارفرما نظر آتی ہے۔ اور یہ کائنات ایک زندہ کائنات نظر آتی ہے۔ اس تضاد کو ہم ایک سپر کمپیوٹر کی مثال سے سمجھ سکتے ہیں۔ اگر آپ کمپیوٹر کے انفرادی حصوں کا مطالعہ کریں گے تو یہ آپ کو ایک میکانکی تصور پیش کرے گا۔ کیونکہ کمپیوٹر کے انفرادی پرزہ جات اور حصے تو اس قابل نہیں ہیں کہ وہ پیچیدہ قسم کے حساب کتاب کرسکیں۔ اسی طرح معلومات کا منطقی تجزیہ کرکے آپ کو حل پیش کرسکیں۔ مختلف شماریاتی معلومات کو ایک منطقی ترتیب دے سکیں۔ یا آپ کے احکام کو سمجھ کر ان پر عمل کرسکیں۔ لہٰذا ذرات (Particle) کی سطح پر یا جزوی (Partial) سطح پر کمپیوٹر ایک میکانکی مشین کا ہی تصور دیتا ہے۔ لیکن ایک نظامی سطح (Systemic Level) پر کمپیوٹر ایک شعور رکھتا ہے ایک شخصیت (Personality) رکھتا ہے۔ جو آپ کے احکامات کو سمجھتا ہے اور ان کا جواب دیتا ہے۔ لہٰذا ہمیں یہ نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ کسی صاحب شعور، ارادہ اور باعقل ہستی نے کمپیوٹر کے ان مختلف مردہ حصوں کو ایک مربوط اور معقول نظام کے تحت اس طرح اکٹھا کیا ہے کہ اس میں ایک خاص سطح کا عقل شعور اور ارادہ پیدا ہوگیا ہے۔ لہٰذا اگر آپ اس کرۂ ارض سے باہر دور خلاء میں چلے جائیں اور اس کا مشاہدہ کریں تو یہ ایک سپر کمپیوٹر ہی کی طرح

Marfat.com

کام کر رہا ہے۔ اس میں بارش، بادل، ہوا، پہاڑ، ماحولیات، مقناطیسیت، شماریات، موسموں، تخریب وتعمیر اور تخلیق کا ایک زبردست اور محیر العقول نظام قائم ہے۔ لہٰذا اگر آپ کا بنایا ہوا سپر کمپیوٹر قانون اتفاق کے تحت وجود میں نہیں آ سکتا تو زمین کا سپر کمپیوٹر تو انسانی کمپیوٹر سے بہت زیادہ پیچیدہ، مربوط اور محیر العقول صفات کا حامل ہے۔ لہٰذا یہ بھی قانون اتفاق کے تحت وجود میں نہیں آ سکتا۔ جس طرح انسانی کمپیوٹر کو دیکھ کر یہ نتیجہ اخذ کرنا پڑتا ہے کہ اس کو کسی ایسے سائنس دان نے بنایا ہے جو صاحب علم وحکمت صاحب شعور وصاحب ارادہ ہستی رکھتا تھا۔ اسی طرح زمین یا کرۂ ارض کے کمپیوٹر کو بھی دیکھ کر یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اس کو بنانے والا صاحب علم وحکمت، صاحب شعور وارادہ ہستی ہے۔ اگرچہ ہم بنانے والے کے بارے میں زیادہ تفصیلات نہ جانتے ہوں مگر کمپیوٹر کو دیکھ کر ہم اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ اس کو بنانے والا صاحب ارادہ، صاحب شعور اور صاحب علم ہستی ہے۔ اسی طرح اس کرۂ ارض اور کائنات کے سپر سپر کمپیوٹر سے ہم بڑی آسانی سے اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ اس کو بنانے والا ارادہ رکھتا ہے، علم وشعور رکھتا ہے۔ فزکس، کیمسٹری، بیالوجی، باٹنی، زوالوجی، مقناطیست، گریوٹی، بائیو کیمسٹری، الیکٹریکل ومکینیکل انجینئرنگ جنیٹک انجینئرنگ، بصریات (Optronics) وغیرہ کا تفصیلی اور گہرا علم رکھتا ہے۔ تبھی تو اس نے ان چیزوں کے بارے میں اپنے کمپیوٹر میں سوفٹ ویئر پروگرام بھرا ہوا ہے۔ ان تمام علوم پر مکمل دسترس کے بغیر کرۂ ارض کا سپر کمپیوٹر وجود میں نہیں آ سکتا۔ لہٰذا بنانے والے کو ان تمام علوم کا علم بنانے سے پہلے ہونا ضروری ہے۔ نہ تو قانون اتفاق کے پاس یہ تمام علوم موجود ہیں اور نہ ہی مردہ مادہ کے پاس جو جمود زدہ ہے۔ لہٰذا ماننا پڑتا ہے کہ بنانے والا ایک صاحب شعور، صاحب ارادہ اور علم وحکمت رکھنے والی ہستی ہے۔ میکانکی تصور حیات کے ذریعے کرۂ ارض کے سپر کمپیوٹر کی کوئی توجیح نہیں پیش کی جا سکتی۔ جیسا کہ اقبال فرماتے ہیں۔

"حیات ایک منفرد مظہر ہے۔ اور ایک مشین ہونے کا نظریہ اس کی توجیح کے لئے ناکافی ہے۔ اس کی "حقیقی اکائی" ایک ایسی اکائی ہے جس میں ایک

Marfat.com

دوسرے پہلو سے دیکھا جائے تو اجتماعیت بھی ہے۔ ارتقاء اور ماحول سے سازگاری کے تمام بامقصد مراحل ہیں، چاہے یہ مراحل پرانی عادت کی اصلاح یا نئی عادات کی تخلیق سے متعلق ہو، یہ سارا ارتقائی عمل اپنے اندر ایک تصور ارتقاء(Concept) رکھتا ہے۔ جو ایک مشین کیلئے سوچا بھی نہیں جا سکتا"۔

(Reconstruction of Riligious Thoughts by Iqbal. Page: 35)

کیا انسانی شعور حیاتیاتی ارتقاء کا نتیجہ ہے؟

دھریہ: انسانی شعور تو طویل حیاتیاتی ارتقاء کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ جب سب سے پہلا یک خلوی جاندار وجود میں آیا قانون اتفاق کے تحت تو یہ ایک مشین کی طرح تھا۔ اور اس میں کوئی شعور نہیں تھا۔ ایک سائنسدان ملر نے تجربے کے ذریعے ثابت کیا تھا کہ خاص قسم کے ماحول میں اگر غیر نامیاتی (Inorgamic) مرکبات پر بالائے بنفشی (Ultra violet) شعاعوں کی بوچھاڑ کی جائے۔ تو یہ امینو ایسڈز کے مالیکیولز میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ جو کہ نامیاتی مرکبات ہیں اور زندہ اشیاء میں پائے جاتے ہیں۔ کرۂ ارض پر ابتداء میں جو حالات و ماحول تھا۔ ملر نے وہ لیبارٹری میں پیدا کیا۔ اور اس طرح ثابت کیا کہ غیر نامیاتی مرکبات ایک خاص ماحول میں نامیاتی مرکبات میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اسی طرح قانون اتفاق کے تحت ایک یک خلوی جاندار تخلیق ہو گیا۔ پھر یہ جاندار ماحول سے سازگاری کی صفت کا حامل تھا۔ لہٰذا ایک ارتقائی عمل شروع ہو گیا۔ اور حیات مختلف قالبوں میں ڈھلتی رہی حتی کہ آخر کار انسان کا قالب تیار ہو گیا۔ جس میں شعور کی تخلیق ہوئی۔ لہٰذا شعور تو ایک طویل حیاتیاتی ارتقاء کا نتیجہ ہے۔

فہیم: آپ کے تبصرے کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلی بات کہ انسانی شعور حیاتیاتی ارتقا کا نتیجہ ہے۔ دوسرا حصہ ارتقاء کا عمل بذات خود ہے۔ اور تیسرا حصہ ایک یک خلوی جاندار کی غیر نامیاتی مرکبات سے تخلیق، جس کو ملر نے تجربہ کر کے ثابت کیا۔ اور امینو

Marfat.com

ایسڈز بنائے۔اب میں ان حصوں کا جواب الٹی ترتیب سے دوں گا۔

(۱) ملر کے تجربے نے حیات کو تخلیق نہیں کیا بلکہ ملر نے تو امینو ایسڈز تخلیق کیے جو زندہ یا جاندار اشیاء میں پائے جاتے ہیں۔لہٰذا آپ کی دلیل کمزور ہے۔کیونکہ ایک امینو ایسڈ اور ایک زندہ خلیے میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

(۲) ملر کا تجربہ حیات کے بارے میں ''اے بائیوجینسز''(Abiogenesis) کا نظریہ پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے جب کہ جدید علم حیاتیات نے اس قدیم اے بائیوجینسز (غیر جاندار سے جاندار کا پیدا ہونا) کے نظریے کو رد کر دیا ہوا ہے۔کیونکہ جدید علم حیاتیات کے تمام تر مشاہدات اس کے خلاف ہیں۔جدید علم حیاتیات ''بائیوجینسز''(Biogenesis) کے نظریے کا قائل ہے۔اے بائیوجینسیز کے لئے ہمارے پاس کوئی ایک ثبوت بھی نہیں ہے۔لوئی پاسچر سائنس دان نے جو تجربہ کیا تھا وہ سات سال (1862 سے 1869) پر محیط تھا۔یہ تجربہ اس خیال ونظریے کی تردید کرتا ہے کہ یک خلوی جاندار (Protozoa) غیر نامیاتی مرکبات سے تخلیق ہو سکتے ہیں۔اور موجودہ سائنس سر ولیم ہاروے کے اس قول کو بار بار دھراتی ہے کہ

''ہر انڈہ ایک انڈے سے پیدا ہوتا ہے، ہر خلیہ ایک خلیے سے پیدا ہوتا ہے ہر جاندار ایک زندہ چیز سے ہی پیدا ہوتا ہے''۔

جے ایس ہالڈین کہتا ہے کہ اس چیز کا بعید سے بعید امکان بھی نہیں کہ ایک زندہ جاندار بے جان سے پیدا ہو سکتا ہے یا بے جان مادے سے جاندار اور مادہ تخلیق ہو سکتا ہے''

اسی طرح گستاؤ بونیئر (Gustav Bonnier) کہتا ہے کہ

موجودہ سائنس کی صورت میں یہ کیسے امید کی جا سکتی ہے کہ ایک زندہ جاندار مادہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔جب ہم یہ سوچتے ہیں کہ ایک زندہ پروٹو پلازم میں کتنی ہی زندہ صفات و عوامل ہوتے ہیں۔کتنی ہی وراثت (Heredity) کے عوامل ہوتے ہیں۔اور کتنا ہی پیچیدہ مستقبل کا امکان ونظام ہوتا ہے۔اور یہ سب کچھ صرف پروٹو پلازم کے ایک حقیر سے

Marfat.com

حصے(Fragment)میں ہوتا ہے۔

(Pleasure of philosophy. Page: 44)

لہٰذا جدید علم حیاتیات اے بائیوجینسیز کے نظریے کو رد کرتا ہے۔اور ملر کا تجربہ بھی اے بائیوجینسیز کا ہی ثبوت ہے کیونکہ اس میں ایک زندہ جاندار خلیہ وجود میں نہیں آیا۔ بلکہ جاندار اشیاء میں پایا جانے والا مرکب وجود میں آیا۔

(۳) ملر کے تجربے کو جب دہریے لوگ پیش کرتے ہیں۔تو وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ملر کے تجربے میں ملر جیسے عظیم سائنسدان کا شعور کارفرما تھا۔اگر چہ وہ ظاہر بیں نگاہوں کو نظر نہیں آتا۔مگر بنظر غائر دیکھا جائے۔تو وہ سارا تجربہ ملر کے شعور(Conciousness) کی وجہ سے ہی تو ممکن ہوا۔اگر اس تجربے میں ملر کا شعور کارفرما نہ ہوتا۔تو نہ تو لیبارٹری میں وہ زمین کے ابتدائی حالات پیدا ہو سکتے تھے۔اور نہ ہی وہ خاص قسم کے غیر نامیاتی مرکبات ادھر لیبارٹری میں آسکتے تھے۔نہ ہی ان پر بالا بنفشی شعاعوں کی بوچھاڑ (Bombardment) ہو سکتی تھی۔اور نہ ہی وہ خاص امینو ایسڈز کے مرکبات تیار ہو سکتے تھے۔یہ کسی قانون اتفاق کے ذریعے تخلیق نہیں ہو سکتے۔ یہ سب کچھ ملر کے عظیم شعور کی وجہ سے ممکن ہوا۔ جو اس تجربے میں شروع سے آخر تک پردے کے پیچھے سے کارفرما رہا ہے۔لہٰذا یہ انسانی تجربات کا غیر متزلزل قانون ہے جس میں کوئی استثناء نہیں، کہ انسانی دنیا میں کوئی ایجاد، تخلیق یا تعمیر کا عمل بغیر شعور کی کارفرمائی کے وجود میں نہیں آسکتا۔ایک عام سادہ سوئی سے لے کر سپر کمپیوٹر کی ایجاد تک کوئی چیز بھی انسانی شعور کے بغیر ایجاد نہیں ہو سکتی تھی۔کوئی قانون اتفاق ایک سادہ سی سوئی کو بھی تخلیق نہیں کر سکتا۔سپر کمپیوٹر تو بہت دور کی بات ہے۔ مادے میں ماحول سے سازگاری، انتخاب، حرکت، تخلیق، سمجھ بوجھ، علم اور شعور کی صفات موجود نہیں ہیں۔ ہمیں کائنات میں پائے جانے والے مادے میں یہ صفات نظر نہیں آتیں۔پھر آخر اس بے شعور، جمود زدہ مادے کو حیات کے عظیم اصول کا علم کیسے حاصل ہوا۔اور نہ صرف علم حاصل ہوا۔ بلکہ اس نے تو اصول حیات جاننے کے بعد اس پر عملی تجربات کر کے حیات کی لاکھوں

Marfat.com

اقسام بھی تخلیق کرلیں۔اور لاکھوں بے جان چیزیں بھی تخلیق کیں۔لیکن یہی مادہ جب اپنی ترقی کی انتہا انسان پر پہنچتا ہے۔تو حضرت انسان تمام تر علم وشعور کے باوجود صرف ایک یک خلوی جاندار تخلیق نہیں کرسکتا۔لہٰذا یہ ایک بہت بڑا منطقی وعقلی تضاد ہے جس کا جواب میکانکی تصور کائنات میں نہیں ہے۔لہٰذا ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس مادیت کے پردے کے پیچھے ایک کائناتی شعور کارفرما ہے۔جو کہ حیات کا اصل قانون ہے اور ہستی ووجود کا اصل خزانہ ہے۔یہی کائناتی شعور کائنات کے تمام عوامل کو ظہور میں لاتا ہے۔اور ہر قسم کی حیات کو وہی تخلیق کرتا ہے۔اسی کائناتی شعور کو مذہب کی زبان میں خدا کہتے ہیں۔اب یہ کائناتی شعور کیا ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ کیوں ہے؟ کیسے ہے؟علم کی موجودہ سطح پر ہم یہ نہیں جان سکتے۔کائناتی شعور تو دور کی بات ہے ہم تو اپنے علم کی موجودہ سطح پر انسانی شعور کی حقیقت کو بھی نہیں سمجھ سکتے۔آخر انسانی شعور میں یہ تجسس علم کیسے پیدا ہوتا ہے؟ انسانی شعور میں مختلف خیالات کیسے پیدا ہوتے ہیں؟ خیالات اور ارادے کی کیمیائی حقیقت کیا ہے؟ کیا خیالات اور ارادہ مادی ہیں یا ماوراء مادہ ہیں؟ آخر یہ شعور چیزوں کو کیسے سمجھ لیتا ہے اور کیوں سمجھ لیتا ہے؟ لہٰذا ان سوالات کے جوابات علم کی موجودہ سطح پر نہیں دیئے جاسکتے۔شعور کی ماہیت اور حقیقت کو ابھی تک نہیں سمجھا جاسکا۔ہم انسانی دنیا میں کوئی بھی ایسی ایجاد، تخلیق یا تعمیر نہیں دیکھتے جہاں شعور کارفرما نہ ہو۔اور قانون اتفاق کے تحت کوئی چیز وجود میں آگئی ہو۔ایک سادہ سی سوئی بھی قانون اتفاق کے تحت وجود میں نہیں آسکتی۔اگر آپ ایک غیر بنی ہوئی کرسی کے پاس بننے والی کین یا ڈوری رکھ دیں۔تو کروڑوں سال گزرنے کے باوجود بھی قانون اتفاق کے تحت وہ کرسی نہیں بنی جائے گی۔تو جب ایک کرسی قانون اتفاق کے تحت نہیں بنی جاسکتی۔تو پھر امینو ایسڈز کا ایک پیچیدہ نظام جس سے حیات تخلیق ہو جائے کیسے وجود میں آسکتا ہے۔

(۲) اب ہم آپ کے تبصرے کے دوسرے حصے کو لیتے ہیں جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ انسانی شعور تو کروڑوں سال کے حیاتیاتی ارتقاء کا نتیجہ ہے۔اس کا جواب دو پہلوؤں سے دیا

Marfat.com

جاسکتا ہے۔ پہلا پہلو یہ ہے کہ انسانی شعور حیاتیاتی ارتقاء کا نتیجہ نہیں ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ انسانی شعور حیاتیاتی ارتقاء کا ماحاصل ہے تو پھر بھی ہمیں ایک کائناتی شعور کا وجود تسلیم کرنا پڑتا ہے جو بڑے دھماکے (Big Bang) سے ستاروں اور کہکشاؤں کے ارتقاء کو ایک خاص سمت میں حرکت (Direct) دے۔ تاکہ زمین پر ایک حیاتیاتی خلیہ وجود میں آسکے۔ اور اس کے بعد حیاتیاتی ارتقاء کی بھی دیکھ بھال کرتا رہے حتی کہ حضرت انسان پیدا ہوجائے۔ دونوں صورتوں میں ایک کائناتی شعور کا وجود لازمی ہے۔

اب میں پہلے پہلو سے آپ کے سوال کا جواب دوں گا۔ یعنی یہ کہ انسانی شعور حیاتیاتی ارتقاء کی پیداوار نہیں ہے۔ کیونکہ جانوروں میں علم کی کئی ایسی شاخیں ہیں جو اس نوع میں موروثی طور پر چلتی ہیں۔ لیکن انسان میں علم کی وہ شاخ نہیں پائی جاتی۔ مثلاً ہم شہد کی مکھیوں اور چیونٹیوں کے بارے میں جانتے ہیں کہ وہ ایک نہایت مضبوط (Disciplined) اور مربوط (Coordinated) نظام کے تحت اپنی زندگی بسر کرتی ہیں۔ اور ان کا ایک پورا ریاستی نظام ہوتا ہے۔ یہ اپنے آپ کو ایک ریاستی نظام میں مربوط کرتی ہیں۔ جس میں یہ ریاستی قوانین کی اطاعت کرتی ہیں اور اپنی اپنی ذمہ داری کو انتہائی ایمانداری اور جانفشانی سے نبھاتی ہیں۔ مگر انسانوں کے پاس یہ ریاستی نظام کا علم موروثی طور پر موجود نہیں ہے۔ اور ریاستی نظام کے حوالے سے شہد کی مکھیاں اور چیونٹیاں ایک بلند شعور کی حامل ہیں جب کہ انسان اس معاملے میں ان سے پیچھے ہے۔ اگر انسانی شعور حیاتیاتی ارتقاء کی پیداوار ہوتا۔ تو پھر یہ ریاستی نظام کا شعور انسانوں میں موروثی طور پر موجود ہونا چاہیے تھا۔

اسی طرح کئی ایسے پرندے ہیں جو اپنے گھونسلے کا درجہ حرارت بڑی درستگی سے ماپ سکتے ہیں اور پھر اس درجہ حرارت کو انڈوں کے سینے (Hatching) کے لئے برقرار بھی رکھتے ہیں۔ مگر انسان کے پاس یہ علم موروثی طور پر موجود نہیں ہے۔ یہ پرندے اپنی چونچ سے درجہ حرارت کو ماپتے ہیں اور پروں کی ہوا اور پانی کے چھڑکنے سے درجہ حرارت کو برقرار رکھتے ہیں اسی طرح مہاجر پرندے سورج کے حوالے سے اپنی سمت (Bearing

Marfat.com

& Orientation) کو برقرار رکھتے ہیں اور اس علم کی مدد سے ہزاروں میل کا سفر کرتے ہیں۔ یہ علم انسان کے پاس موروثی طور پر موجود ہونا چاہیے تھا مگر یہ علم انسان کے پاس نہیں ہے۔ اس طرح مچھلیوں کی بعض اقسام سمندر کے کنارے چاند کی تاریخ کے حساب سے انڈے دیتی ہیں۔ وہ مدو جزر کی سب سے بڑی اور دور جانے والی موج پر سوار ہو کر ساحل پر جاتی ہیں اور تڑپ تڑپ کر انڈے دیتی ہیں اور دوسری موج کے آنے پر اس کے ساتھ چلی جاتی ہیں پھر ان انڈوں سے بچے اتنے ہی دنوں پر نکلتے ہیں جتنے دنوں کے بعد وہ موج دوبارہ آنی ہوتی ہے۔ اور یہ بچے ان موجوں پر سوار ہو کر سمندر کی وسعتوں میں چلے جاتے ہیں۔ یہ سارا حساب کتاب چاند کی تاریخوں کے مطابق ہوا ہے۔ لیکن انسان کے پاس یہ علم موروثی طور پر موجود نہیں۔ اس طرح بعض مچھیاں سمندر کی گہرائیوں میں اپنے سر پر روشنی کا بلب جلا لیتی ہیں اور اس روشنی میں اپنا راستہ دیکھ سکتی ہیں۔ مگر انسان کے پاس یہ علم موروثی طور پر موجود نہیں۔ شہد کی مکھیاں آوازوں کے ذریعے اپنی جگہ کے بارے میں سمت اور فاصلہ دور سے دوسری مکھیوں کو جو چھتے میں ہوتی ہیں ان کو بھیج سکتی ہیں۔ اسی طرح پھول کے رس سے شہد بنانے کا کیمیائی علم بھی ان کے پاس موجود ہے۔ مگر انسان اپنی تمام تر ترقی کے باوجود یہ علم موروثی طور پر نہیں رکھتا۔ یہ اور ان جیسی اور مختلف علوم کی معلومات انسان کے جینیاتی کوڈ میں موجود نہیں۔ حالانکہ انسان کا جینیاتی کوڈ حیاتیاتی طور انہیں نچلے درجے کی مخلوق سے ہی ترقی کر کے بنا ہے۔ اگر حیاتیاتی ارتقاء میکانکی قوتوں کا نتیجہ ہے تو پھر یہ ساری علم کی شاخیں انسان کے جینیاتی کوڈ میں موجود ہونی چاہیے تھیں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ انسان ان علوم کے بارے میں شعوری کوشش کر کے معلومات حاصل کرتا ہے۔ اور وہ معلومات و مہارت بھی ان جانوروں سے کم درجے کی ہوتی ہے جن کے پاس وہ علم موروثی طور پر موجود ہوتا ہے۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانی شعور حیاتیاتی ارتقا کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ اس کے ارتقاء کی تاریخ بالکل مختلف اور علیحدہ ہے۔ اور حیاتیاتی ارتقاء کے گہرے تجزیے سے یہ بات مکمل طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ انسانی شعور حیاتیاتی ارتقاء کا نتیجہ نہیں۔ کیونکہ انسانی شعور

Marfat.com

ان تمام جانوروں سے اس متعلقہ شعبے میں بہت پیچھے ہے۔ اور وہ جانور انسان سے اس خاص علم میں بہت آگے نظر آتے ہیں۔

(۳) اگر انسانی شعور حیاتیاتی ارتقاء کا نتیجہ ہے تو پھر یہ ایک 6 سالہ بچے اور 50 سالہ بوڑھے میں ایک جیسا ہونا چاہیے۔ کیونکہ آپ کے کہنے کے مطابق انسانی خلیہ پر پہنچ کر خلیہ کی کیمیائی ساخت اتنی ترقی یافتہ (Refined) ہو چکی تھی کہ اس نے شعور کو جنم دیا۔ لہٰذا اگر یہ بات ہے تو 6 سالہ بچے کے دماغ اور 50 سالہ بوڑھے کے دماغ کے خلیوں کی کیمیائی ساخت تو بالکل ایک جیسی ہے۔ تو پھر دونوں کا شعور بھی برابر ہونا چاہیے۔ کیونکہ اگر شعور اس کیمیائی ساخت کا نتیجہ ہے تو پھر 6 سالہ بچے اور 50 سالہ بوڑھے کا شعور برابر ہونا چاہیے مگر ایسا نہیں ہے۔ ہم اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ انسانی شعور مشاہدے، تجربے اور علم سے نشوونما پاتا ہے اور ترقی کرتا ہے۔ اور اس کی نشوونما اور ترقی کے قوانین مختلف ہیں۔

اگر آپ کسی مردہ بندے کے دماغ کے خلیوں کی کیمیائی ساخت کا مطالعہ کریں تو وہ بالکل اسی طرح ہی ہوتی ہے جیسا کہ زندہ انسان کے خلیوں کی کیمیائی ساخت ہوی ہے۔ مگر اس میں کوئی شعور موجود نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شعور بنیادی و جوہری لحاظ سے مختلف ہے۔ اور اس کا تعلق زندگی یا حیات سے ہے۔ یہ صرف مادے کے ذریعہ اپنا اظہار کرتا ہے۔ لہٰذا مادہ شعور کا آلہ کار ہے۔ مثال کے طور پر جس طرح آٹو موبیل انجینئر کا شعور اپنا اظہار ایک موٹر کار کی صورت میں کرتا ہے۔ اور ایک کمپیوٹر انجینئر کا شعور اپنا اظہار ایک مادی کمپیوٹر کے ذریعے کرتا ہے اسی طرح انسانی شعور اپنا اظہار انسان کے مادی جسم کے ذریعے کرتا ہے۔ اور انسانی جسم اس شعور کا آلہ کار ہوتا ہے۔

(۴) ہم دیکھتے ہیں کہ بعض افراد میں مستقبل بینی کا شعور (Cognitive Conciousness) ہوتا ہے۔ اور وہ لوگ مستقبل میں آنے والے وقت کو دیکھ سکتے ہیں۔ اگر انسانی شعور انہی پانچ ''حواس خمسہ'' کا نتیجہ ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان مستقبل کو دیکھ لیتا ہے۔ کیونکہ حواس خمسہ میں سے کوئی بھی مستقبل کو نہیں دیکھ سکتا۔ مادی نقطہ نظر سے تو انسانی شعور ان

Marfat.com

تجربات ومشاہدات کا نچوڑ ہوتا ہے جوان حواس خمسہ کے ذریعے انسان حاصل کرتا ہے۔ اوراگر انسانی شعورانہی حواس خمسہ سے حاصل کردہ معلومات پر مبنی ہوتا ہے۔تو پھرانسان میں مستقبل بینی کی قوت ہونی ہی نہیں چاہیے۔تقریباًہر دوسرے تیسرے بندے کوزندگی میں دوتین بار مستقبل کے بارے میں صحیح خواب آتے ہیں۔اسی طرح دنیامیں کئی ایسے لوگ پہلے بھی تھے اوراب بھی موجود ہیں جن میں مستقبل بینی کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ان میں نیسٹر وڈلیمس ،ڈوروتھی ایلی سن (USA) ایٹا سمتھ (USA) ایڈگر کیسے،مختلف مذاہب کے انبیاء،مسلمانوں کے کئی صوفی بزرگ وغیرہ ہیں۔لہٰذا ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ انسانی شعورحیاتیاتی ارتقاء کی پیداوارنہیں۔ بلکہ اس کا اپنا علیحدہ وجود ہے علیحدہ ابتدا ہے اس کے ارتقاء کے اصول علیحدہ ہیں۔اس کا تعلق انسانی زندگی سے ہی ہے اور یہ انسان کے مادی جسم کواپنے آلہ کار کے طور پر استعمال کرتا ہے۔

کائناتی شعور کی دلیل

اب ہم آپ کے سوال کے دوسرے پہلو کی طرف آتے ہیں کہ فرض کریں اگر ہم یہ تسلیم کربھی لیں کہ انسانی شعورحیاتیاتی ارتقاء کا نتیجہ ہے پھربھی ہمیں ایک کائناتی شعور کا وجودتسلیم کرنا پڑتا ہے جس نے اس کائنات کوتخلیق کیا اورستاروں اور کہکشاؤں کے ارتقاء زندگی کے آغاز اور پھرحیاتیاتی ارتقاء کوایک خاص سمت میں چلا کر انسانی تخلق تک پہنچایا ہے۔کیونکہ اس سارے عمل میں قدم قدم پرعلم کی گہرائی اور گیرائی کی ضرورت ہے۔اورعلم شعور سے متعلق ہے۔اورجس انسان میں شعورنہ ہووہ علم سے بے بہرہ ہوتا ہے۔

دھریہ: ستاروں اور کہکشاؤں کا ارتقاءاورحیاتیاتی ارتقاءمیکانکی طور پرفطرت کے قوانین کے مطابق رونما ہوالہٰذا ہمیں کسی شعورکو ماننے کی ضرورت نہیں۔

فہیم: ایک میکانکی نظام کوبھی وجود میں لانے کے لئے کسی اعلیٰ شعور کی ضرورت ہوتی ہے۔دنیامیں چھوٹی سے چھوٹی مشین یا میکانکی نظام سے لے کر بڑی سے بڑی مشین یا میکانکی نظام کی مثال لے لیں۔کسی بھی جگہ شعور کے بغیر میکانکی نظام وجود میں نہیں آیا۔نہ آ

Marfat.com

سکتا ہے۔

آپ کے سوال کا دوسرا جواب اس مثال کے ذریعے دینا چاہوں گا۔ کہ فرض کریں میں آپ کو کہتا ہوں کہ مسٹر جیمس 1914ء میں پیدا ہوا۔ وہ پیدائشی طور پر اندھا، گونگا اور بہرا تھا۔ اس نے کسی سے کوئی علم حاصل نہیں کیا۔ پھر بھی جب وہ 40 سال کی عمر کو پہنچا۔ اس کی زندگی میں بہت بڑا دھماکہ ہوا۔ اور اس نے اچانک دنیا کے بہترین بصری آلات (Optic instrument) دنیا کے بہترین کمپیوٹر جس میں آزاد ارادے کی صلاحیت بھی ہے اور زندگی کی لاکھوں اقسام تخلیق کیں۔ اور یہ سب کچھ اس نے صرف اپنے ہاتھ پاؤں کو بے ہنگم طور پر ہلانے کے ذریعے کیا۔ اور آج یہ ہماری دنیا کی جتنی بھی خوبصورت ترین عمارتیں ہیں یہ اسی کی تخلیق کردہ ہیں۔ کیا آپ اس رام کہانی کو مانیں گے اور تسلیم کریں گے؟

دھریہ: ظاہری بات ہے میں اس دعوے کو تسلیم نہیں کروں گا۔ کیونکہ جو بندہ پیدائشی طور پر اندھا، بہرہ اور گونگا ہے وہ کیسے اتنی عظیم ایجادات کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ حواس خمسہ کے بغیر کسی قسم کا علم حاصل نہیں کر سکتا۔ اور بغیر علم کے اس کے شعور کا ارتقاء نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا وہ کسی قسم کی تخلیق نہیں کر سکتا اور نہ ہی تخلیق کی صلاحیت رکھتا ہے۔

فہیم: آپ نے میرے دعوے کو بڑے خوبصورت انداز سے رد کر دیا۔ مگر یہ دعویٰ فی الحقیقت میرا نہیں۔ یہ دعویٰ تو تمام مادہ پرستوں اور دہریوں کا ہے۔ کیونکہ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مس نیچر (Miss Nature) نے اپنی بے ہنگم قسم کی حرکتوں سے کائنات کا پورا مربوط نظام تخلیق کر لیا۔ اور پھر اس میں حیات جیسے معجزے کو بھی وجود میں لائی۔ اور پھر حیات کی لاکھوں اقسام جو فن مصوری کا بھی بہترین نمونہ ہیں وجود میں لے آئی۔ یہ نیچر جو پیدائشی طور پر اندھی، بہری اور گونگی ہے اس نے کسی سے کوئی علم حاصل نہیں کیا۔ اس نے ایٹموں، مالیکیولز اور پیچیدہ مرکبات کو تخلیق کیا۔ پھر اس نے ستاروں اور کہکشاؤں کا ارتقاء شروع کیا۔ اور اس ارتقاء کے نتیجے میں کرۂ ارض کا سپر کمپیوٹر وجود میں لائی۔ کرۂ ارض کے کمپیوٹر کے بعد امینو ایسڈز کے پیچیدہ ترین مالیکیولز اور مرکبات بنائے۔ اس کے بعد امینو

Marfat.com

ایسڈز کے پیچیدہ مالیکیولز کی پیچیدہ ترین ترتیب کے ذریعے ڈین این اے (Deoxy Ribo Neuclic Acid) اور آر این اے (Ribo Neuclic Acid) کو تخلیق کیا۔ پھر ان DNA اور RNA کی پیچیدہ ترین ترتیب کے ذریعے حیات کی لاکھوں اقسام تخلیق کیں۔ جن میں سادہ ترین امیبا سے لے کر پیچیدہ ترین حضرت انسان تک سب شامل ہیں جس میں آزاد ارادے کی صلاحیت بھی موجود ہے۔ جس میں شعور اور تخلیق کی صلاحیت بھی موجود ہے۔ مگر یہ فطرت بیچاری خود اندھی بہری اور گونگی ہے۔ کیا آپ اس دعوے کو تسلیم نہیں کرتے۔ جب آپ اس اندھی بہری اور گونگی نیچر کی تخلیقی صلاحیتوں کی کہانی کو مانتے ہیں تو پھر آپ اندھے، بہرے اور گونگے مسٹر جیمس کی کہانی کو کیوں رد کرتے ہیں۔ آپ کیا کہتے ہیں۔ کیا دہریے اور مادہ پرست مسٹر جیمس والا دعویٰ ہی مس نیچر کے بارے میں نہیں کر رہے جو پیدائشی طور پر اندھی بہری اور گونگی ہے۔

دھریہ: آپ کی بات ٹھیک ہے اور میں مانتا ہوں کہ دہریوں کا دعویٰ مسٹر جیمس سے ملتا جلتا ہی ہے۔ مگر میں اس حوالے سے مزید دلائل سننا چاہوں گا۔

فہیم: کیا انسانی دنیا میں آپ مجھے زیادہ نہیں صرف ایک مثال ایسی دے سکتے ہیں۔ جس میں آپ ایک سادہ ترین سینے والی سوئی سے لے کر پیچیدہ ترین سپر کمپیوٹر تک کی مثال لے لیں۔ ان میں سے کوئی ایک مثال پیش کر دیں۔ جہاں پر قانون اتفاق کے تحت محض نیچر کے قوانین کے ذریعے انسانی شعور کی مداخلت کے بغیر کوئی تخلیق عمل میں آئی ہو۔

دھریہ: نہیں ایسی کوئی مثال نہیں دی جا سکتی۔ کیونکہ قانون اتفاق کا اطلاق انسانی دنیا میں نہیں ہوتا۔

فہیم: اگر قانون اتفاق فطرت یا نیچر کا قانون ہے تو اسے انسانی دنیا میں بھی نافذ العمل ہونا چاہیے۔ کیونکہ انسانی دنیا بھی تو اسی فطرت یا نیچر کا ایک حصہ ہے۔ اور انسان جو کچھ بناتا ہے وہ نیچرل میٹریل (Natural Material) سے ہی بناتا ہے۔ مثلاً کرسی لکڑی سے بنی ہوئی ہے تو لکڑی ایک نیچرل میٹریل ہے۔ لہٰذا آپ کو اس کی وجہ بتانی پڑے گی کہ قانون

Marfat.com

اتفاق انسانی دنیا میں نافذ العمل کیوں نہیں ہے۔ درحقیقت یہ فطرت یا نیچر میں بھی نافذ العمل نہیں ہے اس طرح جس طرح دہریے دعویٰ کرتے ہیں۔ اس کا فطرت میں اطلاق ایک باترتیب تخلیق کے حوالے سے نہیں بلکہ حادثات کی صورت میں ہے یا قدرتی آفات کی صورت میں ہے۔ اب آپ مجھے بتایئے کہ کیا ایک کرسی کی بناوٹ زیادہ پیچیدہ ہے یا ایک امینوایسڈ کے مالیکیول کی۔

دھریہ: یقیناً ایک امینوایسڈز کا مالیکیولز ایک لکڑی کی کرسی سے کہیں زیادہ پیچیدہ ساخت کا حامل ہے۔

فہیم: اگر ایک سادہ لکڑی کی کرسی، ایک سادہ ہاکی، ایک سادہ دیا سلائی، ایک سادہ ترین کپڑے سینے والی سوئی قانون اتفاق کے تحت وجود میں نہیں آسکتی۔ تو ایک پیچیدہ ترین امینوایسڈز کا مالیکیول اور پھر ان مالیکیولز کی ایک خاص ترتیب سے حیات کیسے وجود میں آ سکتی ہے۔ اگر فطرت میں کوئی قانون اتفاق نافذ العمل ہے تو پھر اس کو انسانی دنیا میں بھی نافذ العمل ہونا چاہیے۔ ورنہ اسے قانون فطرت نہیں کہا جا سکتا۔ لہٰذا ہمیں قانون شعور کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ جس کا نفاذ انسانی دنیا میں بھی ہے اور فطرت میں بھی ہے۔ انسانی دنیا میں کوئی تعمیر یا تخلیق شعور کی مداخلت کے بغیر عمل میں نہیں آسکتی۔ انسانی شعور کو نہ دیکھا جا سکتا ہے نہ چھوا جا سکتا ہے نہ سونگا جا سکتا ہے اس کو صرف محسوس کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً کرسی میں بنانے والے کا شعور کارفرما محسوس ہوتا ہے۔ لیکن اگر آپ کرسی کا کیمیائی تجزیہ کرنا شروع کریں تو کسی بھی سطح پر آپ کے تجزیئے میں شعور نہیں آئے گا۔ شعور قابل تجزیہ چیز ہی نہیں۔ کیونکہ شعور ہی تو تجزیہ کرنے والا ہوتا ہے۔ لہٰذا تجزیہ خود کیسے شعور کا احاطہ کر سکتا ہے۔ یہ شعور مادی چیز نہیں بلکہ ماوراء مادہ ہے مگر موجود ضرور ہے جو مادے کو اپنے آلہ کار کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ جیسے بڑھئی کا شعور لکڑی کو اپنے آلہ کار کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ اسی طرح ایک کائناتی شعور بھی اس مادی کائنات کے حجاب میں کارفرما ہے۔ جس طرح انسان کے شعور کی طرف دیکھا نہیں جا سکتا، ماپا نہیں جا سکتا، سونگھا نہیں جا سکتا، تجزیہ نہیں کیا جا سکتا،

Marfat.com

صرف محسوس کیا جاسکتا ہے۔اسی طرح کائناتی شعور کو نہ دیکھا جاسکتا ہے نہ سونگھا جاسکتا ہے نہ ماپا جاسکتا ہے نہ ہی وہ قابل تجزیہ ہے کیونکہ تعمیر یا تخلیق شعور کا ہی فعل ہے جو مادے کو اپنے آلہ کار کے طور پر اپنے اظہار کے لئے استعمال کرتا ہے۔مادہ بذات خود تعمیر یا تخلیق کی کوئی صلاحیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ یہ تو جمود زدہ ہے۔ اور جمود میں تخلیق یا تعمیر کی صلاحیت نہیں ہوتی۔یہی وجہ ہے کوئی پاگل یا بے شعور انسان کسی قسم کی کوئی تعمیر یا تخلیق یا ایجاد نہیں کرسکتا۔ کیونکہ وہ ایک چلتا پھرتا مادہ تو ہوتا ہے مگر چونکہ شعور سے عاری ہے لہٰذا تخلیق یا ایجاد نہیں کر سکتا۔اگر انسان مادے کی ایک ترقی یافتہ شکل ہونے کے باوجود بغیر شعور کے کسی قسم کی کوئی تخلیق یا ایجاد نہیں کرسکتا۔تو پھر یہ ابتدائی کہکشانی مادہ (Primordial Galactic Matter) اس قابل کہاں ہوسکتا ہے کہ کوئی تخلیق یا ایجاد کرلے بغیر کسی شعور کی مداخلت کے۔اب بھی دنیا کے بہترین ریاضی دان، کیمیا دان، طبیعت دان، حیاتیات دان، کمپیوٹر سائنس دان، انجینئر وغیرہ مل کر بھی اور سپر کمپیوٹر کی مدد لے کر بھی ایک زندہ خلیہ تخلیق نہیں کر سکتے۔یعنی انسان جو مادے کی بلندترین شکل ہے اپنے تمام تر علم اور شعور کے باوجود ایک زندہ خلیے کی تخلیق نہیں کرسکتا۔تو وہ کہکشانی مادہ تو انسان جتنا شعور بھی نہیں رکھتا تھا اس نے یہ معجزہ کیسے سرانجام دے لیا۔یعنی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسانی شعور ابھی اس بلندی پر نہیں پہنچا کہ حیات کی تخلیق کر سکے۔لہٰذا یقیناً حیات کی تخلیق انسانی شعور سے کسی بلند شعور کا فعل ہے۔اور ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ کائنات کے اس مادی حجاب کے پیچھے ایک غیر مادی کائناتی شعور کارفرما ہے۔اور حیات کی تخلیق اسی شعور کا کارنامہ ہے نہ کہ مردہ کہکشائی مادے کا۔

دھریہ: آپ نے صحیح فرمایا کہ ہم یہ کیسے سمجھ سکتے ہیں اور تصور کر سکتے ہیں کہ میکانکی قوانین جبری طور پر حیات کی اتنی اقسام اور نمو کو وجود میں لا سکتے ہیں۔اور حیات کے اتنے غیر منقطع تجربات وصورتیں تخلیق کر سکتے ہیں۔اور نہ ختم ہونے والی ذہانت وتخلیقی قوت، یہ نت نئی صورتوں میں منتقل ہونا اور کرۂ ارض کی تسخیر یہ سب کچھ جبریت کے میکانکی اصولوں کی روشنی میں ممکن ہی نہیں ہے۔(نشاط فلسفہ صفحہ 64 ویل ڈیورینٹ) لیکن کیا آپ شعور کے

Marfat.com

حیات کی بنیاد ہونے پر کچھ مزید روشنی ڈال سکتے ہیں اور اس موضوع کو مزید واضح کرنا پسند کریں گے؟

فہیم: اگر ہم میکانکی تصور حیات کو لیں تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ عقل یا شعور مادے کے ارتقاء کا نتیجہ ہے۔ اور اس طرح سائنس میں یہ عقلی تضاد رونما ہوتا ہے کہ عقل و شعور جو تجزیے کا واحد آلہ ہے اور ارتقاء کو سمجھنے کا واحد ذریعہ ہے وہ خود ارتقاء کی ہی پیداوار ہے۔ اور اگر یہ ارتقاء کی پیداوار ہے تو پھر ارتقاء بغیر شعور کے وجود میں کیسے آ گیا ہے۔ میں یہاں پر والڈن کار (Wildon Carr) کا ایک اقتباس پیش کرنا چاہوں گا جس نے اس اندرونی تضاد کو محسوس کیا اور اس کی نشاندہی کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ

اگر عقل و خردار تقاء کی پیداوار ہے تو پھر حیات کی ابتدا اور سارا میکانکی تصور حیات مجمل اور فضول ہو جاتا ہے۔ اور سائنس نے جو اصول اس سلسلے میں اپنایا ہے اس پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ ہم صرف اس کو کہیں گے اور اس کا تضاد عیاں ہو جائے گا، یہ کیسے ممکن ہے کہ حقیقت کو سمجھنے کا آلۂ کار عقل و شعور بذات خود کسی چیز کے ارتقاء کا نتیجہ ہو۔ جب کہ وہ چیز بذات خود اسی شعور کے ایک حصے کی مانند اپنا وجود رکھتی ہو۔ اگر شعور حیات کے ارتقاء کا نام ہے تو پھر حیات کا منبع جس نے عقل و شعور کو جنم دیا حیات کو سمجھنے کے لئے۔ کسی اعلیٰ و برتر حقیقت کا نظریہ ہو سکتا ہے نہ کہ مجرد میکانکی حرکت کا نظریہ، جو شعور تجزیے کے بعد پیش کرتا ہے سمجھنے کے لئے۔ مزید اگر عقل و شعور زندگی کے ارتقاء کا نتیجہ ہے تو پھر یہ حتمی نہیں بلکہ زندگی کے ساتھ اضافی (Relative) ہے جس زندگی نے اس کو جنم دیا ہے اس صورت میں سائنس داخلی (Subjective) حقیقت کو کس طرح نظر انداز کر سکتی ہے اور محض بیرونی (Objective) حقیقت پر اپنی بنیاد استوار کر سکتی ہے۔ واضح طور پر حیاتیاتی سائنس اس بات کو ضروری بناتی ہیں کہ سائنسی قانون پر نظر ثانی کی جائے اور اس کی دوبارہ تشکیل نو کی جائے۔ (Reconstruction Page: 26)

دھریہ: یہ والڈن کار کا اقتباس تو ہمیں سمجھ نہیں آیا لہٰذا اس کو آپ آسان انداز سے اپنے

Marfat.com

الفاظ میں بیان کریں۔

فہیم: ہمیں سائنس یہ بتاتی ہے کہ الیکٹران میں مادے والی خصوصیت نہیں پائی جاتی۔ یہ نہ تو ٹھوس ہوتے ہیں نہ مائع نہ گیس۔ ان کی نہ تو کوئی شکل وصورت ہوتی ہے نہ ہی کمیت ہوتی ہے۔ اور تابکاری عناصر میں ان کا علیحدہ ہونا مادے کے ناقابل فنا ہونے کو مشکوک بنا دیتا ہے۔ جان ڈیوی کہتا ہے کہ سائنس میں جو مادے کا تصور پایا جاتا ہے اس کا مادہ پرستوں کے مادے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (لذات فلسفہ صفحہ 40 ول ڈیورینٹ)

اگر الیکٹران نہ ٹھوس ہیں نہ مائع نہ گیس تو ہم ان کی حقیقت کو اپنے عقل وشعور سے کیوں نہیں سمجھ سکتے۔ جب کہ ہمارا عقل وشعور خود انہیں الیکٹرانز کی ترقی اور ارتقاء سے وجود میں آیا ہے۔ اسی طرح ہمارے سارے حواس بھی انہیں الیکٹرانز کی ترقی اور ارتقاء کا نتیجہ ہیں۔ لہٰذا ہمیں الیکٹرانز اور مادی کائنات کو آسانی سے سمجھ لینا چاہیے۔ اور اس کا اسی طرح ادراک کر لینا چاہیے جیسی کہ یہ کائنات ہے۔ مگر عملی طور پر ہمارے حواس اس معاملے میں ہمیں دھوکہ دیتے ہیں۔ لہٰذا یہ ایک تضاد ہے جو کہ نہیں ہونا چاہیے اگر میکانکی تصور کائنات و حیات درست ہے اور اگر ہمارا شعور اور عقل حیاتیاتی ارتقاء کا نتیجہ ہے تو یہ تضاد نہیں ہونا چاہیے۔ لہٰذا ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ شعور اپنا علیحدہ وجود رکھتا ہے اس کی ترقی اور ارتقاء کے اصول مختلف ہیں اور یہ اپنی اصلیت میں مادی نہیں ہے بلکہ غیر مادی ہے۔ یہ مادے کو اپنے اعمال کے لئے اور اظہار کے لئے ایک آلۂ کار کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ جیسا کہ مشہور فلسفی نیٹشے نے کہا تھا کہ مادے کا ایک سوچنے سمجھنے والے وجود میں ارتقاء کے ذریعے منتقل ہونا ناممکن ہے (لذات فلسفہ صفحہ 46) کیونکہ سوچنے سمجھنے کا عمل اپنی اصلیت میں میکانکی نہیں ہے۔ اور مادے کے چھوٹے سے چھوٹے ذرات کسی قسم کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے عاری ہیں۔ مگر مادے سے حیات کے تخلیق کرنے کے لئے ہمیں بہت ہی اعلیٰ درجے کی ذہانت اور ذہنی قابلیت درکار ہے۔ انتہائی اعلیٰ درجے کا عقل وشعور اور مفصل طریقہ کار درکار ہے اور یہ سب کچھ مادے کے چھوٹے سے چھوٹے ذرات میں نہیں ہے۔ ایمینول

Marfat.com

کانٹ (Immanual Kant) جو مشہور فلسفی ہے اس نے شعور کے وجود اور موجود ہونے کے متعلق بڑے خوبصورت پیرائے میں بات کی ہے وہ کہتا ہے کہ:

''محسوسات تو بذات خود بس بیرونی دنیا سے آنے والی تحریکات کا ملغوبہ ہوتے ہیں جن میں کوئی معنی نہیں ہوتا۔ یہ تو مادے سے ماوراء ایک غیر مادی احساس یا شعور ہے جو ان بے معنی و بے ترتیب بیرونی تحریکات کو ایک ترتیب دے کر اسے بامعنی خیال (Thought) میں تبدیل کرتا ہے۔ یہ ترتیب و ارتباط ہو سکتا ہے کہ ذہن کا تخلیق کردہ ہو۔ اور ایک چیز آدھی تخلیق ہو جاتی ہے جب ہم اس کا ادراک کر لیتے ہیں۔ ایسا تخلیقی و ترتیبی ذہن کیسے ہو سکتا ہے کہ مادے کی محض پیداوار ہو۔ اور جس کا وجود اس مادے کی ایک قسم ہو''۔

آرتھر شوپنہار ایک دوسرا فلسفی کہتا ہے کہ:

''واحد حقیقت جس کو ہم براہ راست مشاہدہ کر سکتے ہیں اور بڑی قربت رکھتے ہیں وہ ہماری اپنی اندرونی ذات ہے۔ یہ انتہائی مضحکہ خیز بات ہے کہ ہم اس ذات کو محض مادہ سمجھیں۔ جب کہ یہ ہماری ذات ہمیں صرف ذہن کے ایک خیال کی مانند معلوم و محسوس ہوتی ہے۔ اور وہ بھی ہمارے حواس کے تخریبی و انتشاری مرحلے سے گزر کر ہمیں معلوم ہوتی ہے۔ اگر ہم کسی ذریعے سے مادے کی اندرونی و بیرونی حقیقت کو جان سکتے۔ تو ہمیں مادے کے مرکز میں ایک قوت ارادی کا سراغ مل جاتا۔ جو ہمارے شعور کی لطیف قوت کے زیادہ قریب ہوتی بمقابلہ ہمارے جسم و گوشت کی بیرونی میکانکی قوت کے۔ ان حالات میں مادیت اپنی اصلیت میں ناممکن ہے''۔ (لذات فلسفہ صفحہ 37)

حتیٰ کہ ہم روزمرہ کے تجربات و منطق کی بنیاد پر بھی یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اصل انسانی جوہر غیر مادی ہے جو اس مادی جسم میں رہتا ہے اور اسے اپنے آلہ کار کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ اور ہر بندہ غیر شعوری طور پر یہ تسلیم کرتا ہے اور اس کا ادراک رکھتا ہے۔

Marfat.com

دھریہ: آپ یہ دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں میں تو اس کو نہیں مانتا۔

فہیم: میں اس کی دلیل پیش کرتا ہوں۔ فرض کریں میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہ ہاتھ کس کے ہیں؟ آپ کا جواب یہی ہوں گا کہ یہ میرے ہاتھ ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ ٹانگیں کس کی ہیں؟ آپ جواب دیتے ہیں یہ میری ٹانگیں ہیں۔ میں آپ سے کہتا ہوں یہ سر کس کا ہے؟ آپ کہتے ہیں میرا ہے۔ میں کہتا ہوں یہ پورے کا پورا جسم کس کا ہے؟ آپ یہی جواب دیں گے کہ یہ میرا جسم ہے۔ تو اب منطقی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ جسم تو آپ کا ہے تو آپ خود کدھر ہیں یہ جو ''میں'' یا ''میرا'' ہے۔ یہ خود اس جسم کے اندر ہے۔ آپ جس سے بھی سوال کریں یہ جسم کس کا ہے وہ کہتا ہے یہ میرا جسم ہے۔ اگر یہ جسم تیرا ہے تو خود تو کہاں پر ہے کدھر ہے۔ ظاہری بات ہے جسم کے اندر ہے۔ لہٰذا دنیا میں ہر انسان اس ''انسانی جوہر'' کو غیر شعوری طور پر مانتا ہے اور اس کا ادارک رکھتا ہے۔ کہ اصل انسانی جوہر اس جسم کے اندر رہتا ہے۔

دھریہ: جی ہاں آپ ٹھیک کہتے ہیں کہ غیر شعوری طور پر ہر انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ انسان کا اصل جوہر اس گوشت پوست کے بنے ہوئے جسم کے اندر رہتا ہے۔ لیکن برائے مہربانی زندگی کے میکانکی اور شعوری یا غیر میکانکی تصور کے بارے میں کچھ مزید وضاحت فرمائیں۔

فہیم: تخلیق، نقل یا تکرار (Repitition) کے مخالف ہے۔ کیونکہ نقل یا تکرار ایک میکانکی عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم حیات کے تخلیقی افعال (Activities) اور مشاغل کو میکانکی اصطلاحات واصولوں کے ذریعے واضح نہیں کر سکتے۔ سائنس کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ تجربات میں یکسانیت (Uniformities) حاصل کر لے۔ مثال کے طور پر میکانکی تکرار کے اصول۔ جب کہ زندگی اپنی شدید خود نمائی کے ساتھ غیر یقینی (Indeterminstic) کا مرکز ہے۔ اس لئے یہ ضرورت کی حدود سے باہر ہے۔ لہٰذا سائنس زندگی کو نہیں سمجھ سکتی۔ وہ ماہرین حیاتیات، جو زندگی کی ایک میکانکی توجیح پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اپنے

Marfat.com

علم اور تجربات کی بنیاد حیات کی انتہائی ابتدائی اقسام (Forms) پر رکھتے ہیں (مثال کے طور پر امیبا، پیرامیشیم، سبز کائی وغیرہ) اور حیات کی ان ابتدائی اقسام کا رویہ اور طریقہ کار میکانکی اصولوں سے بہت زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ اگر وہ حیات کی اعلیٰ اقسام کا مطالعہ کریں۔ اور اپنے آپ کا تجزیہ کریں کہ کسے ان کا شعور و دماغ آزادانہ انتخاب چیزوں کا کرتا ہے، مسترد کرتا ہے ان پر تبصرے کرتا ہے حال اور ماضی کے بارے میں غور و فکر کرتا ہے اور متحرک طور پر مستقبل کے بارے میں اپنے اندازے اور تخمینے بیان کرتا ہے۔ اگر وہ اپنے آپ پر اور حیات کی اعلیٰ اقسام کے رویوں اور طریقہ کار پر غور کرے گا۔ تو اسے حیات کے بارے میں میکانکی تصور کی کم مائیگی اور تہی دامانی کا احساس ہو جائے گا۔

ہماری شعوری تشبیہ پر اگر قیاس کیا جائے تو پھر کائنات ایک آزاد تخلیقی حرکت ہے۔ لیکن ہم کسی حرکت کا ادراک بغیر حرکت کرنے والی ٹھوس چیز کے کیسے کر سکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی شے کا تصور ماخوذ یا اخذ کردہ (Derivative) ہے۔ ہم حرکت سے چیزوں کو اخذ کر سکتے ہیں۔ ہم غیر متحرک چیزوں سے حرکت کو اخذ نہیں کر سکتے۔ درحقیقت مادی سائنس جس مقام تک آج ترقی کر چکی ہے اس نے تمام اشیاء اور چیزوں کو ایک مسلسل حرکت میں تبدیل کر دیا ہے۔ جدید سائنس کے تحت ایٹم کی اصلیت ایک برقی توانائی کی ہے نہ کہ ایک ایسی چیز کی جس کو برقیایا (Electrified) گیا ہو۔ جن کو ہم چیزیں یا اشیاء کہتے ہیں وہ تو فطرت کے تسلسل میں رونما ہونے والے واقعات (Events) ہیں۔ جس کو عمل کے لئے انسانی خیال زمان و مکاں میں تبدیل کر کے ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیتا ہے۔ کائنات جو ہمیں ایک چیز یا شے نظر آتی ہے۔ وہ شے یا چیز نہیں ہے بلکہ وہ ایک عمل یا فعل (Act) ہے۔

(Reconstruction of Religious Thourghts. page: 40,41)

Marfat.com

عمل ارتقاء کا حیاتیاتی سائنس کی روشنی میں تفصیلی جائزہ

دھریہ: کیا آپ میرے سوال کے تیسرے پہلو پر اظہار خیال کرنا چاہیں گے یعنی کہ ارتقاء کا عمل بذات خود۔ ارتقاء کے حوالے سے آپ کیا کہنا چاہیں گے؟ (کتاب ہذا صفحہ 14)

فہیم: اگر ہم حیات کے بارے میں اور کائنات کے بارے میں میکانکی تصور (Mechanistic Concept) کو مان لیں۔ تو پھر اس کا یہ مطلب ہوگا کہ زندگی پھر غیر جاندار عناصر سے وجود میں آئی ہے۔ لہٰذا میکانکی تصور سے ''ایبائیوجینس'' (Abiogenesis) کا نظریہ لازم آتا ہے، یعنی کہ حیات کی ابتداء غیر جاندار عناصر سے۔ اس تصور کی رد میں کئی دلائل ہیں۔

(۱) ہم اس کتاب کے صفحہ 114 سے 116 پر ایبائیوجینس کے بارے میں تفصیلی گفتگو کر آئے ہیں۔ مگر صرف یاد دہانی کے لئے دوبارہ عرض کر دیتا ہوں۔ کہ موجودہ سائنس اس ''ایبائیوجینس'' کے نظریے کو خود رد کرتی ہے۔ اور کہتی ہے کہ غیر جاندار سے جاندار وجود میں نہیں آسکتا۔

(۲) ایک زندہ خلیے کی شکل وصورت میں آنے کے لئے امینوایسڈز کے کم از کم 50، 60 مالیکیولز درکار ہوتے ہیں۔ امینوایسڈز کے چار بنیادی ستون یہ ہیں ایڈینین، تھائی مین، گو آنین اور سائٹوسین۔ اگر ہر ستون میں 16 عناصر ہوں۔ تو پھر ایک زندہ خلیے میں عناصر کی کل تعداد 3840 بنتی ہے۔ لہٰذا کرۂ ارض کی جو موجودہ مدت عمر (Life Span) ہے اس میں یہ ناممکن ہے کہ ایک زندہ خلیہ محض قانون اتفاق کے تحت وجود میں آسکتے۔ جے ایس ہالڈین کے الفاظ میں

''اس چیز کا بعید ترین امکان بھی موجود نہیں کہ غیر جاندار سے جاندار وجود میں آجائے''

(1862-69) لوئی پاسچر کا سائنسی تجربہ سات سال پر محیط تھا۔ یہ تجربہ اس خیال کو غلط ثابت کرتا ہے کہ ایک خلیے والا جاندار (Protozoa) غیر جاندار عناصر سے وجود میں آسکتا ہے (لذات فلسفہ صفحہ 44)

Marfat.com

لہٰذا عمل ارتقاء میں یہ پہلی دراڑ ہے جو جدید سائنس سے سامنے آتی ہے۔ میکانکی تصور رکھنے والے ماہرین جو بہت زیادہ سائنسی اور حقیقت پسند ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ سائنسی طور پر غیر نامیاتی عناصر سے حیات کی تخلیق کو ثابت نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ان کے عمل ارتقاء میں تو پہلے ہی قدم پر دراڑ پڑ جاتی ہے۔

(۳) اگر ہم وسیع القلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ رعایت میکانکی تصور حیات والوں کو دے دیں۔ کہ چلیں مان لیتے ہیں کہ غیر نامیاتی مرکبات سے حیات تخلیق ہو سکتی ہے اگر چہ اس کا کوئی سائنسی ثبوت نہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ معمہ اور سوال اپنی جگہ قائم رہے گا۔ کہ آخر یہ حیات کا قانون یا فارمولا کائنات یا کرۂ ارض پر کیوں موجود تھا۔ اور یہ فارمولا کہاں سے کرۂ ارض پر آیا۔ آخر یہ قانون کس نے بنایا کہ امینوا ایسڈز کے مالیکیولز کی ایک خاص ترکیب و ترتیب سے تو حیات تخلیق ہو گی مگر دوسری ترکیبوں اور ترتیبوں سے حیات وجود میں نہیں آئے گی۔ اس معمے یا سوال کا جواب میکانکی تصور کے پاس نہیں ہے۔

(۴) میکانکی نظریہ اس کو نہیں مانتا۔ مگر تجربات کے ذریعے یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ پودوں کی بعض اقسام روشنی کے حوالے سے بہت حساس ہوتی ہیں۔ کہ یہ پودے نباتی گھڑیاں (Floral Clocks) بن گئے ہیں۔ (لذات فلسفہ صفحہ 46)

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب پودے روشنی کو دیکھ ہی نہیں سکتے۔ تو یہ روشنی کی طرف اتنی حساسیت کیوں رکھتے ہیں۔ جب کہ عمل ارتقاء کے ذریعے ابھی ان کی آنکھیں وجود میں ہی نہیں آئیں۔ انہوں نے کبھی روشنی کو دیکھا ہی نہیں۔ تو روشنی کی طرف ان کی حساسیت کیسے وجود میں آ گئی۔ دوسری بات یہ کہ سارے کے سارے پودے کیوں حساس نہیں ہیں یہ کچھ خاص پودے کیوں روشنی کی طرف حساس ہیں۔ لہٰذا میکانکی تصور ارتقاء کے تحت تو جب تک ارتقاء کے ذریعے آنکھیں وجود میں نہیں آ جاتیں تو روشنی کی طرف کسی قسم کی حساسیت نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ چھونے کی حس تو روشنی کی طرف حساسیت نہیں رکھتی۔ لہٰذا یہ بھی ارتقاء کے عمل میں ایک دراڑ (Gape) ہے جو کہ نہیں ہونا چاہیے تھا اگر میکانکی تصور ارتقاء

Marfat.com

ٹھیک ہے۔

(۵) دنیا میں کیڑے مکوڑے کھانے والے پودوں کی 500 اقسام پائی جاتی ہیں۔ جن میں سے چارلس ڈارون کے مطابق بعض پودوں پر انتہائی چھوٹے چھوٹے ابھار ہوتے ہیں۔ جو اتنے حساس ہوتے ہیں کہ ایک گرام کے 1,78000 واں حصہ بھی محسوس کر لیتے ہیں (لذات فلسفہ صفحہ 46) میکانکی ارتقاء کے تصور کے مطابق تو پودے ترتیب کے حساب سے کیڑے مکوڑوں سے پہلے وجود میں آئے ہیں۔ لہٰذا اگر پودے کیڑے مکوڑوں سے پہلے وجود میں آئے ہیں تو یہ پودے اپنی خوراک کیڑے مکوڑوں کے بغیر زندہ کیسے رہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ان کی پہلے خوراک کوئی اور تھی اور بعد میں اپنی خوراک تبدیل کر لی۔ تو پھر اس کی بھی وجہ بتانی پڑے گی۔ کہ ان خاص 500 اقسام کے پودوں نے اپنی خوراک میں تبدیلی کیوں کی جب کہ وہ خوراک وہ ہزاروں سال سے کھا رہے تھے۔ دوسری بات یہ کہ یہ تبدیلی صرف 500 اقسام نے کیوں کی۔ باقی پودوں کی اقسام نے کیوں نہیں کی۔ تیسری بات یہ کہ اس بات کا بھی سائنسی ثبوت دینا پڑے گا کہ یہ پودے پہلے کوئی اور غذا کھاتے تھے۔ کہ اس کے لئے کوئی ایسے حجری آثار (Fossils Record) ملے ہیں۔ جن کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا جا سکے۔ چوتھی بات یہ کہ ان 500 اقسام کے پودوں نے بغیر آنکھوں کے کیڑے مکوڑوں کو دیکھ کیسے لیا۔ اور اس بات کا ادراک کیسے کر لیا کہ یہ خوراک پرانی والی غذا سے زیادہ بہت ہے۔ کیونکہ یہ تجزیہ تو شعور کا کام ہے۔ اور پودوں میں تو شعور ہے ہی نہیں۔

(۶) مچھلیوں میں دماغ کا وزن جسم کے مقابلہ میں 1/5668 واں حصہ ہے۔ رینگنے والے جانوروں میں 1/1321، پرندوں میں 1/212، دودھ دینے والے جانوروں میں 1/186، ایک دو سالہ گوریلے میں 1/25، ایک دو سالہ انسانی بچے میں 1/18 وزن ہے۔ یہ وہ ارتقاء کی سیڑھی ہے جس سے ہم اوپر جاتے ہیں (لذات فلسفہ صفحہ 48)

اگر آپ ان ہندسوں کا تجزیہ کریں۔ تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ جسمانی فرق مچھلیوں اور رینگنے والے جانوروں میں اتنا زیادہ نہیں مگر ان کے دماغ کے وزن کے درمیان فرق

Marfat.com

4347 بنتا ہے۔ جسمانی لحاظ سے دودھ دینے والے جانوروں اور پرندوں میں بہت زیادہ فرق ہے مگران کے دماغی وزن میں فرق صرف 26 ہے۔ اب آگے اگر مچھلی اور گوریلے کے دماغی وزن کا فرق دیکھیں تو یہ 5643 بنتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ گوریلے کا دماغ مچھلی کے مقابلے میں 5643 گنا زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ مگر عملی طور پر دونوں کی دماغی صلاحیتوں کے اظہار میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور دونوں اپنی زندگی گزارنے میں حیوانی سطح پر تقریباً برابر ہیں۔ اب اس کے مقابلے میں گوریلے اور انسان کے دماغی وزن کا فرق صرف 7 ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کا دماغ گوریلے سے صرف 7 گنا زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ مگر دونوں کی زندگی گزارنے کے اظہار میں دماغی صلاحیتوں کا فرق ناقابل پیمائش ہے۔ لہٰذا ہمیں یہاں پر پھر ارتقاء میں ایک دراڑ نظر آتی ہے۔ ایک بے قاعدگی (Anomaly) نظر آتی ہے۔ جس کی کوئی توجیح نہیں بیان کی جاسکتی۔ اسی طرح رینگنے والے جانوروں (Reptiles) میں بھی تو کچھ دودھ پلاتے ہیں۔ اب دودھ پلانے والے جانوروں کے دماغ کا وزن 1/186 ہے تو پھر رینگنے والے جانوروں میں بھی دودھ پلانے والوں کا وزن 1/186 ہونا چاہیے مگران کا وزن 1/1321 ہی ہے۔ یہ بھی ارتقاء میں بے قاعدگی ہے۔ یعنی دماغی وزن کے حوالے سے بھی ارتقاء کا مطالعہ کریں تو بہت سی بے قاعدگیاں سامنے آتی ہیں اور ان بے قاعدگیوں کی میکانکی اصولوں کے ذریعے تشریح و توضیح نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ ایک میکانکی نظام تو ایک سیدھی سادھی ترتیب (Linearity) میں چلتا ہے۔ اور اگر ایک میکانکی نظام میں بظاہر کوئی بے ضابطگی ہوتی ہے تو وہ بھی ایک ترتیب سے ہوتی ہے اور سیدھ (Linearity) میں ہوتی ہے۔ لہٰذا ان بے ضابطگیوں اور دراڑوں کی میکانکی اصولوں کے ذریعے توجیح بیان نہیں کی جاسکتی۔ لہٰذا ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ یہ حیاتیاتی ارتقاء ایک میکانکی عمل نہیں ہے بلکہ یہ ایک برتر شعور کا عمل ہے۔ جو مادے کی مختلف شکلوں اور اقسام کو اپنے اظہار کے لئے استعمال کرتا ہے۔ لہٰذا انسانی شعور میکانکی ارتقاء کی پیداوار نہیں۔ اور یہ اپنا علیحدہ وجود رکھتا ہے اس کے ارتقاء کے اصول علیحدہ ہیں۔

Marfat.com

اور یہ اپنے اظہار کے لئے مادے کو اپنے آلۂ کار کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ اسی طرح حیاتیاتی ارتقاء ایک کائناتی شعور عمل میں لا رہا ہے۔ اور یہ کائناتی شعور عمل ارتقاء کو اپنے اظہار کے لئے استعمال کر رہا ہے۔ اور اس میں وہ میکانکی اصولوں کی خلاف ورزی کر کے یہ بتانا چاہتا ہے کہ حیات اپنی اصلیت میں میکانکی نہیں ہے۔ بلکہ غیر میکانکی اور شعوری عمل ہے اور شعور ایک ، ماوراء مادہ وجود ہے جو مادے کو اپنے اظہار کے لئے استعمال کرتا ہے، یعنی اس کائنات کی اصلیت غیر مادی ہے اور شعوری ہے۔

(۷) مسٹر شیوان اور کئی دوسرے ماہرین حیات کا کہنا ہے کہ زندہ جاندار خلیوں سے بنے ہوتے ہیں۔ مگر بعض جانداروں کی ایسی اقسام بھی ہیں جن کو خلیوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ مثال کے طور پر کانوسائٹس (Cocnocyts) اور مائی کوٹو سائیٹس (Mycotocytes) ان کی اندرونی ساخت درختوں کی ساخت سے مشابہت رکھتی ہے۔ اور ان میں بعض کا وزن ایک پاؤنڈ تک ہوتا ہے۔ یہ انتہائی پرانی اقسام آج بھی کرۂ ارض پر پائی جاتی ہیں۔ ان میں عمل ہاضمہ، عمل تنفس، اخراج رطوبت، تولید اور ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف حرکت کا عمل مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ فائیکو مائیسز (Phycomysis) اور سائیفونیلز (Cyphoneles) بھی اسی گروہ میں آتے ہیں۔ (مقدر انسانی صفحہ 136)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر پودوں کی یہ ابتدائی اقسام ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت کر سکتی ہیں تو پھر پودوں کی دوسری ترقی یافتہ اقسام حرکت کیوں نہیں کر سکتیں۔ دوسری بات یہ کہ ان اقسام سے پہلے کی اور بعد کی تمام اقسام خلیوں سے بنی ہیں تو یہ خلیوں سے کیوں نہیں بنی۔ ان میں خلیوں کی تقسیم کیوں نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا یہاں پر ارتقاء میں پھر ایک بے ضابطگی آ جاتی ہے۔ جو کہ نہیں ہونی چاہیے اگر میکانکی تصور یا نظریہ ارتقاء کے بارے میں ٹھیک ہے۔ لہٰذا ہمیں ایک ہدایت دینے والے اور قانون بنانے والے شعور کے وجود کو ماننا پڑتا ہے۔ اور یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ ارتقاء ایک میکانکی عمل نہیں بلکہ ایک شعوری عمل ہے۔

(۸) انسانی جسم میں ایک سیال خون ہوتا ہے جس میں ہیموگلوبن پایا جاتا ہے۔ اس کے ایک

Marfat.com

مالیکیول کا وزن گرام کا 69000 واں حصہ ہوتا ہے۔ اور ہر مالیکیول میں ایک ایٹم آئرن کا ہوتا ہے۔ پودے اور سبز کائی میں کلوروفل نامی سیال پایا جاتا ہے۔ اس کے ایک مالیکیول کا اوسط وزن گرام کا 104 واں حصہ ہوتا ہے۔ اور ہر مالیکیول میں ایک ایٹم میگنیشیم کا ہوتا ہے۔ جب ہم نچلی سطح کے جانوروں کی اقسام آرتھو پوڈز (Orthopodes) اور مولیسکس (Molescus) کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کے خون میں ایک رنگین عنصر پایا جاتا ہے جس کے ایک مالیکیول کا وزن گرام کا 40,00,000 سے 67,00,000 واں حصہ ہوتا ہے۔ اور ہر مالیکیول میں ایک ایٹم لیڈ (Lead) کا پایا جاتا ہے۔ جب کہ پودوں میں میگنیشیم اور انسانی خون میں آئرن کا ایٹم پایا جاتا ہے۔ (مقدر انسانی صفحہ 138,137)

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر جانور ارتقائی لحاظ سے پودوں کی ترقی یافتہ شکل ہیں تو پھر ان میں جو سیال ہونا چاہیے وہ کلوروفل ہو۔ اور جو عنصر پایا جائے اس میں وہ میگنیشیم ہونا چاہیے نہ کہ لیڈ (Lead) اسی طرح اگر انسان حیاتیاتی طور پر جانوروں کے ارتقاء سے ہی بنا ہے تو ان میں ہیموگلوبن کی بجائے وہ سیال ہونا چاہیے جو جانوروں میں پایا جاتا ہے۔ اور ان کے ہر مالیکیول میں لیڈ (Lead) کا عنصر ہونا چاہیے نہ کہ آئرن کا۔ یہاں پھر ارتقاء میں ایک بے ضابطگی ہے جس کی میکانکی اصولوں کے ذریعے وضاحت نہیں کی جا سکتی۔

(۹) سیانوفاسیآ (Cyanophyceae) یا سبز کائی میں ایک سیال پایا جاتا ہے جس کو فائیکوسیانین (Phycocyanion) کہتے ہیں یہ یا تو لمبوترے ہوتے ہیں یا بیضوی۔ یہ غیر جنسی تولید کے ذریعے اپنی نسل برقرار رکھتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کی مشابہت جراثیموں (Germs) سے ہو جاتی ہے۔ یہ اچانک نمودار ہوتے ہیں اور پانی میں چھلانگ لگا دیتے ہیں۔ ان میں ایک مرکزہ (Neucleus) ہوتا ہے اور پانی میں یہ جنسی تولید (Bisexual Reproduction) شروع کر دیتے ہیں۔ یہ غیر جنسی تولید (Asexual Reproduction) صرف قدیمی ابتدائی یک خلوی جانداروں تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ یہ میٹازوآ (Matazoas) میں بھی پائی جاتی ہے۔ جو زیادہ پیچیدہ قسم کے جاندار ہیں۔ مثال

Marfat.com

کے طور پر کولن ٹریٹا (Coelentrata)، پلیٹی ہیلمن تھس (Platyhelminthes) اور انیلڈا (Annelda) میں بھی غیر جنسی تولید پائی جاتی ہے جب کہ یہ کیڑے مکوڑوں (Insects) میں آتے ہیں۔ لہٰذا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غیر جنسی تولید جب تسلی بخش کام کر رہی تھی۔ تو پھر یہ جنسی تولید جاندار اشیاء میں کیوں شروع ہوئی؟ جب کہ یہ غیر جنسی تولید کے مقابلے میں مشکل کام ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ کیوں کولن ٹریٹا، پلیٹی، ہیلمن تھس اور انیلڈا قسم کے ترقی یافتہ جانداروں نے دوبارہ غیر جنسی تولید کی طرف تنزل کیا۔ جب کہ ان سے نچلی سطح کے جانداروں میں جنسی تولید وجود میں آ چکی تھی۔ آخر یہ جاندار ارتقاء میں نچلی سطح کی طرف کیوں چلے گئے۔ تیسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جنسی تولید کے ذریعے جاندار اشیاء میں موت کا سلسلہ کیوں شروع کیا گیا؟ جب کہ غیر جنسی تولید میں جاندار پر موت واقع نہیں ہوتی تھی۔ تو اس لحاظ سے غیر جنسی تولید بہتر تھی۔ ان تمام سوالات کے جوابات میکانکی تصور ارتقاء کے ذریعے نہیں دیئے جا سکتے۔ لہٰذا ماننا پڑتا ہے کہ ارتقاء ایک میکانکی عمل نہیں بلکہ شعوری عمل ہے اور یہ تمام بے ضابطگیاں گہری بصیرت پر مبنی ہیں۔ اور یہ شعوری عمل اس کائناتی شعور کا ہے جو کائنات کو اپنے اظہار کے لئے استعمال کر رہا ہے اور کائنات کی ہر چیز سے اپنے وجود پر دلیل قائم کر رہا ہے۔ (مقدر انسانی صفحہ 141.142)

(۱۰) حجری آثار (Fossils) کے ریکارڈ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ خشکی کے جانوروں میں ریڑھ کی ہڈی پہلے مکمل ہوئی بہ نسبت پانی میں رہنے والے جاندار اقسام (Species) کے۔ مثال کے طور پر کرۂ ارض کی ارضی تاریخ کے کاربونیفرس دور (Carboniferous Period) میں ہمیں سٹیگو سیفیلیا (Stegocephalia) جاندار نظر آتے ہیں۔ جو جل تھلیے (Amphibious) کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہٰذا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جل تھلیے جاندار کاربونیفرس دور سے پہلے وجود میں آ چکے تھے۔ اور ان کے ڈھانچے مچھلیوں سے پہلے مکمل ہو چکے تھے۔ یہاں پر پھر ہمیں ارتقاء کے روایتی نظریے کے خلاف ایک بے ضابطگی (Anomaly) نظر آتی ہے۔ لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے

Marfat.com

کہ جلی تھلی (Amphibions) جاندار مچھلیوں سے پہلے کیسے ترقی کر گئے جب کہ یہ مچھلیوں کی ہی ترقی یافتہ شکل تھے اور مچھلیوں کی ترقی سے ہی وجود میں آئے تھے۔ اسی طرح جل تھلی (Amphibious) طریق تنفس (Respiration) زیادہ بہتر تھی اور فائدہ مند بھی تو پھر یہ خشکی والا طریق تنفس کیوں وجود میں آیا۔ (مقدر انسانی صفحہ 167,166) میکانکی تصور ارتقاء ان سوالوں کی توضیح وتشریح نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ہر موڑ پر شعوری نظریے کے حوالے سے مقصدیت ہے۔ جب کہ میکانکی عمل میں تو شعوری مقصدیت کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور اگر ارتقاء میکانکی ہے تو اسے ایک سیدھی سادھی ترتیب (Linearity) میں ہونا چاہیے۔ اور اسی سیدھ میں چلنا چاہیے۔

(۱۱) اگر فطری چناؤ (Natural Selection) کا قانون ایک حقیقت ہے تو پھر جانداروں کی وہ تمام اقسام جو اس چناؤ میں معیار پر پوری نہیں اتریں اور مسترد ہو گئیں وہ تمام اقسام کدھر ہیں۔ ان کے حجری آثار کدھر ہیں؟ وہ مہیب الشکل (Monsters) بچے کدھر گئے۔ وہ ارتقاء کے بدشکل جاندار کہاں چلے گئے۔ تین ٹانگوں والے گھوڑے کدھر گئے؟ حجری آثار اس حوالے سے بالکل خاموش ہیں کیوں؟ (شیطانی آیات صفحہ 418) اس کو اس مثال سے اس طرح واضح کیا جا سکتا ہے کہ فرض کریں کہ فطری چناؤ کے اصول کے تحت اگر 20 جاندار کی اقسام میں سے صرف ایک اس اصول کے مطابق منتخب ہوئی ہے۔ تو پھر کرۂ ارض پر حجری آثار جاندار اشیاء کی اقسام (Species) سے کم از کم 19 گنا زیادہ ہونے چاہیں۔ اور اس صورت میں تو کرۂ ارض پر قدم قدم پر حجری آثار (Fossils) نظر آتے ہیں اور کرۂ ارض ان سے بھرا ہوتا۔ مگر حقیقت میں ایسا نہیں۔

لہٰذا یہ گیارہ دلائل ارتقا کے میکانکی تصور کو رد کرنے کے لئے کافی ہیں۔ ہمیں ایک ہدایت کرنے والے دماغ ایک ہدایت کرنے والے شعور (Directive Mind & Conciousness) کے وجود کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ ہماری اس تمام مجلس کا نچوڑ نکالا جائے۔ تو مندرجہ ذیل باتیں سامنے آتی ہیں۔

Marfat.com

(۱) ہم نے یہ ثابت کیا کہ مادے کے حتمی ذرات نہ ٹھوس میں نہ مائع نہ گیس۔لہٰذا ٹھوس، مائع، گیس کا وجود کائنات میں نہیں ہونا چاہیے۔مگر ہم ان اشیاء کا مشاہدہ کائنات میں کرتے ہیں۔

(۲) سوڈیم ایک دھات ہے اور کلورین ایک زہریلی گیس ہے۔مگر ان کا مرکب سوڈیم کلورائیڈ ہے جو حیات بخش چیز ہے۔جو منطقی لحاظ سے اور میکانکی اصولوں کے مطابق وجود میں نہیں آنا چاہیے۔اسی طرح ہائیڈروجن ایک گیس ہے جو دھماکے سے جلتی ہے۔اور آکسیجن ایک ایسی گیس ہے جو جلنے میں مدد دیتی ہے۔مگر ان دونوں کے ملاپ سے پانی بنتا ہے جو آگ کو بجھاتا ہے۔میکانکی اصولوں کے مطابق تو ان سے کوئی جلنے والا مرکب بننا چاہیے نہ کہ پیاس بجھانے والا پانی۔

(۳) اگر فطرت اندھی، بہری اور گونگی ہے اور کسی قسم کے شعور سے عاری ہے تو پھر اسے ایک باشعور ہستی کی طرح عمل نہیں کرنا چاہیے۔اس اندھی، بہری اور گونگی فطرت کا شعوری رویہ میکانکی تصور حیات میں ایک منطقی تضاد پیدا کرتا ہے۔اس طرح اس تصور حیات میں اندرونی تضاد پایا جاتا ہے۔سوڈیم کو کیسے علم ہوتا ہے کہ وہ کلورین سے مل رہی ہے لہٰذا اسے سوڈیم کلورائیڈ بنانا ہے چینی نہیں بنانی۔

(۴) ذراتی سطح (Particle Level) پر مادے میں کوئی ارادہ، منصوبہ بندی، مقصدیت اور شعور نہیں ہے۔مگر اس کی اونچی سطح (Higher Level) پر مادے میں یہ تمام خصوصیات نظر آتی ہیں۔اسی طرح ذراتی سطح پر ہمیں کوئی ٹھوس، مائع، گیس نظر نہیں آتے۔ مگر اونچی سطح یا عناصر کی سطح پر ہمیں ٹھوس، مائع، گیس نظر آتے ہیں لہٰذا حیات و کائنات کے بارے میں کائناتی شعور کا نظریہ جو مذاہب ہمیں دیتا ہے وہ جدید تحقیقات سے مکمل طور پر میل (Compatible) کھاتا ہے۔اور جدید تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے۔

(۵) مذہبی نظریے کی وضاحت کے لئے کمپیوٹر کی مثال انتہائی موزوں ہے۔کیونکہ کمپیوٹر میں بھی انفرادی طور پر اس کے مختلف حصے مردہ و بے جان ہوتے ہیں۔مگر انسان کا شعور ان بے جان و بے مقصد ٹکڑوں کو ایک با مقصد نظام میں مربوط کر کے پرو دیتا ہے۔اور اس طرح

Marfat.com

ایک کمپیوٹر وجود میں آتا ہے۔ اور اس کمپیوٹر میں انسانی شعور کارفرما ہوتا ہے اگر چہ کمپیوٹر کے سائنسی تجزیے سے انسانی شعور کا اس میں کبھی بھی کوئی سراغ نہیں ملے گا۔ مگر کیا کوئی کمپیوٹر میں انسانی شعور کے کارفرما ہونے کا انکار کر سکتا ہے۔ اسی طرح کائنات کے اور کرۂ ارض کے اس سپر کمپیوٹر کے وجود میں آنے کے لئے ایک سپر شعور اور سپر مائنڈ (Super Mind) کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ کوئی بھی چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے تخلیق کے یا ایجاد کے عمل کے وقوع پذیر ہونے کے لئے شعور کا ہونا ناگزیر ہے، میکانکی اصولوں کے تحت تو ایک سادہ ترین کپڑے سینے والی سوئی بھی قانون اتفاق کے ذریعے کھربوں سال میں وجود میں نہیں آسکتی کسی کمپیوٹر یا حیات جیسی معجزاتی چیز کا وجود میں آنا تو بہت ہی دور کی بات ہے۔ اور میکانکی نظام کے وجود میں آنے کے لئے بھی تو کسی شعور کی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ جو سینے کی سادہ ترین سوئی ہے یہ بھی تو ایک میکانکی چیز ہے۔ کیونکہ اس کو بھی تو وجود میں آنے کے لئے کسی شعور کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اگر کائنات میکانکی بھی ہے تو اس کو وجود میں آنے کے لئے کسی شعور کی ضرورت ہے تو شعور میکانکی نہیں ہے۔

(۶) ہم نے ثابت کیا کہ انسانی شعور حیاتیاتی ارتقاء کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ حیاتیاتی ارتقاء کو اپنی ہدایت اور سمت کے لئے بذات خود کسی برتر شعور کی ضرورت ہے۔

(۷) ہم نے حیاتیاتی ارتقاء میں 11 بے ضابطگیوں یا دراڑوں (Anomalies) کی نشاندہی کی۔ جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ حیاتیاتی ارتقاء میکانکی اصولوں پر آگے نہیں بڑھا۔ اور اس میں ترتیب و سیدھ (Linearity) نہیں پائی جاتی۔ اسی طرح کی سینکڑوں بے ضابطگیاں (Anomalies) ہیں جن کی میکانکی اصولوں کے تحت کوئی توجیح و تشریح بیان نہیں کی جاسکتی۔ لہٰذا حیاتیاتی ارتقاء کو اپنی حرکت کے لئے ایک سپر شعور کی ضرورت ہے۔ جو اسے آگے چلائے اور اسے اپنی منزل مقصود یعنی انسانی تخلیق تک پہنچائے۔ میکانکی ارتقاء جیسا کہ ڈارون اور دوسرے مادہ پرست فلسفیوں کا خیال ہے موجودہ دور کی تحقیقات سے میل نہیں کھاتا۔ اور آج کے دور میں میکانکی تصور فزکس یا طبیعات کی دنیا میں بھی نافذ العمل

Marfat.com

نہیں ہے کیونکہ پالی کے ایکس کلوژن اصول (Pouli's Exclusion Princeple) قانون بے یقینی (Law of Uncertainity) اور نظریہ اضافیت (Theory of Relativity) نے طبیعات کی دنیا سے میکانیت کے تصور کو خارج کر دیا ہے۔

(۸) ہم نے ثابت کیا کہ امینوایسڈز کے مالیکیول کی تیاری جو ملر سائنس دان نے کی۔ اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ اس نے ایک جاندار چیز بنائی ہے۔ اور اگر ملر نے حیات یا جاندار شے بھی تخلیق کر لی ہوتی۔ تو پھر بھی اس کا تجربہ کرۂ ارض کے ان قدرتی حالات سے کوئی مشابہت نہیں رکھتا۔ اور نہ ہی اس میں قانون اتفاق کارفرما تھا۔ کیونکہ وہاں تو ساری اشیاء اور تجربہ کرنے والے اجزاء اور مشینیں سب ملر نے اکٹھی کی تھیں اگر ملر سائنس دان کے شعور کو بیچ سے نکال دیں تو وہ تجربہ ظہور پذیر ہو ہی نہیں سکتا۔ اور نہ ہی امینوایسڈ کا مالیکیول بن سکتا ہے۔ اس تجربے کے تمام مراحل میں ملر سائنس دان کا شعور ایک ہادی و رہنما کے طور پر موجود رہا ہے۔ اگرچہ امینوایسڈ کے اس مالیکیول کا تجزیہ کر کے ملر کا سراغ کبھی بھی نہیں لگایا جا سکتا۔ اگر کوئی امینوایسڈز کے مالیکیول میں اس خالق ملر کو دیکھنا چاہے گا تو وہ کبھی نہیں دیکھ سکے گا۔ مگر ملر کے شعور کے بغیر وہ مالیکیول وجود میں نہیں آ سکتا۔ لہٰذا ماننا پڑتا ہے کہ ہر تخلیق و ایجاد کے لئے کسی شعور کی مداخلت کسی شعور کا وجود ضروری ہے۔ اور تخلیق کا حتمی قانون شعور ہے نہ کہ میکانیت، میکانیت تو شعور کا آلہ کار ہو سکتی ہے نہ کہ خالق۔

(۹) انسانی دنیا میں دیکھا جائے تو ایک سادہ ترین مشین کپڑے سینے کی سوئی سے لے کر سپر کمپیوٹر تک کوئی بھی چیز قانون اتفاق کے تحت وجود میں نہیں آ سکتی۔ ہر تخلیق و ایجاد کے لئے ایک شعور کا وجود ناگزیر ہے۔ لہٰذا کائنات کی تخلیق و ارتقاء کے لئے اور کرۂ ارض پر حیات کے لئے سازگار ماحول، حیات کا فارمولا اور حیات کی تخلیق و ارتقاء کے لئے ایک انتہائی سپر مائنڈ یا سپر شعور (Super Mind or Super Conciousness) کا وجود ناگزیر ہے۔ اس سپر شعور یا کائناتی شعور کو مذہب کی زبان میں خدا کہتے ہیں۔ جس طرح ہمیں انسانی شعور کی اصل حقیقت کا علم نہیں اسی طرح اپنی موجودہ علمی سطح پر ہم اس کائناتی

Marfat.com

شعور کی اصل حقیقت کو بھی نہیں سمجھ سکتے۔ بس جس طرح انسانی شعور کے بارے میں مختلف شواہد سے یہ جانتے ہیں کہ یہ موجود ہے۔ اسی طرح کائناتی شعور یا کائناتی دماغ کے بارے میں بھی اتنا جانتے ہیں کہ وہ موجود ہے۔

(۱۰) انسانی شعور جس طرح میکانکی اصولوں کے مطابق عمل پیرا نہیں ہوتا۔ اسی طرح کائناتی شعور بھی میکانکی اصولوں سے برتر اور ماوراء ہے۔

(۱۱) حیات کا فارمولا، حیات کی تخلیق، حیات کی گوناگوں اقسام ان سب مظاہر کی توجیح میکانکی تصور حیات کے ذریعے نہیں کی جاسکتی۔

(۱۲) ہم نے ثابت کیا کہ حیاتیات کے شواہد تو غیر جاندار سے جاندار کا وجود میں آنا (Abiogenesis) کے خلاف ہیں۔ جب کہ میکانکی تصور کے تحت حیات کی ابتداء (Abiogenesis) سے ہی ہوسکتی ہے۔ لہٰذا یہاں پر میکانیت پھر ناکام دکھائی دیتی ہے۔

(۱۳) ہم نے یہ ثابت کیا کہ قانون اتفاق کے تحت، کرۂ ارض کی موجودہ عمر میں ایک زندہ خلیہ وجود میں نہیں آسکتا۔ پروفیسر چارلس یوجین گورے (Charles Ugenguoy) کے مطابق زمین کی موجودہ عمر 10^9 سال ہے۔ اور ایک نامیاتی پروٹین کا ایک مالیکیول قانون اتفاق کے ذریعے وجود میں آنے کے لئے کم از کم (10^{243}) سال درکار ہیں۔ اور وہ بھی ضروری نہیں کہ وجود میں بھی آئے۔ وہ تو اتنے سالوں میں بس ایک امکان ہے۔ اگر ہم میکانکی تصور والوں کو رعایت دیں۔ تو چیں دو تین مالیکیولز کی رعایت دے دیں گے۔ مگر پروٹین کے دو تین مالیکیولز کا وجود میں آنے کا یہ مطلب نہیں کہ حیات کی تخلیق ہوگئی۔ لہٰذا چارلس یوجین گوائے کے حساب کتاب کے مطابق کرۂ ارض کی موجودہ عمر میں قانون اتفاق کے تحت حیات وجود میں آ ہی نہیں سکتی (مقدر انسانی صفحہ 97,96)

(۱۴) ہم نے یہ ثابت کیا کہ انسانی شعور حیاتیاتی ارتقاء کا نتیجہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ مادی دنیا کا ادراک اس طرح نہیں کرتا۔ جیسی کہ وہ حقیقت میں ہے۔ یعنی مادی دنیا کی حقیقت انسانی حواس سے حجاب میں رہتی ہے۔ اسی طرح اگر انسانی شعور حیاتیاتی ارتقاء کا نتیجہ ہے جیسا کہ

Marfat.com

میکانکی تصور حیات والے دعویٰ کرتے ہیں۔ تو پھر اس شعور کو ایک تین سالہ بچے اور 50 سالہ بوڑھے میں برابر ہونا چاہیے۔ مگر معروضی طور پر ایسا نہیں ہے۔

(۱۵) انسانی شعور میں مستقبل بینی کی قوت وصلاحیت بھی پائی جاتی ہے۔ جو کہ میکانکی تصور حیات کے خلاف ہے۔ اور میکانکی تصور اگر درست ہے اور انسان اگر ایک مشین ہے تو پھر اس میں مستقبل بینی (Cognitive Sense) کی صلاحیت نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ مستقبل کا ادراک حواس خمسہ سے نہیں ہوسکتا۔ اور جس چیز کا ادراک حواس خمسہ سے ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ انسانی شعور کا حصہ بن ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا اب تک کی گفتگو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اربوں سال پہلے بڑا دھماکہ ہونا، اور اس دھماکہ کے نتیجے میں کائناتی غبار (Cosmic Nabulae) کا وجود میں آنا، اور مادے کے حتمی ذرات سے اونچے درجے کے ذرات کا بننا اور ان ذرات سے ایٹموں اور مالیکیولز کا اور مالیکیولز سے عناصر کا وجود میں آنا۔ پھر کائناتی غبار سے کہکشاؤں کا بننا اور کہکشاؤں میں سیاروں اور ستاروں کا وجود میں آنا۔ اور پھر ہماری کہکشاں میں نظام شمسی کا وجود میں آنا، کرۂ ارض کا وجود میں آنا، یہاں پر زندگی کے لئے سازگار ماحول کا وجود میں آنا، اور پھر کرۂ ارض پر حیات کی ابتداء اور حیات کی ہزاروں لاکھوں اقسام اور ان کا نمو، اور پھر حیاتیاتی ارتقاء کے ذریعے حضرت انسان کا تخلیق ہونا۔ ان تمام مراحل کی ہدایت نگرانی، حرکت اور استقامت کے لئے ایک عظیم کائناتی دماغ یا شعور کا وجود ناگزیر ہے۔ اور اس عظیم کائناتی دماغ یا شعور کو مذہب کی زبان میں ''خدا'' کہا جاتا ہے۔ یہ کائناتی شعور یا دماغ ایک شخصیت (Personality) یا انا (Ego) کا حامل ہے۔ اور اس کی شخصیت یا انا کو سمجھنے کے لئے ہمیں اسی کی طرف سے وحی شدہ حقائق کی ضرورت ہے۔ اور اس کے بارے میں صحیح نظریہ وتصور اسی کی عطا کردہ معلومات کے ذریعے ہی قائم کیا جاسکتا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ چونکہ انسانی خودی انا یا شخصیت میں بھی اس کا پرتو ہے۔ لہٰذا انسانی انا یا خودی کو سمجھ کر بھی اس کے بارے میں ادراک حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اور اسی کی طرف مشہور حدیث شریف میں اشارہ کیا گیا ہے۔

Marfat.com

حدیث ہے۔ حدیث ہمارے نبی ﷺ کے فرمان کو کہتے ہیں۔

''مَن عَرَفَ نَفسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ''

''جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا''۔

Marfat.com

پانچویں نشست

فہیم: اب ہم موضوع کو ایک نئے پہلو سے زیر بحث لاتے ہیں۔ اور اس کے بعد ہم کسی حتمی نتیجے پر پہنچیں گے۔

سوال نمبر ۱: میرا آپ سے یہ سوال ہے کہ کیا کسی شے کا وجود انسانی حواس تک محدود ہے۔ یا ایسے وجود بھی ہیں جو انسانی حواس میں تو نہیں آتے مگر موجود ہوتے ہیں؟

دھریہ: نشاط ثانیہ (Renaissance) کی ابتدائی دو صدیوں (15th اور 16th) میں جب منطقی اثباتیت (Logical Positivism) یورپ میں ایک غالب فلسفہ تھا۔ اور مادیت کا زور تھا تو یہ ہی سمجھا جاتا تھا کہ موجودات کا دائرہ انسانی حواس تک ہی محدود ہے۔ اور جو چیز انسانی حواس میں نہیں آسکتی۔ وہ موجود نہیں ہے۔ مگر بعد کی تحقیق نے اس نظریے کو غلط ثابت کر دیا۔ مثال کے طور پر وائرائڈز (Viroids) بیکٹیریا اور وائرس موجود تھے مگر ہم انہیں دیکھ نہیں سکتے تھے۔ خوردبین کی ایجاد نے اس بات کو ممکن بنایا۔ اسی طرح الیکٹرانی خوردبین (Electron Microscope) نے اس بات کو ممکن بنایا کہ انسان ایٹم کا اور ایٹم کے اندرونی ذرات کا مطالعہ کرے۔ اسی طرح ہماری آنکھ 350 ملی مائیکران سے 750 ملی مائیکران کے درمیان رونما ہونے والے رنگوں کا ادراک کر سکتی ہے۔ اس سے زیادہ یا کم ملی مائیکران کی شعاعوں کا ادراک انسانی آنکھ نہیں کر سکتی۔ ریڈیو کی لہریں، ٹی وی کی لہریں، بالائے بنفشی لہریں، انفراریڈ لہریں اور ایکس ریز موجود ہوتی ہیں مگر ہمارے حواس ان کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اسی طرح ہمارے کان خاص ارتعاش (Frequency) کی آوازوں کو سن سکتے ہیں۔ اس ارتعاش سے کم یا زیادہ ارتعاش کی آوازوں کو نہیں سن سکتے۔ لہٰذا جدید سائنس کی روشنی میں یہ بڑے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ موجودات کا دائرہ انسانی حواس سے بہت زیادہ وسیع ہے۔

فہیم: مذہب صدیوں سے یہی نقطہ نظر پیش کر رہا ہے کہ موجودات کا دائرہ انسانی حواس

Marfat.com

سے وسیع ہے۔اور ایسی مخلوقات یا موجودات ہیں جو موجود ہیں مگر انسانی حواس ان کا ادراک نہیں کر سکتے۔ مذہب نے ان موجودات میں سے چند کے نام یہ بتائیں ہیں۔خدا، ملائکہ، جن، بھوت، حور وغیرہ۔مسلمانوں کی الہامی کتاب ''القرآن'' نے چیونٹی کی گفتگو کے بارے میں بتایا ہے۔جس کا ذکر سورۂ نمل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے حوالے سے کیا گیا ہے۔لہٰذا مذہب کا بنیادی فلسفہ اور نظریہ شروع سے یہی تھا اور ہے کہ بہت سی ایسی موجودات ہیں جو موجود ضرور ہیں مگر انسانی حواس اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔البتہ مختلف مذاہب میں ان کی تفصیل مختلف ہو سکتی ہے۔ابتدا میں منطقی اثباتیت کے زیر اثر سائنس نے مذہب کے اس نظریے کو مسترد کر دیا۔مگر خوردبین، الیکٹران خوردبین، وائرلیس، ریڈیو، ٹی وی وغیرہ کی ایجادات نے یہ ثابت کر دیا۔کہ انسانی حواس سے باہر بھی موجودات ہیں۔اور اس طرح جدید سائنس نے مذہب کے بنیادی نظریے کو ثابت کر دیا۔کہ موجودات کا دائرہ انسانی حواس سے باہر بھی موجود ہے۔اس طرح سائنس صدیوں کی تحقیق کے بعد اس نقطے پر پہنچی۔ جس پر مذہب آپ کو پہلے دن سے ایمان لانے کی دعوت دے رہا تھا۔آپ کیا کہتے ہیں؟

دھریہ: مگر سائنس نے خدا، ملائکہ، جن اور بھوت وغیرہ کے وجود کو ثابت تو نہیں کیا ہے؟

فہیم: جدید تحقیق جو پراسرار واقعات (Paranormal Phenomena) پر ہوئی ہے اس سے جن اور بھوت کی موجودگی کے کافی شواہد ملے ہیں۔یہ تحقیق امریکہ کے پراسرار واقعات پر تحقیق کرنے والے ادارے نے کی ہے۔اس سلسلے میں مسٹر جان وائٹ کی کتاب حدود الشعور (Frontiers of Conciousness) اور اسی موضوع پر دوسرا مواد آپ کے مطالعے کے لئے خوب رہے گا۔بھوتوں کی موجودگی کا ثبوت تو پوری دنیا میں ملا ہے۔مشرق میں ایسے لوگ کافی تعداد میں مل جاتے ہیں جو جن اور بھوتوں وغیرہ سے بات چیت کر سکتے ہیں۔بہاولپور میں اللہ مغفرت کرے ایک بابا سائیں تھے۔جن کا نام سید مظہر حسین شاہ تھا۔انہوں نے مجھے کئی بار دعوت دی تھی جنوں سے ملاقات کروانے کی۔مگر میں نے انکی دعوت قبول نہیں کی۔اسی طرح سائنس میں ٹیکی آن ذرات (Tachyons

Marfat.com

(Particles) کا نظریہ فرشتوں کے نظریے کے قریب ترین ہے۔ یہ وہ ذرات ہوتے ہیں جن کی ولاسٹی روشنی کی رفتار سے بھی کئی سو گنا تیز ہوتی ہے۔ اور جب ان کی رفتار کم کی جائے تو ان سے نور کے خاص خاکے (Patterns) بنتے ہیں۔ جو فرشتوں کے خاکے (Patterns) کے قریب ترین ہیں۔ مشرق میں کئی لوگ ایسے ہیں جن کے پاس مؤکل ہوتے ہیں اور وہ ان مؤکلوں سے بات چیت کر سکتے ہیں۔ مؤکل کم تر درجے کے فرشتے ہوتے ہیں جن کو انسان خاص عمل سے اپنا پابند کر سکتا ہے اور ان پر تصرف قائم کر سکتا ہے۔ اسی طرح ذراتی طبیعات (Particles Physics) ایسے ذرات کے بارے میں گفتگو کرتی ہے جو الیکٹران مائیکروسکوپ کے ذریعے بھی نظر نہیں آتے۔ ہمارے پاس صرف الجبرے کا یا حسابی (Mathemetical) ثبوت ان کے بارے میں میسر ہے۔ مگر کوئی براہ راست ثبوت نہیں ہے۔ اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مادہ پرست لوگوں کا رویہ سائنس اور مذہب کے ساتھ مختلف کیوں ہوتا ہے۔ جب سائنس ان دیکھی دنیاؤں، ذرات یا موجودات کی بات کرتی ہے تو مادہ پرست بغیر کسی تجرباتی (Empirical) ثبوت کے مان لیتے ہیں۔ مگر جب مذہب یہ کہتا ہے کہ اس کائنات میں کچھ ایسی مخلوقات ہیں جن کو دیکھا نہیں جا سکتا۔ تو مذہب کے اس دعوے کو بڑی شدت سے رد کر دیا جاتا ہے مثال کے طور پر کوارکس (Quarks) یہ ایسے ذرات ہیں جو نظر آنے والی روشنی کے طول موج (Wavelength) سے بھی چھوٹے ہوتے ہیں۔ لہٰذا انہیں دیکھا ہی نہیں جا سکتا۔ ایک پروٹون یا نیوٹرون تین کوارکس کے ملنے سے بنتا ہے۔ (A Brief History of Time. Page 69) ایٹم کے بارے میں اس کتاب بریف ہسٹری آف ٹائم کے صفحہ 70 پر لکھا ہوا ہے کہ چونکہ روشنی کی طول موج (Wavelength) ایک ایٹم کے حجم سے کافی زیادہ ہوتی ہے لہٰذا ہم ایٹموں کو عام طریقوں سے دیکھنے کی کوئی امید نہیں رکھتے اور ان کے ذرات کو بھی۔ صفحہ 73 پر مصنف لکھتا ہے کہ قوت کو لے جانے والے ذرات جو مادی ذرات کے درمیان منتقل ہوتے رہتے ہیں ان کو غیر حقیقی ذرات (Virtual

Marfat.com

Particles) کہا جاتا ہے کیونکہ حقیقی ذرات کی طرح ان ذرات کو محسوس کرنے والے آلات سے جانا یا محسوس نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں معلوم ہے کہ یہ غیر حقیقی ذرات موجود ضرور ہیں کیونکہ ان کے اثرات کو ماپا جا سکتا ہے۔ اس صفحہ 73 پر مصنف کہتا ہے کہ 1932ء میں پوزیٹران (Positron) کی دریافت نے ڈائیرک کے نظریے (Dirac's Theory) کو ثابت کر دیا ہے۔ اب ہم یہ جان گئے ہیں کہ ہر ذرے کا ایک مخالف ذرہ (Anti Particle) بھی ہوتا ہے جس کے ساتھ یہ مل کر اپنے آپ کو فنا کر سکتا ہے۔ اور یہ عین ممکن ہے کہ ان مخالف ذرات سے مخالف ایٹم یا مخالف دنیائیں یا ضد مادہ دنیائیں اور ضد مادہ لوگ (Anti People) بنے ہوں اور موجود ہوں" جان وائٹ اپنی تالیف حدود الشعور میں صفحہ نمبر 251 پر ڈائیرک کے حوالے سے لکھتا ہے کہ "ضد مادہ کو ٹسٹ کرنا نسبتاً آسان ہے اس کی تسلی بخش تفصیلی تحقیق کی گئی ہے اور یہی معلوم ہوا ہے کہ یہ ضرور موجود ہے" (Frontiers of Conciousness. page 251) لہٰذا ہم اس سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ 20 ویں صدی کی سائنس نے مذہب کے نظریے کی توثیق (Confirmed) کر دی ہے۔ کہ کائنات میں ایسی اشیاء یا مخلوقات موجود ہیں۔ جو انسانی حواس سے ماوراء ہیں۔ اس طرح خدا بھی انسانی حواس خمسہ سے ماوراء حقیقت ہے۔ اب اگر سائنس کی زبان میں ہم کہیں کہ خدا کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ

"خدا تخلیق کا اصول ہے۔ اشیاء کی تنظیم قانون دینے والا قائم رکھنے والا اور حیات کا اصول ہے" کیونکہ انسان کی تمام تر عقل و منطق ہمیں اسی کی طرف لے کر جاتی ہے۔ مثال کے طور پر اس بات پر ہم نے گفتگو کی ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ قانون اتفاق کے تحت امینو ایسڈز کے باہم ملاپ سے ایک جاندار خلیہ وجود میں آ گیا تھا۔ اس کے باوجود بھی ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ اگر حیات کا وہ اصول وہ فارمولا وہ کلیہ موجود نہ ہوتا۔ تو قانون اتفاق کے تحت بھی حیات وجود میں نہیں آ سکتی تھی۔ لہٰذا حیات کا قانون یا اصول حیات کے وجود میں آنے سے پہلے اپنا ایک علیحدہ وجود رکھتا تھا۔ اور اس اصول کو مذہب کی زبان میں خدا کہا

Marfat.com

جاتا ہے۔ہم نے اس کتاب میں کائنات کے اس حتمی اصول حتمی حقیقت کو" کائناتی شعور" (Cosmopolitan Conciousness) کا نام دیا ہے۔اس طرح ہم اس کائناتی شعور کے بارے میں انسانی شعور کا مطالعہ کر کے کافی کچھ جان سکتے ہیں اور اس کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔ کیونکہ انسانی شعور میں اس کائناتی شعور کی صفات کا پرتو موجود ہے۔اور ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی ایک حدیث بھی اس طرف اشارہ کرتی ہے۔

"مَن عَرَفَ نَفسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ"

"جس نے اپنے نفس کی معرفت حاصل کی۔اس نے اپنے رب کی معرفت حاصل کی"۔

سوال نمبر2: میرا دوسرا سوال آپ سے یہ ہے کہ کیا حقیقت وہی ہوتی ہے جو ہمیں نظر آتی ہے اور ہمارے مشاہدے میں آتی ہے؟ یا حقیقت ہمارے مشاہدے میں آنے والی چیزوں سے مختلف بھی ہو سکتی ہے؟

دھریہ: جدید سائنس کی روشن میں ہم بڑی آسانی اور وثوق سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ حقیت نظر آنے والی چیزوں اور مشاہدات سے انتہائی مختلف ہو سکتی ہے۔مثال کے طور پر ہم ٹیلی ویژن میں لوگوں کو چلتا پھرتا، بولتا، لڑتا، جھگڑتا دیکھتے ہیں۔مگر ٹیلی ویژن میں نظر آنے والے تمام مناظر کی اصل حقیقت تو منجمد تصویریں ہی ہے۔جب ان تصویروں کو تیزی سے گزارا جاتا ہے تو ان کے تیزی سے گزرنے کی وجہ سے ہماری آنکھوں کے اثر سے دماغ کے پردے پر جو اثر پڑتا ہے۔وہ متحرک، چلتی پھرتی، بولتی تصویروں کا ہوتا ہے۔کیونکہ ہماری آنکھوں سے کسی تصویر کا نقش 1/2 سکینڈ سے کم وقت میں گزارا جائے گا تو اس کا اثر ہمارے دماغ پر جیتے جاگتے، بولتے اور حرکت کرتے لوگوں والا ہوگا۔اس طرح اصل حقیقت ہمارے مشاہدے سے بہت مختلف ہے۔اسی طرح اس کرۂ ارض پر کوئی بندہ دائیں کو لٹکا ہوا ہے کوئی بائیں کو، کوئی اوپر کی طرف کوئی نیچے کی طرف۔مگر سب لوگ اپنے آپ کو سیدھا ہی محسوس کرتے ہیں۔ ہر انسان دوسرے کو سیدھا ہی دیکھتا ہے مگر اصل حقیقت اس مشاہدہ سے مختلف ہے۔زمین ہر جگہ سیدھی (Flat) ہی نظر آتی ہے مگر اصل میں ایسا نہیں

Marfat.com

ہے۔سورج ہمیں طلوع ہوتا ہوا اور غروب ہوتا ہوا نظر آتا ہے مگر اصل حقیقت یہی ہے کہ سورج طلوع وغروب نہیں ہوتا۔یعنی حقیقت ہمارے مشاہدے اور تجربے سے مختلف ہے۔

فہیم: آپ نے بڑے اچھے طریقے سے بڑی اچھی مثالوں سے جواب دیا اور مسئلے کو واضح کیا۔لہٰذا آپ کی دی ہوئی مثالوں سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ بعض حالات میں اصل حقیقت ہمارے حواس خمسہ سے حجاب میں رہتی ہے۔اب میں آپ کی دی گئی مثالوں میں ایک اور کا اضافہ کرتا ہوں۔اور وہ مادے کی حقیقت کے حوالے سے ہے۔ہم مادے کو مختلف شکلوں،قسموں اور چیزوں کے حوالے سے مشاہدہ کرتے ہیں۔مثلاً ٹھوس،مائع،گیس وغیرہ۔لیکن جب ہم مادے کے حتمی ذرات پر غور کرتے ہیں یعنی کوارکس (Quarks) پر تو یہ نہ ٹھوس ہیں نہ مائع نہ گیس۔ان کوارکس کو ہم حواس خمسہ کے ذریعے دیکھ نہیں سکتے نہ محسوس کر سکتے ہیں۔اس طرح کوارکس کی حقیقت ہمارے لئے صرف ایک خیالی تصور یا ذہنی نظریہ (Concept in human mind) کی رہ جاتی ہے۔اس طرح مادی کائنات کی اصل حقیقت ہمارے حواس خمسہ سے حجاب میں رہ جاتی ہے۔چونکہ خدا اس کائنات کی حتمی حقیقت ہے لہٰذا خدا بھی ہمارے حواس سے حجاب میں رہتا ہے۔کیونکہ خدا کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں جنہیں سائنس بھی مانتی ہے اور مادہ پرست بھی مانتے ہیں ہمارے حواس سے حجاب میں رہتی ہیں۔جب ہم مادے کے حتمی ذرات کے بارے میں غور کرتے ہیں تو ان کی حقیقت انسانی ذہن کے ایک خیال ''کوارکس'' (Quarks) اور غیر حقیقی ذرات (Virtual Particles) کے خیال تک محدود ہو جاتی ہے۔یعنی کائنات کی حتمی حقیقت موجودہ سائنس کے مطابق انسانی ذہن کے دو خیال دو نظریے کوارکس اور ''ورچول'' ذرات (Quarks & virtual Particles) ہے۔یعنی کہ کائنات کی حتمی حقیقت خیال ہے۔اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ کائنات کائناتی شعور کا ایک خیال ہے۔اور خیال کی حقیقت غیر مادی ہی ہوتی ہے خیال مادہ نہیں ہوتا۔لہٰذا کائنات کی حتمی حقیقت غیر مادی ہے۔اس طرح ہم یہ وثوق سے کہہ سکتے

Marfat.com

ہیں کہ مذہب جو صدیوں سے یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ کائنات کی اصل حقیقت غیر مادی ہے جو کہ خدا ہے۔ موجودہ سائنس نے اس غیر مادی نظریے کو ثابت کر دیا ہے۔

سوال نمبر 3: میرا تیسرا سوال یہ ہے کہ کہ اصل حقیقت لطیف ہے یا کثیف ہے۔ یا اصل حقیقت لطافت ہے یا کثافت؟

دھریہ: ول ڈیورینٹ اپنی کتاب ''لذات فلسفہ کے صفحہ 40'' پر لکھتا ہے کہ ''ہمیں بتایا جاتا ہے کہ الیکٹران میں مادے کی خصوصیت میں سے کوئی بھی نہیں پائی جاتی۔ یہ نہ ٹھوس ہیں نہ مائع نہ گیس ان میں کمیت بھی نہیں ہوتی اور ان کی کوئی ہیئت (شکل) بھی نہیں ہے۔ اور الیکٹران کا ریڈیو ایکٹیوٹی (Radio Activity) کے دوران خارج ہونا غائب ہو جانا ضائع ہو جانا۔ اس نظریے کے بارے میں بھی مشکوک وشبہات پیدا کر دیتا ہے کہ مادہ فنا نہیں ہوتا۔

گرمی، بجلی، نور وغیرہ (Heat, Electricity, Light) مادے کی دنیا کی آخری حدود کو ظاہر کرتی ہیں اور اس کے بعد یہ ایتھر کے جہان میں گم ہو جاتی ہیں (صفحہ 40 لذا فلسفہ) پروفیسر ایڈنگٹن کہتا ہے کہ ایتھر مادہ نہیں ہے بلکہ غیر مادہ (non Material) ہے۔ ہم تاریخ کے ایسے موڑ پر ہیں کہ نفسیات اپنے تمام تر ذرائع سے یہ کوشش کر رہی ہے کہ شعور کے نظریے کو رد کر کے انسانی ذہن کو محض مادی حدود میں لے آئے۔ فزکس اس موڑ پر ببانگ دہل اعلان کر رہی ہے کہ مادہ موجود نہیں ہے۔ اور پوری کائنات کی حقیقت شعور ہے (صفحہ 41 لذات فلسفہ) برٹرینڈ رسل برطانیہ کا مشہور فلسفی اپنی کتاب تصوف اور منطق (Mysticism and Logic) میں صفحہ 125,124 پر کہتا ہے کہ مادی چیزوں کے بارے میں میرا نظریہ برگسان (Bergason) کی فلم والی مثال دینے سے واضح ہو جائے گا۔ جب ہم ایک فلم میں دیکھتے ہیں کہ ایک بندہ کسی پہاڑ سے نیچے آ رہا ہے یا پولیس سے بھاگ رہا ہے وغیرہ تو ہم جانتے ہیں کہ فی الحقیقت یہ کوئی ایک بندہ حرکت نہیں کر رہا۔ بلکہ بہت سی تصویروں کا ایک سلسلہ حرکت کرتا ہے۔ جس میں ہر تصویر بندے کی ایک مختلف

Marfat.com

حرکی حالت پر مبنی ہوتی ہے۔ایک جسم جوایک مکعب فٹ کا ہوتا ہے اس کے بارے میں ماننا پڑتا ہے کہ یہ بہت سے چھوٹے چھوٹے اجسام پر مشتمل ہے جو مکعب فٹ کی بہت ہی تھوڑی جگہ گھیرتے ہیں۔اس طرح ایک چیز جوایک گھنٹے کے لئے موجود رہتی ہے یا قائم رہتی ہے۔ یہ ایسی چھوٹی اشیاء پر مبنی ہوتی ہے جوایک گھنٹے سے کم عرصے کے لئے قائم رہی ہوں۔ مادے کے بارے میں ایک صحیح نظریہ وہی ہوگا۔ جو مادے کو مادی ذرات اور وقتی ذرات (Time corpuscles & space corpuscles) میں تقسیم کرے۔ یہ دنیا بہت ہی چھوٹی چھوٹی اشیاء پر مشتمل تصور کی جاسکتی ہے۔جن کو ایک ترتیب دے دی گئی ہے۔ یہ چیزیں واقعات ہیں۔ واقعات کو اینٹوں کی مثال سے نہیں سمجھنا چاہے بلکہ ایک گیت میں چھوٹے چھوٹے سروں کی مثال سے سمجھنا چاہیے۔ایک گیت کے حتمی ذرات وہ سر ہیں جن میں سے ہر ایک ایک مختصر سے وقفے کے لئے قائم رہ کر گیت کی تخلیق کرتا ہے۔

(Msysticism & Logic. Page 124,125)

فہیم: آپ نے مادی کائنات کے بارے میں جدید ترین تحقیق کی بڑی اچھی وضاحت کی ہے۔ یہاں ایک بار پھر مذہب کا صدیوں پرانا دیا ہوا نظریہ ثابت ہوتا ہے۔اور وہ نظریہ یہ تھا اور ہے کہ یہ مادی کائنات ایک دھوکہ فریب ہے۔اور اصل حقیقت اس حجاب کے پیچھے چھپی ہوئی ہے۔ برٹرینڈ رسل صاحب تو خود بہت بڑے دہریے تھے مگر سینما کے پردے کی مثال دے کر وہ مذہب کے نقطہ نظر کو ہی بیان کر رہے ہیں کہ اصل حقیقت اس مادی پردے کے پیچھے ہے۔ ہماری جدید سائنس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہمارے حواس خمسہ ہمارے لئے ایک فریب ایک حجاب کی تخلیق کرتے ہیں۔ اصل حقیقت اس حجاب کے پیچھے ہے۔ برٹرینڈ رسل سے میں یہ سوال کرتا ہوں کہ سینمیٹو گراف (Cimematograph) کو کون چلا رہا ہے۔اگر انسانی حواس میکانکی طور پر اس ابتدائی مادے سے ترقی یافتہ ہیں تو پھر انہیں اصل حقیقت کا ادراک ہونا چاہیے۔اور سینمیٹو گراف کا فریب پیدا نہیں ہونا چاہیے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سینمیٹو گراف کے چلانے والے نے جان بوجھ کر ایک خاص مقصد کے

Marfat.com

تحت یہ فریب پیدا کیا ہے۔ تا کہ انسانی شعور کی نشوونما ہو سکے۔ ورنہ میکانکی تصور کائنات سینمیٹو گراف کے اس فریب کی کوئی توجیح بیان نہیں کرسکتا۔ لہٰذا ہمیں ایک بار پھر یہ نتیجہ اخذ کرنا پڑتا ہے کہ کوئی سپر دماغ یا شعور اس تمام ڈیزائن کے پیچھے کارفرما ہے۔ کسی سپر دماغ اور شعور نے یہ تمام ڈیزائن اپنی مرضی کے مطابق اور گہری بصیرتوں اور مقاصد کے تحت یہ کائنات تخلیق کی ہے۔ تو مذہب ہمیشہ سے اس بات پر زور دیتا چلا آ رہا ہے کہ کائنات کی حقیقت کثافت سے لطافت کی طرف ہے۔ اور جدید سائنس نے صرف اس کو تحقیق کے ذریعے ثابت کیا ہے۔ لہٰذا حتمی حقیقت تو حیات کا قانون، کائنات کی تنظیم، تخلیق ہے جو ایک سپر شعور کا کام ہے۔ اس حتمی حقیقت کے لئے ''کیوں'' کا سوال بے معنی ہے۔ مثلاً ہر چیز گرمی کی وجہ سے گرم ہوتی ہے۔ گرمی بذات خود کیوں گرم ہے۔ یہ سوال خلاف عقل ہے۔ اور گرمی کے بارے میں یہ سوال نہیں کیا جا سکتا۔ ہر زندہ چیز حیات کی وجہ سے زندہ ہے، تو حیات بذات خود کس وجہ سے زندہ ہے؟ یہ سوال فضول ہے۔ لہٰذا ہر وجود تخلیق کے قانون کی وجہ سے ہے، جو ہر وجود کو وجود عطا کرتا ہے۔ اور وہ بذات خود واجب الوجود (Self Existent) ہے۔ چونکہ ہر تخلیق اور ایجاد کے لئے شعور کی مداخلت اور وجود ضرورت ہے لہٰذا کائنات کا حتمی قانون ایک کائناتی شعور ہے۔ چونکہ یہ کائناتی شعور، انسانی شعور سے ملتا جلتا رویہ اپناتا ہے۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کی ایک شخصیت (Personalety) خودی (Ego) اور انا (Id) ہے لہٰذا کائنات کا حتمی قانون، خودی یا شعور مذہب کی زبان و اصطلاح میں ''خدا'' کہلاتا ہے۔

سوال نمبر 4: چوتھا سوال یہ ہے کہ کیا قانون اتفاق انسانی دنیا کی سادہ ترین چیز ''سینے والی سوئی'' تخلیق کرسکتا ہے؟

دھریہ: نہیں! قانون اتفاق تو فطرت کا قانون ہے یہ فطرت میں نافذ العمل ہوتا ہے انسانی دنیا میں نہیں ہوتا۔

فہیم: پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر قانون اتفاق ایک سادہ ترین چیز سینے کی سوئی نہیں تخلیق

Marfat.com

کرسکتا۔تو یہ ایک زندہ جاندار خلیہ کس طرح تخلیق کرسکتا ہے جو کہ انتہائی پیچیدہ چیز ہے۔

دوسری بات یہ کہ آپ نے فرمایا کہ قانون اتفاق فطرت کا قانون ہے اور انسانی دنیا میں نافذ العمل نہیں ہے۔مگر آپ سینے والی سوئی کو فطرت سے کیسے علیحدہ کر سکتے ہیں۔ کیونکہ سینے والی سوئی کیا ہے۔بس آئرن کے ایٹموں کا ایک سیدھی ترتیب میں اکٹھا ہونا ہے۔اور آئرن کے ایٹم فطرت کا حصہ ہیں۔اگر قانون اتفاق بہت سے نامیاتی اور غیر نامیاتی ایٹموں کو اکٹھا کر کے پروٹین کے مالیکیول بنا سکتا ہے اور پھر پروٹین کے مالیکیولز سے امینوایسڈز کے پیچیدہ مالیکیولز بنا سکتا ہے اور امینوایسڈز کے مالیکیولز سے ایک ایسا جاندار خلیہ بنا سکتا ہے جو بعد میں ارتقائی مراحل طے کر کے حضرت انسان کی تخلیق پر منتہی ہوتا ہے۔ تو پھر یہ ایک سادہ آئرن کے ایٹموں کے ایک ڈھیر سے سینے کی سوئی کیوں تخلیق نہیں کرسکتا۔

تیسری بات یہ کہ قانون اتفاق کو یہ علم کیسے ہوا۔کہ پروٹین اور امینوایسڈز کے اس ملاپ میں حیات کا فارمولا ہے۔اور حیات تخلیق ہوسکتی ہے۔چوتھی بات یہ کہ آخر یہ حیات کا فارمولا بنایا کس نے۔یہ کائنات میں کہاں سے آیا۔کسی اور ملاپ (Combination) سے حیات وجود میں کیوں نہیں آتی۔آخر یہ کس کا فیصلہ تھا کہ اس قسم کے ملاپ سے حیات وجود میں آئے گی۔اور باقی طریقوں سے نہیں آئے گی۔لہٰذا ماننا پڑتا ہے کہ قانون اتفاق میں حیات تخلیق کرنے کی قابلیت نہیں ہے۔اور دہریوں نے اس قانون اتفاق کو مذہب کے رد کرنے کے لئے ناجائز طور پر استعمال کیا ہے۔دوسری بات یہ کہ قانون اتفاق کوئی قانون ہے ہی نہیں۔کیونکہ یہ تجربات اور مشاہدات سے کبھی ثابت نہیں ہوا۔تیسری بات یہ کہ کسی بھی بندے نے حیات کی تخلیق کا قانون اتفاق کے ذریعے مشاہدہ نہیں کیا۔لہٰذا ہم اس نظریے کو ایک سائنسی حقیقت نہیں کہہ سکتے۔یہ تو بس دہریوں کا ایک مبہم قسم کا ہتھیار ہے۔لہٰذا ہم یہ نتیجہ نکالنے میں حق بجانب ہیں کہ مذہب کا نقطہ نظر زیادہ منطقی اور سائنسی تحقیق وتجربات کے قریب ہے۔

سوال نمبر5: کیا آپ انسانی دنیا میں کوئی ایک ایسی مثال دے سکتے ہیں جس میں کوئی ایجاد

Marfat.com

بغیر انسانی شعور کے وجود میں آئی ہو۔ایک سادہ ترین سوئی سے لے کر سپر کمپیوٹر تک کیا کوئی ایسی مثال ہے۔

دھریہ:نہیں ایسی کوئی مثال نہیں دی جاسکتی۔

فہیم: یہی نظریہ مذہب کا تخلیق کے بارے میں ہے۔اور تخلیق کا عمل ایجاد کے عمل سے زیادہ پیچیدہ اور معجزاتی ہے۔ جب انسانی دنیا میں کوئی ایجاد انسانی شخصیت اور شعور کی مداخلت کے بغیر عمل میں نہیں آسکتی۔تو اسی طرح کائنات میں یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی تخلیق بغیر کائناتی شعور یا خالق کی شخصیت کی مداخلت کے بغیر وجود میں آجائے۔آخر یہ دہریے لوگ ایک مسلمہ قانون کی نفی کیوں کرتے ہیں۔کہ کوئی تخلیق کا عمل شعور کی مداخلت کے بغیر عمل میں نہیں آسکتا۔اور اس قانون کا ثبوت ہمیں انسانی زندگی میں مکمل طور پر اس طرح ملتا ہے کہ انسانی زندگی میں کوئی بھی ایجاد کا عمل بغیر انسانی شعور کی مداخلت کے عمل میں نہیں آسکتا۔اور اس قانون سے کوئی ایک چیز بھی باہر نہیں۔یعنی اس میں کوئی استثناء (Exception) نہیں ہے۔لہٰذا منطقی طور پر یہ مسلمہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ کوئی بھی ایجاد یا تخلیق کا عمل انسانی شعور یا کائناتی شعور کی مداخلت کے بغیر رونما نہیں ہوسکتا۔یہ ایک ناقابل تغیر قانون فطرت ہے۔مثال کے طور پر اگر آپ خلاء میں چلے جائیں۔اور ادھر دیکھیں کہ ایک بڑا زبردست کمپیوٹر پڑا ہوا ہے اور وہ مختلف عوامل سرانجام دے رہا ہے۔تو آپ کبھی بھی یہ نہیں کہیں گے کہ یہ کمپیوٹر اتفاقی طور پر یہاں وجود میں آگیا ہے۔ بلکہ آپ اس کے وجود کی توجیح یہی بیان کریں گے کہ یہ کسی ذہین ہستی یا صاحب شعور ہستی نے بنایا ہے۔اگرچہ وہ ذہین ہستی ہمیں نہیں معلوم کہ کون ہے۔مگر یہ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ خلائی کمپیوٹر کسی صاحب شعور و ذہانت ہستی نے بنایا ہے۔اب اگر کوئی دہریہ اس کمپیوٹر کے اندر باہر کا تجزیہ اور مطالعہ شروع کردے یہ پتہ لگانے کے لئے کہ اس باشعور ہستی کا سراغ اس کے کسی حصے پرزے میں مل جائے۔جسے مشاہدہ کیا جاسکے۔تو وہ کامیاب نہیں ہوگا۔لیکن اگر وہ ایک مجموعی نگاہ اس کمپیوٹر اور اس کے افعال پر ڈالے گا تو اس کی کارکردگی میں اسے اس سائنس دان کی ہستی اور شعور

Marfat.com

کارفرما نظر آئے گا۔اسی طرح کائنات کا یہ عظیم نظام یہ سپر کمپیوٹر جو کروڑوں اربوں سال سے چل رہا ہے۔ یہ بھی کسی شعور یا ہستی کے بغیر وجود میں نہیں آ سکتا۔لہٰذا ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کائنات کے نظام کے پیچھے ایک عظیم کائناتی شعور کارفرما ہے۔اور دہریت کے قانون کی ہمیں کوئی مثال ایجاد یا تخلیق میں نہیں ملتی۔ یہ قانون اتفاق صدیوں کے انسانی مشاہدے کے خلاف ہے۔لہٰذا دہریت کی منطقی بنیاد نہیں ہے بلکہ یہ مذہب کے خلاف دشمنی یا تعصب کے جذبے پر مبنی ایک نقطۂ نظر تھا جسے موجودہ سائنس نے سائنسی دلائل کے ذریعے غلط ثابت کر دیا ہے۔

سوال نمبر6: میرا چھٹا سوال یہ ہے کہ کیا زمان و مکاں صرف یہی ہے جس میں ہم رہتے ہیں یا اور زمان و مکاں اور جہاں بھی موجود ہیں؟

دھریہ: 17ویں اور 18ویں صدی میں تو سائنس صرف ایک ہی زمان و مکاں کی بات کرتی تھی۔اور اس نے مزید زمان و مکاں اور دوسرے جہانوں کے وجود کو مسترد کر دیا تھا۔ مگر جدید ترین تحقیق اس بارے میں کیا ہے میں نہیں جانتا۔اگر آپ کے علم میں ہو تو آپ بتایئے میں ہمہ تن گوش ہوں۔

فہیم: جدید تحقیق تو کئی دوسری کائناتوں اور زماں و مکاں کی بات کر رہی ہے۔ یہاں پر میں کٹی فرگوسن (Kitty Ferguson) کا اقتباس پیش کرنا چاہوں گا۔وہ اپنی کتاب میں جو سٹیفن ہاکنگ کی تھیوریز کے بارے میں لکھی گئی ہے لکھتی ہے کہ

''کئی اور چھوٹی (Baby) اور بڑی (Grown.up) کائناتیں بھی ہیں؟ کیا یہ مختلف شاخوں کی طرح موجودہ کائنات سے نکلی ہوئی ہیں؟ جی ہاں یہ عین ممکن ہے کہ نئی کائناتیں مسلسل ہمارے اردگرد وجود میں آ رہی ہوں۔ ہماری یہ کائنات ہو سکتا ہے ایک دن ان گنت کائناتوں کے سلسلے کا ایک حصہ ہو۔ جو کہ شاخوں کی طرح ایک دوسرے سے پھوٹی ہوئی اور جڑی ہوئی شہد کی مکھی کے چھتے کی طرح پھیلی ہوئی ہوں۔جن میں چھوٹی (بچپن والی) اور بالغ کائناتیں بھی ہوں۔ گرم سوراخ (Warmholes) ہو سکتا ہے ہماری

Marfat.com

کائنات کو دوسری چھوٹی کائناتوں (Baby- universes) سے یا کسی اور وقت سے جوڑتے ہوں۔

A Quest for a Theory of every thing Page: 141-142 By:)
(Kitty Ferguson

دوسرا اقتباس اس سلسلے میں میں ایک بہت اچھی کتاب ایرو آف ٹائم (Arrow of Time) سے پیش کرنا چاہوں گا۔لکھا ہے کہ

''ایوریٹس (Everettes) کی تشریح یہ ہے کہ ایک الیکٹران اپنے لئے ایک درز (Slit) کا انتخاب نہیں کرتا بلکہ کائنات کا انتخاب کرتا ہے۔ جب وہ ایک درز کی بجائے دوسری درز کا انتخاب کرتا ہے۔تو کائنات دو میں منقسم ہو جاتی ہے۔ایوریٹس کے نظریے کا نچوڑ یہ ہے کہ کائنات بذات خود ایک موج کی طرح عمل (Wavefunction) کرتی ہے۔اور اس میں کچھ بھی برآمد ہونے کے امکان یا اجزاء پائے جاتے ہیں اس کی یہ تشریح عجیب وغریب قسم کے نتائج پر مبنی ہے۔جن میں سے ایک یہ ہے کہ ان گنت کائناتوں کا متوازی سلسلہ ہے۔ان میں سے ہر ایک اتنی ہی حقیقی ہے جتنی کہ یہ ہماری کائنات ہے۔ اور یہ تمام کائناتیں ایک دوسرے کے سہارے کے بغیر قائم ہیں۔آپ کا بعید ترین خیال یا خواب بھی ان دوسری کائناتوں میں حقیقی طور پر موجود ہو سکتا ہے۔

The Arrow of Time Page:133. Peter Coveny & Roger)
(Highfield

تیسرا اقتباس سٹیفن ہاکنگ کی کتاب سے پیش کرنا چاہوں گا وہ کہتے ہیں کہ

ہم اب یہ جان گئے ہیں کہ ہر ذرے کا ایک مخالف ذرہ (Anti Particle) بھی ہے۔جس کے ساتھ ٹکرا کر یہ فنا ہو سکتا ہے۔یہ عین ممکن ہے کہ ان مخالف ذرات سے مخالف دنیائیں (Anti-worlds) بنی ہوئی ہوں۔اور ان میں مخالف لوگ (Anti-People) بھی آباد ہوں۔

Marfat.com

(A Brief History of Time Page:73. By Stephen Hawking)

چوتھا اقتباس پھر ''ایرو آف ٹائم'' سے پیش کرنا چاہوں گا۔

مصنف لکھتے ہیں کہ

''ہم اگر محتاط انداز سے کہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ سی پی ٹی نظریہ (CPT Mirror Image) یہ کہتا ہے کہ فزکس کے قوانین ایک عالم امثال (Theorem World) میں بعینہٖ اسی قسم کے الٹے واقعات کا سراغ دیتے ہیں''۔

(Arrow of Time Page: 39. By: Peter Coneny)

پانچواں اقتباس حدود الشعور کتاب سے پیش کرنا چاہوں گا جو جان وائٹ کی تالیف ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ

''جب بیکسٹر اپنے پودوں کو پانی دے رہا تھا۔ تو اسے اچانک ایک خیال آیا۔ جس سے اس نے ایک تجربے کا آغاز کیا۔ اس بار تجربے کا مرکزی کردار ڈابر مین پنشر (Doberman Pinscher) اس کا پالتو کتا تھا جو اس نے لیبارٹری میں رکھا ہوا تھا۔ اور بعض اوقات اس کو گندے انڈے ڈال دیتا تھا تا کہ اس کی جلد کو ملائم بنا سکے۔ بیکسٹر نے ایک پودے کو پولی گراف سے جوڑا ہوا تھا۔ ایک موقعہ پر بیکسٹر نے دیکھا کہ اس پودے نے شدید ردعمل کا اظہار کیا جب ایک انڈا ٹوٹا۔ لہٰذا اس نے انڈے کو بھی پولی گراف (Polygraph) کے ساتھ جوڑ دیا۔ اور ایک گھنٹے کے کچھ حصے میں عجیب اور حیران کن بات سامنے آئی۔ اور ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے وہ چوزے کے دل کی دھڑکن ہے جو پولی گراف محسوس کر رہا تھا۔ جب اس کے اعداد و شمار لئے گئے۔ تو یہ دھڑکن 170 فی منٹ تھی۔ جو کہ تین چار دن سیئے ہوئے (Incubated) انڈے میں چوزے کی ہوتی ہے۔ مگر یہ دھڑکن تو ایک تازہ انڈے سے آ رہی تھی جو کہ سینے (Incubation) کے لئے ابھی رکھا ہی نہیں گیا تھا۔ بعد میں بیکسٹر نے انڈے کو توڑ کر دیکھا مگر اس میں کسی قسم کے دوران خون کے نظام (Blood Circulatory System) کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے

Marfat.com

تھے جس کی وجہ سے یہ دھڑکن سنائی دی جاسکتی تھی۔ بیکسٹر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا اور اپنے آپ سے سوال پوچھا۔ کہ کیا انرجی کا ایک ایسا منبع (Blueprint) یا نمونہ موجود ہے جو ایک مادے کو ایک نمونہ اور ترتیب (Rythm) مہیا کرتا ہے اور اس سے مادہ نامیاتی اجسام تیار کرتا ہے۔ ایک قوت کا میدان۔ جس کے بارے میں پہلے یہ علم نہیں تھا کہ وہ موجود ہے۔ کیا ایک جاندار کا خیال یا تصور (Idea) اس کے جسم سے پہلے موجود ہوتا ہے؟ شاید یہ انجیل اور افلاطون کے اس تصور کا ثبوت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ شروع میں تو بس اشیاء کے لوگوز نے (Logos) تھے۔ یعنی اشیاء کے بننے کے اصول یا اشیاء کی خیالی صورتیں۔

(Frontiers of Conciousness. Page 190-191)

لہٰذا یہ پانچ اقتباسات جو میں نے مختلف کتب سے پیش کیے ہیں یہ ثابت کرتے ہیں کہ جدید سائنس دوسرے جہانوں اور دوسرے زمان و مکان کے وجود اور موجودگی کو ماننے لگی ہے۔ اور بیکسٹر (Backster) کے تجربات جو اس نے پودوں اور انڈوں پر کیے، اس بات کا سائنسی ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ آئن سٹائن کا نظریہ اضافیت بھی زمان و مکاں کے اضافی ہونے کی بات کرتا ہے۔ اور بالواسطہ دوسرے جہانوں کی موجودگی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ لہٰذا اس طرح جدید سائنس مذہبی عقیدے کے کنارے پر پہنچ گئی ہے۔ جہاں مذہب اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی کی بات کرتا ہے۔ دوسرے زمان و مکاں کا عقیدہ جسے مذہب کی زبان میں جنت و جہنم کہا گیا ہے۔ اور دوسری مخلوقات کا عقیدہ۔ اس طرح جدید سائنس انہی حقائق کو دریافت کر رہی ہے جو دنیا کے الہامی مذاہب میں بتائے گئے ہیں جن میں اسلام جدید ترین اور غیر منحرف کتاب کا حامل ہے۔

سوال نمبر 7: میرا ساتواں سوال یہ ہے کہ کیا علم کی بنیاد کچھ بنیادی تصورات کو بلا تحقیق کے مان لینے پر ہے یا نہیں؟ ایسے تصورات جن کو تجربات نے ابھی ثابت نہیں کیا ہوتا آپ کا کیا خیال ہے؟

دھریہ: اگر ہم ایک سائنسی نقطہ نظر کے حامی ہیں تو ہم بغیر تحقیق اور ثبوت کے کچھ اپنا

Marfat.com

نہیں سکتے۔اگر ہم سائنسی نقطہ نظر اور طریقہ کار کے حامی ہیں تو۔

فہیم: اگر آپ یہ طریقہ کار صحیح معنوں میں اپنائیں تو آپ علم کے کسی بھی میدان میں آگے بڑھ ہی نہیں سکتے۔کیونکہ علم کی بنیادیں تو استوار ہی ایمان پر ہوتی ہیں۔آپ کو چند بنیادی حقائق پر ایمان لانا ہی پڑتا ہے علم حاصل کرنے کے لئے۔اور آپ یہ کرتے بھی ہیں مگر اس کا آپ کو شعور نہیں ہے۔

دھریہ: آپ ایک دہریے کے بارے میں یہ دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں۔ہم تو کسی چیز کو بھی بغیر تحقیق کے نہیں مانتے؟

فہیم: میں اس سلسلے میں چند مثالیں آپ کو دوں گا۔مثلاً انگریزی زبان سیکھنے کے لئے آپ کو انگریزی کے حروف تہجی کو بغیر چوں چرا اور بغیر کسی تحقیق کے تسلیم کرنا پڑتا ہے۔اور ان بنیادی حروف پر ایمان لانا پڑتا ہے۔اور باقی تمام دوسری زبانوں کا بھی یہی حال ہے کہ ان کی بنیادی حروف تہجی آپ کو ماننی پڑتی ہے۔حساب والجبرا (Math & Algebra) سیکھنے کیلئے آپ کو ہندسوں 4,3,2,1 وغیرہ کو ماننا پڑتا ہے۔اور ان پر ایمان لانا ہوتا ہے۔ورنہ آپ حساب کا علم حاصل نہیں کر سکتے جس طرح دوسرے علوم جو اس گنتی پر مبنی ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہر نئی سائنسی تھیوری کے کچھ بنیادی مفروضات (Basic Postulates) ہوتے ہیں جن کو بغیر تحقیق کے ہی ماننا پڑتا ہے۔اس کے بعد ہی اس سائنسی نظریے پر تحقیق کی جاسکتی ہے۔مثال کے طور پر آئن سٹائن کے نظریے اضافیت میں ایک درجن سے زیادہ ایسے مفروضات یا اصول موضوعہ ہیں (Destiny of Man. Page 12) ہر ایجاد موجد کے اس ایمان ویقین کی مرہون منت ہوتی ہے جس کے تحت وہ اپنی تحقیق شروع کرتا ہے۔اگر موجد کو اس ایجاد کے بارے میں یقین نہ ہو تو وہ تحقیق کر ہی نہیں سکتا۔اسی طرح جیومیٹری کا علم حاصل کرنے کے لئے آپ کو جیومیٹری کے بنیادی اصولوں کو ماننا ہی پڑے گا مثلاً ایک تکون کے تین زاویوں کا مجموعہ 180 ڈگری ہوتا ہے۔ایک تکون کے تین زاویے ہوتے ہیں۔اگرچہ ہمیں فطرت میں اس قسم کی جیومیٹری والی اشکال کہیں بھی نظر نہیں

Marfat.com

آتیں۔لہٰذا یہ تمام مثالیں ثابت کرتی ہیں کہ علم حاصل کرنے کے لئے آپ میں ایمان ہونا ضروری ہے تبھی تو آپ آمادہ ہوں گے علم حاصل کرنے پر۔ مذہب کا طریقہ کار اور دعوت ہمیشہ سے یہی رہی ہے۔ کہ آپ چند بنیادی حقائق پر ایمان لے آؤ۔ جب ایمان لے آؤ گے تو پھر ان حقائق کے بارے میں علم آپ پر منکشف ہونا شروع ہو جائے گا۔اور یہی عمل علم کی دوسری شاخوں میں بھی کارفرما ہے۔ عظیم مسلمان فلسفی ڈاکٹر رفیع الدین اپنی کتاب ''مستقبل کی آئیڈیالوجی'' میں لکھتے ہیں کہ

''فی الحقیقت جس علم کو ہم سائنسی اور عقلی سمجھتے ہیں مکمل طور پر عقلی و سائنسی نہیں ہوتا۔ بلکہ اس میں انسانی ایمان، وجدان اور جذبات کی کافی آمیزش ہوتی ہے۔ یہ بھی ایک وجہ ہے جس کی وجہ سے سائنسی علم تبدیل ہوتا رہتا ہے۔اور اپنے آپ کو بدلتا رہتا ہے۔ایک ایسا شخص جو اپنا ذہن یہ بنالے۔ کہ وہ صرف ان حقائق کو تسلیم کرے گا جو فی الحقیقت سائنسی اور عقلی طور پر ثابت ہو سکیں تو وہ اس دنیا میں کچھ کرنے کے قابل نہیں ہو گا۔ بغیر ایمان یا عقیدے کے میں یہ یقین کر ہی نہیں سکتا کہ سورج کل طلوع ہو گا یا جب ایک پتھر میرے ہاتھ سے گرے گا تو زمین پر ہی گرے گا''۔

(Ideology of the Future. Page 85,86)

سوال نمبر 8: میرا آٹھواں سوال یہ ہے کہ کیا علم حاصل کرنے کا ذریعہ صرف حواس ہی ہیں یا کوئی اور ذرائع بھی ہیں جن کے ذریعے علم حاصل ہو سکتا ہے؟

دھریہ: سائنس میں ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں۔ کہ علم حاصل کرنے کا ذریعہ صرف حواس ہی ہیں۔ سائنس علم حاصل کرنے کے کسی اور ذریعے کو تسلیم نہیں کرتی۔

فہیم: مگر جدید تحقیقات نے علم حاصل کرنے کے دوسرے ذرائع کے بارے میں ثبوت فراہم کئے ہیں۔ میں ان ذرائع پر ایک ایک کر کے گفتگو کروں گا۔

نمبر 1: بہت سے لوگ ایسے خواب زندگی میں دیکھتے ہیں جو بعد میں سچے ثابت ہوتے ہیں۔اگر آپ اس موضوع پر معلومات اکٹھی کریں تو حیران کن ہیں۔لہٰذا ثابت ہوتا ہے کہ

Marfat.com

خواب بھی علم کا ایک ذریعہ ہیں۔اور دنیا میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کو خواب کے ذریعے مختلف علوم حاصل ہوتے ہیں۔ اگرچہ علم کے ذریعے کے قابل اعتماد ہونے کے حوالے سے فرق ہوسکتا ہے مگر خواب علم کا ایک ذریعہ ضرور ہے۔ بینزین (Benzene) کا کیمیائی خاکہ اس سائنس دان کو خواب میں ہی معلوم ہوا تھا۔

نمبر 2: وراثت (Genetics): انسانی خلیوں میں جنیاتی کوڈ کے دریافت ہونے سے یہ بات سامنے آئی۔ کہ جینیاتی کوڈ بھی علم حاصل ہونے کا ایک ذریعہ ہے۔ بطخ کا چھوٹا بچہ موروثی اور جینیاتی طور پر ہی تیرنا جانتا ہے۔ اسی طرح ہجرت کرنے والے پرندے جینیاتی طور پر ہزاروں میل کا راستہ طے کرنا جانتے ہیں اور سورج سے بیرنگ کی مدد سے اپنی سمت کا تعین کرنا جینیاتی طور پر جانتے ہیں۔ تمام پرندے اپنے گھونسلے بنانا اور تولید کا عمل جینیاتی طور پر جانتے ہیں۔ بعض پرندوں کے گھونسلے تو انتہائی پیچیدہ اور مصوری کی خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں۔ اسی طرح شہد کی مکھیاں جینیاتی طور پر شہد بنانا جانتی ہیں۔ جب کہ حضرت انسان اتنا عالم فاضل ہونے کے باوجود شہد نہیں بنا سکتا۔ دنیا کے بہترین بائیو کیمیکل انجینئر اور بائیو کیمسٹ شہد نہیں بنا سکتے۔ لہٰذا ان تمام مثالوں سے بغیر کسی شک وشبے کے یہ ثابت ہوا ہے کہ جینیاتی کوڈ بھی ایک علم حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔

نمبر 3: مستقبل بینی کی صفت یا صلاحیت:

(۱) ایریکا کیتھم نے ''نیسٹر وڈیمس کی پیشین گوئیاں'' نامی کتاب کا انگریزی ترجمہ کیا ہے۔ نیسٹر وڈیمس پرودنس (Provence) فرانس کے ایک شہر میں پیدا ہوا تھا۔ اس کی مستقبل بینی کی صلاحیت کا اظہار اس وقت سے ہونے لگا جب وہ جوان ہی تھا۔ 1555ء میں اس نے اپنی پیشین گوئیوں کی کتاب کا پہلا حصہ مکمل کر لیا تھا۔ جس میں اس کے اپنے زمانے سے شروع ہو کر دنیا کے خاتمے تک کی پیشین گوئیاں موجود تھیں۔

(۲) ریڈرڈ ائجسٹ والوں نے ایک کتاب شائع کی ہے۔ جس کا نام ہے نا قابل توجیح اسرار (Mysterier of the Unexplained) ہے اس کتاب میں ایک امریکن عورت

Marfat.com

کے بارے میں لکھا ہے۔اس کا نام ڈوروتھی ایلی سن ہے۔اس میں مستقبل بینی کی حیرت انگیز قوت وصلاحیت پائی جاتی ہے۔اس نے امریکی پولیس کے محکمے کی کئی مجرموں کو پکڑنے میں مدد بھی کی ہے۔

اسی طوح مسلمانوں کے کئی صوفی بزرگ گزرے ہیں جن میں مستقبل بینی کی صلاحیت پائی جاتی تھی جن میں محی الدین ابن عربی اور شاہ عنایت قابل ذکر ہیں۔اس طرح کے لوگ دنیا کے مختلف مقامات اور مذاہب میں پائے جاتے ہیں۔لہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے۔کہ مستقبل بینی کی صلاحیت بھی علم حاصل ہونے کا ایک ذریعہ ہے۔

نمبر 4: وجدان (Intuition): یہ بھی انسانی تجربات میں ایک مانی ہوئی بات ہے کہ بعض حقائق انسانوں پر بغیر سوچے سمجھے وجدانی طور پر منکشف ہو جاتے ہیں۔مثال کے طور پر آپ اپنے کام میں مصروف ہوتے ہیں کہ اچانک آپ کو ایسے لگتا جیسے آپ کا دوست جناب فلاں آرہے ہیں اور تھوڑی دیر بعد عملی طور پر یہی ہوتا ہے کہ آپ کے دروازے پر دستک ہوتی ہے آپ جا کر دیکھتے ہیں تو یہ وہی دوست ہوتا ہے۔اسی طرح بعض سائنس دان یا فلسفی ایک مسئلے کا حل سوچ رہے ہوتے ہیں جس کا کوئی حل نہیں ملتا۔اچانک وجدانی طور پر اس مسئلے کا حل ان پر منکشف ہو جاتا ہے۔

نمبر 5: صوفیانہ تجربہ (Mystic Experience): پروفیسر میکڈونلڈ کہتے ہیں کہ ابن خلدون کچھ انتہائی دلچسپ تصورات نفسیات کے حوالے سے رکھتا تھا۔اور شاید وہ پروفیسر ولیم جیمس کی کتاب ''مذہبی تجربات کی بوقلمونی'' (Varieties of Religious Experiences) کے قریب ترین ہوگا۔جدید علم نفسیات نے تو ابھی ماضی قریب میں اس حقیقت کو تسلیم کرنا شروع کیا ہے کہ صوفیانہ شعور کے حوالے سے جو ہمارے پاس تجارب پر مبنی مواد ہے اس کا عالمانہ مطالعہ کیا جائے۔ایک صوفیانہ تجربے کی اہم صفات جیسا کہ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال نے بیان کی ہیں یہ ہیں۔

(i) پہلی چیز اس صوفیانہ تجربے کی براہ راست قربت ہے۔اس حوالے سے یہ دوسرے

Marfat.com

انسانی تجربات سے مختلف نہیں۔جس کے ذریعے انسان کوعلم حاصل ہوتا ہے۔

(ii) دوسری اہم چیز صوفیانہ تجربے کی غیر منقسم پذیری اور ایک مکمل وحدت ہے۔صوفیانہ کیفیت ہمیں کلی حقیقت سے اتصال کے مقام پر لے آتی ہے جہاں کلی حقیقت انسان کو منتقل ہوتی ہے۔اس حالت میں مختلف حواس ایک دوسرے میں ضم ہو کر ایک وحدت بنا لیتے ہیں۔اس کیفیت میں عام فرق جو شاہد و مشہود (Subject or object) میں پایا جاتا ہے وہ فرق صوفیانہ تجربے میں نہیں پایا جاتا۔

(iii) تیسرا اہم نقطہ ایک صوفیانہ تجربہ کا یہ ہوتا ہے کہ اس حالت میں صوفی اپنے آپ کو اس عظیم ہستی یا خودی سے منسلک پاتا ہے۔

(iv) چونکہ صوفیانہ تجربے کی کمیت (Quality) کو اس میں سے گزر کر ہی محسوس کیا جا سکتا ہے لہٰذا یہ دوسروں سے بیان نہیں کیا جا سکتا۔صوفیانہ کیفیات احساسات سے زیادہ مشابہت رکھتی ہیں بنسبت خیالات کے (Reconstruction of Religious Thoughts) لہٰذا علم کے حصول کے لئے صوفیانہ تجربہ بھی اتنا ہی حقیقی علم پر مبنی ہے جتنا کے علم کے دوسرے ذرائع۔اور اس کو صرف اس لئے مسترد نہیں کیا جا سکتا کہ اس میں انسانی حواس کا عمل دخل نہیں ہوتا۔صوفیانہ تجربے کو حقیقت کے منکشف کرنے کے ذریعے کے حوالے سے مسترد کر دینا ایک عظیم غیر منطقی رویہ ہے۔

(Reconstruction of Religious Thoughts)

نمبر6: وحی (Revelation): وحی بھی ایک علم کا ذریعہ ہے جس کے بارے میں انبیاء دعویٰ کرتے رہے ہیں۔تمام الہامی مذاہب کا دعویٰ یہی ہے کہ ان کی بنیاد اس ذریعہ علم پر ہے۔ان تمام الہامی مذہب میں سے کسی کے پاس اگر غیر محرف حالت میں وحی کی کتاب موجود ہے تو اسلام ہے۔اسلام کی الہامی کتاب القرآن ہے۔جو کہ 14 صدیوں سے انسانی تحریف سے پاک ہے۔اور اس کی وجہ قرآن کی اپنی فصاحت و بلاغت ہے۔کہ اگر کوئی کوشش کرنا بھی چاہے تو اس میں ایک دو آیات بنا کر داخل نہیں کر سکتا۔کیونکہ وہ فوراً

Marfat.com

پکڑی جائیں گی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں قرآن کے 5 ماسٹر نسخے تیار ہوئے تھے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کے وصال سے صرف 13 سال بعد۔ ان 5 نسخوں میں سے آج

ایک نسخہ انڈیا آفس لائبریری برطانیہ میں ہے

دوسرا نسخہ تاشقند روس میں ہے۔

تیسرا نسخہ کابل افغانستان میں ہے۔

چوتھا نسخہ استنبول ترکی میں ہے جس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون لگا ہوا ہے۔

مسلمانوں کی وحی شدہ کتاب قرآن ہی ایسی کتاب ہے جو مادہ پرستی، دہریت، منطقی اثباتیت، انکار وحی (Deism) مارکس ازم، کیپٹل ازم، کیمیونزم اور دوسرے بہت سے انسانی نظریات کے راستے میں حائل ہے۔ مغربی دنیا کے لوگ مسلمانوں کے نبی حضرت محمد ﷺ کو نفسیاتی مریض (نعوذ باللہ) قرار دیتے ہیں۔ جارج فوکس ہوسکتا ہے کہ اعصابی مریض (Neurotic) ہو۔ مگر اس کے روحانی تزکیہ کرنے کی قوت سے برطانیہ کے مذہبی لوگ انکار نہیں کر سکتے۔ تو اقبال کہتے ہیں اگر حضرت محمد ﷺ نفسیاتی طور پر علیل تھے اور اس کے باوجود وہ انسانیت اور انسانی تاریخ کو ایک نئی سمت دے سکتے ہیں اور نئی سمت میں انسانیت کی رہنمائی کر سکتے ہیں تو پھر تو ان کی شخصیت نفسیاتی حوالے سے اس قابل ہے کہ ان کے وحی کے تجربے پر اس حوالے سے دقیق و بسیط تحقیق کی جائے۔ کہ ان کے روحانی تجربے سے جو علم حاصل ہوا۔ اس نے غلاموں کو انسانیت کا رہنما (Leadir) بنا دیا۔ اور دنیا کی تمام قوموں کے مستقبل کی منصوبہ بندی کر دی۔ مسلمانوں کے نبی حضرت محمد ﷺ کا اپنی وحی کی طرف جو رویہ تھا اسے ایک ایسا رویہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ جو کسی نفسی خیال یا محض تصور کی طرف انسان کا ہوتا ہے۔ ان کے رویے کو اس طرح سمجھنا ناممکن ہے۔ سوائے اس کے کہ ہم ان کے تجربے کو ایک معروضی حقیقت تصور کریں۔ ایک ایسی حقیقت جو شخصیت میں ایک نیا جوش اور یقین بھر دے۔ ایک نئی تنظیم پیدا کرنے والا تجربہ ایک نئے

Marfat.com

نقطہ آغاز والا تجربہ ہی ہم اسے کہہ سکتے ہیں۔(Reconstruction of Religious Thoughts. Page 150) دوسرا ثبوت وحی کے ایک معروضی حقیقت ہونے کا یہ ہے۔ کہ حضرت محمد ﷺ کی آمد کے بارے میں دوسرے مذاہب کے انبیاء نے اپنی الہامی کتابوں میں بتایا ہے۔ مثلاً

پرانا عہد نامہ: باب 18 ڈیوٹیرونومی (استثناء): میں ایک ایسے نبی کے آنے کے بارے میں پیشین گوئی کی گئی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہوگا۔ اور یہ بنی اسرائیلیوں کے بھائیوں میں سے ہوگا۔ یعنی کہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے۔ اس بات کا بیان آیت 15 میں ہے۔

آپ کا خدا آپ کے درمیان ہی آپ کے بھائیوں سے ایک نبی مبعوث کرے گا جو میری طرح ہوگا۔ اس کی طرف آپ نے دوڑنا ہے (یعنی ایمان لانا ہے)

آیت 18: میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا۔ اور اپنا خلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا۔

یسعیاہ باب 21 آیت 7: اس نے دو سوار دیکھے۔ ان میں سے ایک گدھے پر سوار تھا اور دوسرا اونٹ پر، وہ بڑے شوق سے دوڑتا ہوا اس کے پاس گیا''۔

یوحنا کی انجیل باب 16 آیت نمبر 7: لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہیں آئے گا۔ لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔

آیت نمبر 13: لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا۔ لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا۔ اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ (نیا عہد نامہ)

اسی طرح ہندوؤں کے صحیفوں میں بھی کئی پیشین گوئیاں حضرت محمد ﷺ کی آمد کے

Marfat.com

بارے میں موجود ہیں۔

ایک ملیچا (بدیس کا رہنے والا اور بدیسی زبان بولنے والا) روحانی استاد ظاہر ہوگا اپنے ساتھیوں کے ساتھ۔اس کا نام ''محمد'' ہوگا۔

اس کے بعد راجہ بھوج نے تعظیم کے ساتھ کہا

''میں آپ ﷺ کی انتہائی تعظیم بجالاتا ہوں۔اے وہ کہ جو انسانیت کا فخر ہے۔اور عرب کا رہنے والا ہے۔اے وہ کہ جو خدا کا اوتار ہے۔جو سب سے بڑا آقا ہے۔میں تو آپ ﷺ کا ایک غلام ہوں۔مجھے اپنے قدموں میں جگہ دے دیں۔(یہ الفاظ مہارشی ویاسا کے ہیں)

(Bhavisha Purana Parve-3 Kand-3 Adhya-3 Ashlok 5-8)

ہندوؤں کے 10 پران (Puran) ہیں ان میں سے ایک وشنو پران (پرانی چیز) ہے۔اس میں لکھا ہے کہ

صحرا سے ایک پیغمبر اٹھے گا۔اس کی ماں کا نام امانت والی (آمنہ) اس کے باپ کا نام اللہ کا غلام (عبداللہ) ہوگا۔وہ 10 ہزار سپاہیوں کے ساتھ اپنے ہی گھر کو فتح کرے گا۔اس کی رتھ کو اونٹ کھینچ رہے ہوں گے۔(وشنو پران)

اسی طرح پارسی مذہب کے صحیفوں میں بھی پیشین گوئیاں دی گئی ہیں۔پارسی مذہب دنیا کے قدیم ترین مذاہب میں سے ہے۔اس کے صحیفوں کے دو مجموعے ہیں دساتیر اور ژنداوستا۔دساتیر نمبر 14 میں جو ساسانیل سے منسوب ہے اس میں نہ صرف اسلامی تعلیمات کا بیان ہے بلکہ حضرت محمد ﷺ کی آمد کے بارے میں واضح پیشن گوئی موجود ہے۔یہ پیشین گوئی واضح ترین الفاظ میں ہے۔لکھا ہے

''جب ایرانی لوگ اخلاقیات میں بہت زیادہ گر جائیں گے۔تو ایک شخص عرب میں پیدا ہوگا۔جس کے پیروکار ایرانیوں کے تخت و تاج، مذہب اور ہر چیز کو تہس نہس کر دیں گے وہ گھر جو بنایا گیا تھا اور جس میں بہت سے بت رکھے گئے ہوں گے اس کو بتوں سے پاک

Marfat.com

کر دیا جائے گا۔ اور لوگ اس گھر کی طرف چہرے کر کے عبادت کریں گے۔ اس کے پیروکار ایران کے، طوس کے اور بلخ کے شہروں پر اور ان کے گرد و نواح میں بڑی بڑی جگہوں پر قبضہ کریں گے۔ لوگ ایک دوسرے سے لڑائی جھگڑا و فساد کریں گے۔ ایران کے عقل مند لوگ اس کے پیروکاروں سے مل جائیں گے۔

(Islam- The Religion of All Prophets. Page 1-9)

بدھ مت کے صحیفوں میں میتایا میتریا کے آنے کی خبر دی گئی ہے۔ میتیا کے انگریزی متبادل الفاظ یہ ہیں۔

(۱) محبت کا استاد میکس ملر (Teacher of Lave)

(۲) رحم کا داعی ریس ڈیوڈ (Birdha of Kindness)

(۳) محبت یا رحمت ایس، بیل (Love or Mercifulness)

(۴) رحمت کرنے والا ہربرٹ بینس (The Merciful)

میتریا کا عربی میں متبادل لفظ رحمت ہے۔ تمام اس قسم کے یا اس سے ملتے جلتے الفاظ عربی لفظ رحمت میں شامل ہیں۔

(Muhammad in Ancient Scripture. Page: 23,24)

برما کے صحیفوں سے:

"بدھا نے ساری پوٹا سے کہا۔ میں بہترین بدھا ہوں۔ اور میرے بعد میتیا آئے گا"۔

سیلون کے صحیفوں سے:

جب آپ چلے جائیں گے تو ہمیں کون پڑھائے گا؟ اور رحمت شدہ (Blessed one) نے فرمایا۔ میں کوئی زمین پر پہلا بدھا (دعوت دینے والا) نہیں ہوں۔ جب وقت آئے گا ایک اور بدھا دنیا میں ظاہر ہوگا۔ ایک مقدس، جو انتہائی نورانی ہوگا، جو بہترین اخلاقی دانش کا حامل ہوگا۔ کائنات کو جاننے والا، ایک بی بدلی رہنما انسانیت کے لئے۔ اس کے پیروکار کئی ہزار ہوں گے جب کہ میرے کئی سو ہیں۔ وہ میتریا کے نام سے جانا

Marfat.com

جائے گا۔ (Muhammad in Ancient Scripture. Page: 1-2)

یہ تمام پیشین گوئیاں یہ بتاتی ہیں کہ علم کا ایک منبع اور بھی ہے جسے ''وحی'' کہتے ہیں۔ ورنہ یہ دنیا کے مختلف علاقوں، زبانوں اور قوموں سے تعلق رکھنے والے انبیاء حضرت محمد ﷺ کی آمد کے بارے میں متفقہ طور پر نہ بتاتے۔ اتنے مختلف علاقوں، زبانوں اور قوموں سے تعلق رکھنے کے باوجود اور مختلف مذاہب ہونے کے باوجود یہ تمام انبیاء حضرت محمد ﷺ کی آمد پر متفق ہیں۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ وحی ایک انتہائی قابل اعتماد علم کا ذریعہ ہے اور تمام مذاہب کی بنیاد اسی ذریعہ علم پر ہے۔ اور تمام انبیاء ایک ہی خدا کے نبی تھے اور تمام انبیاء کو اسی ایک خدا کی طرف سے وحی حاصل ہوتی تھی۔ آپ کیا کہتے ہیں اس سلسلے میں؟

دہریہ: آپ کا نقطہ نظر صحیح ہے۔ اور یہ پیشین گوئیاں مذاہب کا ایک منفرد پہلو اجاگر کرتی ہیں۔ کیونکہ ہم دہریے لوگ تو مذہب کو معاشرتی اور بشریاتی ارتقاء (Social and Anthropological Evolution) کے حوالے سے دیکھتے ہیں اور اسی کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ مگر یہ پیشین گوئیاں تو ایک نیا پہلو مذہب کا اجاگر کرتی ہیں۔ اور بتاتی ہیں کہ مذہب نے معاشرتی اور عمرانی ارتقاء انسانی میں حصہ تو لیا ہے مگر یہ معاشرتی یا عمرانی ارتقاء کی پیداوار نہیں ہے۔ مذہب کی بنیاد ''خدا کی طرف سے وحی'' پر ہے۔ اس حوالے سے میں چاہوں گا کہ آپ کچھ مزید دلائل فراہم کریں۔

فہیم: یہ تمام لوگ جانتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ دنیاوی لحاظ سے بالکل ان پڑھ (Unlettered) بندے تھے۔ انہوں نے کسی بھی انسان سے علم حاصل نہیں کیا۔ بلکہ ان کا تو پورا معاشرہ ہی ان پڑھوں پر مبنی تھا۔ عرب کا معاشرہ تو ان پڑھ معاشرہ تھا اور چند گنے چنے لوگ ہی پڑھے لکھے تھے۔ حضرت محمد ﷺ اس معاشرے میں نبوت کے اعلان سے پہلے 40 سال تک رہے۔ ان 40 سالوں میں انہوں نے کبھی بھی کسی سے بھی علم حاصل نہیں کیا۔ انہوں نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی۔ وہ تو پڑھ سکتے ہی نہیں تھے۔ وہ اپنی صداقت اور امانت کے لیے اس کافر اور جاہل معاشرے میں مشہور تھے۔ اچانک ایک دن

Marfat.com

وہ اعلان کرتے ہیں کہ وہ نبی ہیں اور ان کو ایک مقرب فرشتے جبرئیل کے ذریعے ایک خاص علم حاصل ہوا ہے۔ اس اعلان کے بعد وہ دنیا کے بہترین استاد، فلسفی اور دانش مند بن جاتے ہیں۔ وہ انسانیت کو ایک کتاب دیتے ہیں۔ جس کا نام قرآن ہوتا ہے۔ اور اس قرآن میں انسانیت کے مسائل کا حل پیش کیا جاتا ہے اور صدیوں بعد ظہور پذیر ہونے والے حقائق کا بیان کیا جاتا ہے۔ یہ علم کی اچانک بوچھاڑ (Sudden Burst of Knowledge) کی توجیح صرف وحی کے وجود کو تسلیم کر کے ہی کی جاسکتی ہے۔ لہٰذا آیئے چند سائنسی حقائق پر مبنی وحی الٰہی دیکھتے ہیں۔

نمبر 1: نیوٹن کا زمانہ 1642 سے 1727 تک ہے۔ نیوٹن نے اپنی زندگی میں مستقل وقت (Absolute Time) اور میکانکی کائنات (Mechanical Universe) کا تصور دیا۔ 1879ء میں آئن سٹائن آیا۔ اس نے اپنا نظریہ اضافیت 1905ء میں دیا۔ لہٰذا تقریباً 200 سال تک سائنس کی دنیا میں ''مستقل وقت'' کا نظریہ مانا جاتا رہا۔ اور نظریہ اضافیت کے بعد سائنس کی دنیا وقت کے اضافی ہونے سے آگاہ ہوئی۔ مگر قرآن نے وقت کے اضافی ہونے کے بارے میں 13 صدیاں پہلے بتا دیا تھا۔ اور انتہائی سادہ عام فہم طریقے سے اس حقیقت کو بیان کر دیا تھا، سورۃ السجدہ (32) آیت 5 میں ارشاد ہوتا ہے۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ (السجدہ)

''وہ آسمان سے زمین تک تمام امور کی تدبیر کرتا ہے آخر کار تمام امور اسی کی طرف راجع ہوتے ہیں ایک ایسے دن میں جو تمہارے حساب سے ایک ہزار سال کے برابر ہے''۔

اس آیت میں اللہ کے امور کا ایک دن ہمارے حساب سے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ لہٰذا یہ آیت ہمیں اضافیت وقت کے بارے میں بتاتی ہے۔ اور یہ اضافیت ہمارے اور الٰہی وقت کے درمیان ہے۔

Marfat.com

سورۃ المعارج (70) آیت نمبر 4 میں ارشاد ہوتا ہے کہ

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝ (المعارج)

''ملائکہ اور روح اس کی طرف عروج کرتے ہیں ایک دن میں، جو تمہارے حساب سے 50 ہزار سال کے برابر ہے''۔

اس آیت میں قرآن انسان اور دوسری مخلوق (ملائکہ اور روح) کے درمیان اضافیت وقت کی بات کرتا ہے۔ اور اس آیت سے معلوم ہوا ہے کہ وقت کی اضافیت نہ صرف مکاں کے حوالے سے ہے بلکہ مخلوقات کے حوالے سے بھی وقت اضافی ہے۔ اور دو مخلوقات کا وقت کا احساس ایک جیسا نہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک بالکل ان پڑھ بندے کو اضافیت وقت کے بارے میں یہ علم کیسے ہوا۔ جب کہ آج اس جدید زمانے میں بھی زیادہ تر پڑھ لکھے لوگ بھی اضافیت وقت اور وقت کے مستقل ہونے کے درمیان فرق کو نہیں سمجھ سکتے۔ اس معمے کا صرف یہی ایک حل ہے کہ ہم اس کے اس دعوے کو تسلیم کر لیں۔ کہ اسے وحی کے ذریعے علم عطا ہوتا ہے۔

نمبر 2: سورۃ الذریات (51) آیت 47 میں ارشاد ہوتا ہے کہ

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ۝ (الذریات)

''ہم نے یہ آسمان اپنے ہاتھوں (قوت) سے بنائے ہیں اور ہم ان کو وسعت دے رہے ہیں''۔

پھیلتی کائنات کا نظریہ سائنسی دنیا کا ایک مسلمہ نظریہ ہے۔ اس نظریے کے بارے میں تفصیل (Illustrsted Reference Book of Universe) اور کتاب (A Brief History of Time) اور اس موضوع پر دوسری سائنسی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ یہاں پر پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک مکمل طور پر ان پڑھ بندے کو کائنات کے پھیلاؤ کے بارے میں کیسے علم حاصل ہوا۔ جب کہ یہ علم 14 ویں، 15 ویں صدی تک

Marfat.com

کے سائنس دانوں کے پاس بھی موجود نہیں تھا۔ یہ تو 20ویں صدی کی دریافت ہے۔ ان کے پاس کوئی دوربین تو نہیں تھی جس کے ذریعے انہوں نے کائنات کا مشاہدہ کر کے یہ نتیجہ نکالا ہو۔ حتی کہ گلیلیو کے پاس دوربین ہونے کے باوجود وہ خود کائنات کے پھیلاؤ سے نا آشنا تھا۔ کیونکہ کائنات کا پھیلاؤ تو دوربین میں آنے والی چیز ہی نہیں۔ لہٰذا ماننا پڑتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کا جو دعویٰ تھا کہ انہیں وحی ہوتی ہے خالق کائنات کی طرف سے اور انہیں یہ سارا علم وحی کے ذریعے عطا ہوتا ہے۔ وہ دعویٰ حضرت محمد ﷺ کا ٹھیک تھا۔

نمبر3، سورۂ یٰسین (36) آیت 40 میں ارشاد ہوتا ہے کہ

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝

''سورج کو اجازت نہیں کہ وہ چاند کو پکڑ لے۔ نہ رات، دن سے آگے نکل سکتی ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدار (Orbit) میں تیرتا ہے''۔

قرآن نے عربی میں لفظ کل استعمال کیا ہے۔ تمام کے تمام ستارے۔ کل ستارے۔ دوسرا لفظ یسبحون استعمال کیا ہے جس کا مطلب تیرنا ہے چلنا نہیں ہے۔ تو قرآن نے اصل صورت حال بتائی ہے کہ فی الحقیقت ستارے تیرتے ہی ہیں۔ ایک دنیاوی لحاظ سے بالکل ان پڑھ بندہ بغیر کسی دوربین کی مدد کے کیسے فضا میں تیرنے والے سیاروں کے بارے میں اور ان کی حرکت کے بارے میں درست ترین طریقے سے بتا سکتا ہے۔ اس معمے کا یہی حل ہے کہ ''وحی'' کی حقیت اور وجود کو علم کا ایک ذریعہ یا ماخذ ہونا تسلیم کر لیا جائے۔

نمبر4: سورۂ رحمٰن (55) کی آیت 19، 20 میں ارشاد ہوتا ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝

''اس نے دو سمندر بہائے ہیں کہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ مگر وہ ایک دوسرے میں ضم نہیں ہوتے۔ کیونکہ ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہے''۔

اس آیت میں قرآن اس کرۂ ارض پر ایک ایسی جگہ کا پتہ دیتا ہے۔ جہاں دو سمندر آپس

Marfat.com

میں ملتے ہیں اور ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہے۔ جس کی وجہ سے ان دو سمندروں کا پانی ضم نہیں ہوتا۔ یہ جگہ ایک فرانسیسی محقق جیک وی کوسٹیو نے دریافت کی۔ اس نے دریافت کیا کہ بحیرہ روم اور بحیرہ اوقیانوس کیمیائی اور حیاتیاتی لحاظ سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ اس نے دریافت کیا کہ جبرالٹر کی پٹی (Strait of Gibralta) کے جنوبی کنارے (مراکش) اور شمالی ساحل (سپین) پر پانی کے اندر میٹھے پانی کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ یہ دو مختلف ساحلوں پر واقع پانی کے چشمے ایک دوسرے کی طرف 45 کے زاویے پر بڑھتے ہیں اور ایک کنگھی نما چیز بناتے ہیں جن کے دندانے ایک دوسرے میں بالکل صحیح بیٹھ (Fitin) جاتے ہیں جس سے پانی کے اندر ایک پردہ بن جاتا ہے۔ اس پردے کی وجہ سے بحیرہ روم اور بحر اوقیانوس ایک دوسرے میں ضم نہیں ہوتے۔ اس دریافت اور تحقیق کے بعد جب کوسٹیو کو قرآن کی اس آیت کا علم ہوا تو اس نے اسلام قبول کر لیا۔

(قرآنی آیات اور سائنسی حقائق صفحہ 57,56 جلد اول)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کو ان دو سمندروں کے درمیان پانی کے نیچے اس پردے کا کیسے علم ہوا۔ جب کہ انہوں نے کبھی سمندروں کا سفر کیا ہی نہیں اور اگر سفر کیا بھی ہوتا۔ تو پانی کے نیچے تحقیق کرنے کے لئے تو آکسیجن کا سلینڈر اور وہ خاص قسم کا لباس درکار ہوتا ہے جو ان کے زمانے میں نہیں تھا۔ لہٰذا ماننا پڑتا ہے کہ انہیں اس حقیقت کا علم وحی کے ذریعے ہوا۔ اور وحی بھی ایک ذریعہ علم موجود ہے جس کا دعویٰ انبیاء کرتے رہے ہیں۔

نمبر 5: قرآن کے الفاظ اور بیان (Subject Matter) میں اندرونی حسابی تنظیم (Mathemetical Interlocking) پائی جاتی ہے جس کی طرف قرآن کی سورۂ مدثر (74) آیات 31,30 میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ان آیات میں 19 کے ہندسے کا ذکر ہے۔ ان آیات میں کہا گیا ہے کہ 19 کا ہندسہ ایمان والوں کے ایمان میں اضافہ کرے گا۔ 19 کے ہندسے کے اس راز سے پردہ ابھی اس موجودہ دور میں کمپیوٹر کا قرآنی تجزیہ کرنے سے اٹھا ہے۔ قرآن کی تمام سورتیں سوائے سورۂ توبہ کے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع ہوتی ہیں۔

Marfat.com

اگر آپ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے حروف کو ب سے رحیم کی م تک گنیں تو یہ 19 بنتے ہیں۔اب اس آیت کے بڑے بڑے اجزاء 4 ہیں یعنی اسم، اللہ، رحمٰن، رحیم۔ اب یہ چاروں الفاظ قرآن میں جتنی دفعہ استعمال ہوئے ہیں۔وہ ہندسہ 19 پر تقسیم ہو جاتا ہے۔مثلاً

اسم=19 دفعہ پورے قرآن میں استعمال ہوا ہے۔

اللہ=2698 مرتبہ(142=19÷2698)

الرحمٰن=57 مرتبہ(3=19÷57)

الرحیم=114 مرتبہ(6=19÷114)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم=114

اس کے علاوہ بھی بہت سے دوسرے الفاظ اور سورتوں میں 19 کا ہندسہ کارفرما ہے۔ ایک بالکل ان پڑھ بندہ حضرت محمد ﷺ آج سے چودہ صدیاں پہلے کیسے 19 کے ہندسے کی بنیاد پر پوری 6666 آیات کی ضخیم کتاب بنا ڈالے۔اور بغیر کسی کمپیوٹر کی مدد کے ہر لفظ کا یاد رکھے کہ میں نے کتنی بار استعمال کیا ہے یہ لفظ۔تا کہ 19 کا ہندسہ خراب نہ ہو۔ اور بڑی بات یہ ہے کہ یہ 19 والی حقیقت تو حضرت محمد ﷺ کے زمانے میں اور پچھلی 14 صدیوں میں کسی کو پتہ ہی نہیں تھی۔ یہ تو اب اس جدید دور میں کمپیوٹر کی مدد سے جب تحقیق کی گئی تو یہ حقیقت دریافت ہوئی کہ قرآن میں 19 کے ہندسے کی بنیاد پر قرآن میں شماریاتی نظم بندی (Mathematical Interlocking) کی گئی ہے۔لہٰذا ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ وحی ایک ذریعہ علم ہے جو نبیوں کو حاصل ہوتا تھا۔اور حضرت محمد ﷺ کو قرآن بذریعہ وحی ہی عطا ہوا تھا۔

نمبر6:ایک اور حیران کن دریافت یہ ہے کہ قرآن میں 32 آیات سمندر کے بارے میں ہیں۔اور زمین کے بارے میں یا خشکی کے بارے میں 13 آیات ہیں۔

سمندر+زمین=45=13+32

سمندر کے پانی کی فیصدی مقدار=71.11111111=100x32/45

Marfat.com

خشکی کی فیصدی مقدار=28.88888889=100x13/45

سمندر+ خشکی=71.11111111+28.88888889=100%

موجودہ سائنس نے ابھی ابھی معلوم کیا ہے کہ کرۂ ارض پر پانی کی مقدار 71.111% ہے جب کہ خشکی کا حصہ 28.889% ہے۔ حضرت محمد ﷺ کو یہ علم کہاں سے ہوا کہ خشکی اتنی ہے کرۂ ارض پر اور پانی اتنے فیصد ہے لہٰذا میں آیات کی درجہ بندی اس انداز سے کروں کہ خشکی اور پانی کی فیصد مقداران سے حاصل کی جا سکے۔ اس کا ایک ہی جواب ہے کہ حضرت محمد ﷺ کو واقعی اللہ کی طرف سے وحی ہوتی تھی۔ اور ان کو یہ علم وحی کے ذریعے حاصل ہوا۔

نمبر 7: دنیا کی بڑی بڑی قد آور شخصیات گزری ہیں۔ مگر حضرت محمد ﷺ اور لوگوں کو چیلنج دے رہے ہیں۔ کہ اگر تم قرآن کے بارے میں شک کرتے ہو۔ کہ یہ وحی کی کتاب نہیں بلکہ میں نے خود بنالی ہے۔ تو پھر اس کتاب جیسی تین آیات (سورۂ کوثر 108) بنا کر لے آؤ۔ اور اللہ کے علاوہ جس کو مرضی چاہو اپنا مددگار بنالو اس کام کے لئے۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ اور اگر تم یہ سورت بنا کر نہیں لا سکتے تو پھر میرے دعوے کو تسلیم کرلو۔ کہ یہ خدا کی طرف سے وحی کے ذریعے مجھ پر نازل ہوتی ہے اور یہ میری کتاب نہیں ہے۔

(۲) دوسرا چیلنج قرآن نے ہدایت کے حوالے سے انسانیت کو دیا ہے۔ سورۂ قصص (28) آیت 49۔

قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾

"کہہ دیجئے کہ تم ایک کتاب اللہ سے لے آؤ۔ جو ان دونوں سے بہتر ہدایت کرتی ہو۔ تا کہ میں اس کی پیروی کروں۔ اگر تم اپن دعوے میں سچے ہو"۔

ایک ان پڑھ شخص اپنے وقت کے اور آنے والے وقتوں کے لوگوں کو چیلنج کرتا ہے کہ اگر اس کتاب سے زیادہ ہدایت والی کتاب تم لا سکتے ہو تو لے آؤ۔ میں اس کی پیروی کروں

Marfat.com

گا۔اس کرۂ ارض پر کوئی ایک کتاب ایسی نہیں۔ جو زندگی کا مکمل ضابطہ حیات انسانیت کو دیتی ہو سوائے قرآن کے۔

(۳) سورۂ طٰہٰ (20) آیت 124,123

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى ۖ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ﴿١٢٣﴾ وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ ﴿١٢٤﴾

''جو میری ہدایت کی اتباع کرے گا۔ وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ مشقت میں پڑے گا۔ اور جو میرے ذکر (قرآن) سے اعراض کرے گا۔ تو اس کی معیشت (زیست، زندگی) تنگ ہو جائے گی۔ اور قیامت والے دن ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے''۔

اس آیت میں اپنے وقت کے آنے والے وقت کے لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ جو اس کتاب سے اعراض کرے گا۔ تو اس کی زیست تنگ ہو جائے گی۔ آج جس کی زندگی جتنی تنگ ہے وہ قرآن سے اتنا ہی دور ہے۔ دنیا کو دیئے گئے یہ چیلنج آج بھی قائم ہیں قرآن کی عظمت کے بارے میں بھی قرآن نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ سورۂ ص آیت 88,87

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿٨٧﴾ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ ﴿٨٨﴾

''یہ ایک پیغام سے کم نہیں۔ یہ ہدایت ہے ساری دنیا کے لئے۔ اور تمہیں اس کی سچائی و عظمت کے بارے میں کچھ عرصہ بعد ہی معلوم ہوگا''۔

اس آیت میں قرآن نے بتا دیا ہے کہ اس کی عظمت کا ادراک تمہیں آنے والے وقتوں میں ہوگا۔ ایک ان پڑھ کیسے دنیا کے تمام عالم فاضل اور پڑھے لکھے لوگوں کو چیلنج دے سکتا ہے لہٰذا ہمیں یا تو حضرت محمد ﷺ کی بات ماننی پڑے گی کہ یہ قرآن ان کی کتاب نہیں بلکہ وحی کے ذریعے انہیں عطا ہوئی ہے۔ یا پھر ہمیں وہ چیلنج ماننا پڑے گا۔ اور قرآن کے مقابلے کے لئے اس جیسی کتاب سامنے لانی ہوگی۔ جو انسانیت کے تمام مسائل کا حل پیش کر سکے۔

Marfat.com

لہٰذا قرآن کا وجود وحی کی موجودگی کو ثابت کرتا ہے۔ یہاں یہ بتاتا چلوں کہ میں نے صرف چند سائنسی آیات پیش کی ہیں ورنہ تو یہ تعداد میں سینکڑوں ہیں۔ کیونکہ قرآن کے نفسیاتی، فلسفیانہ، عمرانیاتی، سیاسی، سماجی، معاشی، اخلاقی وغیرہ بہت سے پہلو ہیں۔ جن پر تفصیلی گفتگو کی جاسکتی ہے۔ وہ ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ لہٰذا اس گفتگو سے ہم اس منطقی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ''وحی'' بھی ایک قابل اعتماد ذریعہ علم ہے۔ اور چونکہ ''وحی'' خدا کی طرف سے ہی نازل ہوتی ہے انبیاء پر۔ لہٰذا خدا کا وجود بھی ثابت ہوتا ہے۔ اور دہریت کی نفی ہوتی ہے۔

سوال نمبر 9: میرا نواں سوال یہ ہے کہ کیا زندگی صرف یہی اس دنیا کی زندگی ہے یا اس زندگی کے بعد یا مرجانے کے بعد کوئی اور زندگی بھی موجود ہے۔ یا نہیں؟

دھریہ: موت کے بعد کسی زندگی کو سائنس نہیں مانتی۔ زندگی بس اس دنیا کی زندگی ہے اور مرنے کے بعد انسان بس ختم۔

فہیم: ہم اس سلسلے میں سائنسی تحقیق پر گفتگو بعد میں کریں گے۔ پہلے تو ہم انسانی خواہش کو دیکھتے ہیں کہ کیا انسان کی خواہش یہ ہے۔ مثلاً کیا آپ کی یہ خواہش ہے کہ آپ کی ایک لمبی زندگی ہو۔ جس میں آپ خوب مزے کریں۔ اور موت کے بعد بھی کوئی زندگی ہو تو پھر کیا بات ہے۔

دھریہ: یقیناً زندگی انسان کی عزیز ترین چیز ہے۔ اور ہر انسان کی یہ دلی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی زندگی لمبی سے لمبی ہو۔ اور موت کے بعد بھی اگر کوئی زندگی ہو تو کیا ہی بات ہے۔

فہیم: جب ہم نے ارتقاء پر گفتگو کی تھی تو ارتقاء میں جو بنیادی عنصر ارتقاء کا تھا وہ خواہش (Desire) ہی تھی۔ مختلف جانور اپنے جسم کے مختلف حصوں کو اپنی شدید ترین خواہش (Desir) کے تحت تبدیل کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا یہ شدید ترین خواہش (Desire) اب بھی موجود ہے۔ لہٰذا منطقی طور پر ارتقاء کو یہاں ختم نہیں ہونا چاہیے اور زندگی کی اس شدید خواہش کو موت کے بعد زندگی کی کوئی اور صورت تخلیق کرنی چاہیے کوئی نیا انداز جو کثیف کی بجائے لطیف ہو۔ لہٰذا موت کے بعد زندگی کا امکان تو میکانکی تصور حیات کے

Marfat.com

تحت بھی ممکن ہے۔ اس حوالے سے یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ کیا منطقی لحاظ سے کوئی امکان یا اندیشہ ہوسکتا ہے موت کے بعد کسی اور زندگی کا۔

دھریہ: جہاں تک امکانات کا تعلق ہے تو بالکل امکان ہے اس بات کا کہ موت کے بعد بھی کوئی زندگی ہو۔ اور ہم اس امکان کو مسترد نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس کرۂ ارض پر حیات کی لاکھوں اقسام ہیں۔ لہٰذا امکانات کے حوالے سے ممکن ہے کہ موت کے بعد کسی اور قسم کی یا طرز کی زندگی کا وجود ہو۔ مگر اس کے لئے سائنسی شواہد کوئی نہیں۔

فہیم: مذہب تو ہمیشہ سے حیات کی لطیف اقسام کی بات کرتا رہا ہے۔ مثلاً فرشتے، جن، بھوت وغیرہ۔ اسی طرح دنیا کے تمام مذاہب اس بات پر متفق ہیں کہ انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے۔ مشرق میں اور مختلف مذاہب میں ایسے لوگ موجود رہے ہیں۔ جو فرشتوں یا جنوں سے بات چیت کر سکتے تھے۔ اب جو پیراسائیکالوجی میں جدید تحقیق ہوئی ہے اس سے سائنس مذہب کے دروازے پر آ گئی ہے جان وائٹ کی تالیف (Fronties of Conciousness) ایسی کتاب ہے جو پڑھنے کے قابل ہے اور اس سے آپ کے شبہات لطیف مخلوق کے بارے میں دور ہو جائیں گے۔ مثلاً اس کتاب میں ''بھوت'' کے بارے میں لکھا ہے کہ

کیا ہم کسی گھر میں نفسیاتی ٹھنڈے نقاط کی توجیح کر سکتے ہیں اور کرۂ ارض کی بعض جگہوں پر کشش ثقل کے بگاڑ کی توجیح کسی کی مداخلت یا انرجی کی منتقلی سے کر سکتے ہیں۔ اس قسم کا ہمیں مقروضہ چاہیے ہوا میں معلق ہونے کے مظہر اور بھوتوں کے مظہر کی توجیح کے لئے۔ کیونکہ ان دونوں مظاہر میں کشش ثقل جزوی طور پر اس حصے میں معطل ہو جاتی ہے۔

(Fronties of Conciousness. Page 72)

''بریف ہسٹری آف ٹائم'' کتاب میں سٹیفن ہاکنگ لکھتا ہے کہ

ہم اب یہ جان گئے ہیں کہ ہر ذرے کا ایک ضد ذرہ موجود ہے۔ جس کے ساتھ یہ فنا ہو سکتا ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ ان اینٹی ذرات سے اینٹی لوگ اور اینٹی دنیائیں بنی ہوئی

Marfat.com

موجود ہوں۔(صفحہ 73)

لہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اینٹی لوگ یا لطیف مخلوقات موجود ہوں۔اب آتے ہیں انسانی روح کی طرف۔انسانی روح کا وجود سائنسی طور پر معلوم کرلیا گیا ہے۔اس حوالے سے ہنری کونوائے (Hanry Convoy) کی تحقیق پڑھنے کے قابل ہے۔وہ کہتا ہے۔

''انسانی روح ایک گہرا ترین معمہ ہے۔مگر طبیعات اور ادویات میں جو دریافتیں اور تحقیق ہوئی ہے وہ انسان کو روح کے بارے میں مفید معلومات فراہم کررہی ہیں تا کہ روح کو سمجھا جا سکے۔ اور اس کی ایک وسیع زماں (Expended Time) میں ظاہری موجودگی کا پتہ دیتی ہیں۔

جب انسان شعور سے موت کی طرف منتقل ہوتا ہے۔تو روح اندرونی طور پر سکڑنا شروع کرتی ہے پورے جسم سے اور پھر انسانی دماغ کے حصے سیریبرل کے اگلے کنارے کی نالی میں اور چوتھے وینٹریکل کے پچھلے کنارے میں غائب ہو جاتی ہے۔(Frontiers of Conciousness. Page 247) یہ نفسیاتی چیز جو بھی ہے جو نیند اور موت میں غائب ہو جاتی ہے۔اس کی صفات ضد مادہ (Anti Matter) والی ہیں۔

ڈائیرک نے یہ معلوم کیا ہے کہ اینٹی میٹر (Anti Matter) کی برقی (Electric) خصوصیات مادے سے متضاد ہیں۔لہٰذا انسانی روح کی برقی صفات انسانی جسم سے متضاد ہیں۔انسانی روح برقی طور پر منفیت رکھتی ہے اور انسانی جسم برقی طور پر مثبیت رکھتا ہے۔ یہ متضاد برقی منفیت کی خصوصیات اس وقت رونما ہوتی ہیں جب روح جسم میں متحرک ہوتی ہے یعنی جب کبھی خیال، جذبات، ارادہ یا نشوونما کے عوامل جسم میں ہو رہے ہوتے ہیں جب بندہ شعور میں ہوتا ہے تو سر کی کھوپڑی کا اوپر والا پچھلا حصہ برقی طور پر منفی ہوتا ہے۔ اور جب بندہ بے شعور ہوتا ہے تو یہ حصہ برقی طور پر مثبت ہو جاتا ہے۔وولٹیج انتہائی کم ہوتی ہے تقریباً ایک وولٹ کا دو کروڑواں حصہ (20 Millionth)

(Frontiers of Conciousness. Page 249)

Marfat.com

ڈاکٹر ریمانڈ موڈی نے موت کے بعد زندگی کے موضوع پر تین کتابیں لکھی ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں "Life After Life" "Reflections on Life After Life" اور The Light Beyond۔ ان حیران کن کتابوں میں ڈاکٹر ریمانڈ موڈی نے اپنی تہلکہ آمیز تحقیق پیش کی ہے۔ جو 100 سے زیادہ ایسے لوگوں کے تجربات پر مبنی ہے جن کو ڈاکٹروں نے مردہ قرار دے دیا تھا (Clinical Death)۔ مگر وہ دوبارہ جی اٹھے۔ ان کے دلچسپ اور حیران بیانات موت کے بارے میں اور موت کے بعد آپس میں اتنے ملتے جلتے ہیں۔ اتنے واضح اور اتنے غالب طور پر مثبت ہیں کہ ان بیانات نے ہمارے زندگی، موت اور موت کے بعد روحانی دنیا کے بارے میں ہمارا نقطہ نظر تبدیل کر دیا ہے۔

(Life After life Out Page end)

الزبتھ کلبر Life After life کے پیش لفظ میں لکھتی ہے۔

یہ تحقیق ہی ہے جیسے ڈاکٹر موڈی نے کی ہے جو کئی لوگوں کی عقلوں کو روشن کرے گی۔ اور اس بات کی تصدیق کرے گی جو ہمیں 2000 سال سے پڑھایا جا رہا ہے کہ موت کے بعد ایک اور زندگی بھی ہے۔ ڈاکٹر موڈی کی تحقیقات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مرنے والا مریض اپنے گرد و نواح کا شعور رکھتا ہے جب کہ اسے ڈاکٹروں کی طرف سے مردہ (Clinically Dead) قرار دے دیا جاتا ہے۔ اس قسم کے تمام مریضوں کو جو تجربہ ہوا ہے وہ جسم سے باہر تیرنے کا ہوا ہے۔ جس میں بہت زیادہ اطمینان اور دلجمعی کا احساس ہوتا ہے۔ زیادہ تر لوگ اپنے اس مہربان کا ادراک رکھتے تھے جس نے زندگی کے آخری مرحلے کو سر کرنے میں اس کی مدد کی۔ اور دوسری زندگی میں اسے سدھارا۔

(Life After life. Foreword)

انسانی جسم کے اندر ایک جسم لطیف ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں اب کوئی شک نہیں رہ گیا۔ پیراسائیکالوجی کی تحقیق نے اس موضوع کو واضح کر دیا ہے۔ اور اب تو اس جسم لطیف کا حجم اور حدود اربعہ بھی معلوم کر لیا گیا ہے۔ اور اس کا فوٹو کے ذریعے تجزیہ کر کے انسانی نفسیات

Marfat.com

کے بارے میں جانا جاسکتا ہے۔ کیرلیان فوٹوگرافی (Carlion Photography) جدید فوٹوگرافی ہے جوایک روسی سائنس دان کیرلیان نے ایجادکی تھی۔اس کے ذریعے جوانسانی جسم کی تصویر لی جاتی ہے۔تو اس تصویر میں انسان کے جسم لطیف کا حدود اربعہ واضح ہوتا ہے۔اس فوٹوگرافی سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا جسم لطیف 8 میٹر کے قطر میں پھیلا ہوتا ہے۔کراچی پاکستان میں کلفٹن بلاک 9 میں Institute of Mind Scinces ہے اس میں Aura Photography کی جاتی ہے۔اورانسانی جسم لطیف کے بارے میں بتایا جاتا ہے۔اسی طرح (Mind Scinces) اور یوگا کی تحقیق سے اب ایسی ٹیکنیک حاصل کر لی گئی ہیں۔کہ انسانی دماغ میں پروگرام (Software) بھر کر اس قابل بنایا جاسکتا ہے کہ انسان اپنے جسم لطیف کو جسم کثیف سے اپنی مرضی کے مطابق علیحدہ کر سکے۔پاکستان میں اس پروگرام کے بانی پروفیسر معز حسین ہیں جنہوں نے ایک دماغ کا (Software) بنایا ہے جسے انہوں نے 4th Dimension کا نام دیا ہے۔یہ پروگرام اگر انسانی دماغ میں بھر دیا جائے۔تو پھر وہ انسان اس قابل ہو جاتا ہے۔کہ وہ اپنے جسم لطیف کو اپنی مرضی سے جسم کثیف سے علیحدہ کر سکے۔تو موجودہ دور میں جسم لطیف کو جسم کثیف سے علیحدہ کرنے کی ٹیکنالوجی بنالی گئی ہے۔جس کو عجمی تصوف کی زبان میں خلع بدن کہا جاتا ہے۔تو اب میں ان 9 سوالوں پر گفتگو کرنے کے بعد آپ سے سننا چاہوں گا کہ آخر کار آپ کن نتائج تک پہنچے ہیں۔وہ آپ خود بتائیں۔

دھریہ: ہم ان نتائج پر پہنچے ہیں کہ

(۱) کہ اس کائنات میں ایسی موجودات بھی ہیں جو نظر نہیں آتیں مگر موجود ضرور ہیں۔اور سائنس اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ انسانی حواس سے ماوراء بھی چیزیں موجود ہیں۔ یعنی موجودات کا دائرہ محسوسات سے باہر بھی موجود ہے۔

(۲) جو کچھ حواس محسوس کرتے ہیں یا مشاہدہ کرتے ہیں۔حقیقت اس سے مختلف ہو سکتی ہے۔دوسرے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ کچھ حقیقتیں ایسی ہیں جن کا ادراک ہمارے

Marfat.com

حواس نہیں کر سکتے۔

(۳) ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کائنات کی حقیقت لطیف ہے کثیف نہیں۔ اور سائنس کی تحقیق کی سمت بھی کثیف سے لطیف کی طرف ہے۔

(۴) ہم نے سائنسی بنیادوں پر اس حقیقت کو سمجھا ہے کہ قانون اتفاق کا اطلاق نہ کسی عمل ایجاد پر ہوتا ہے نہ کسی عمل تخلیق پر۔ حتی کہ سادہ ترین چیز سوئی بھی قانون اتفاق کے ذریعے نہیں بن سکتی۔ کسی بھی عمل ایجاد یا تخلیق کے لئے شعور کا وجود ناگزیر ہے۔

(۵) ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ چونکہ چھوٹی سی چھوٹی ایجاد و تخلیق کے عمل کے لئے شعور کا وجود ناگزیر ہے۔ لہٰذا اتنی زبردست اور حیران کن کائنات کی تخلیق کے لئے ایک کائناتی شعور کا وجود ناگزیر ہے۔ چاہے ہم اس کے بارے میں تفصیلات جان سکیں یا نہیں۔ مگر اتنی بات یقینی ہے کہ ایک کائناتی شعور موجود ضرور ہے۔

(۶) ہم نے یہ جان لیا ہے کہ جدید سائنس دوسرے زمان و مکاں کے وجود کے بارے میں مثبت رویہ رکھتی ہے۔ اور دوسرے جہانوں کے نظریے کی تصدیق کرتی ہے۔

(۷) ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ علم کی بنیاد ایمان پر ہے۔ یعنی کچھ بنیادی حقیقتوں کو مفروضوں کو قوانین کو بغیر تحقیق کے تسلیم کر لینا۔ اور ایمان علم کی تمام شاخوں میں ایک کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔

(۸) ہم نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ انسانی حواس سے ماوراء بھی علم کے ذرائع اور منابع موجود ہیں۔ اور ''وحی'' ایک ذریعہ علم ہے۔ اور قرآن وحی کے وجود کا ایک زندہ ثبوت ہے۔ اور قرآن وحی کے وجود کے ذریعے خدا کے وجود کا بھی ثبوت فراہم کرتا ہے۔

(۹) ہم نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی بھی ہے۔ اور اس میدان میں سائنسی تحقیق موت کے بعد ایک اور زندگی جو جسم لطیف کے ساتھ ہوگی اس کا پتہ دیتی ہے۔ اور اس زندگی کا زمان و مکاں موجودہ زمان و مکاں سے بہت زیادہ وسیع ہے۔

فہیم: مجھے امید ہے کہ آپ اب سائنسی لحاظ سے اور منطقی بنیادوں پر وجود خدا اور

Marfat.com

مذہب کی حقانیت کے قائل ہو چکے ہوں گے۔

دھریہ: جی ہاں! بالکل آپ نے میرے تمام تر شبہات وشکوک کا سائنسی اور علمی بنیادوں پر جواب دے کر مجھے وجود خدا کا اور مذہب کی حقانیت کا قائل کر لیا ہے۔ مگر صرف ایک پہلو اس حوالے سے رہ گیا ہے۔ جس پر میں وضاحت چاہوں گا۔

علت اولیٰ کی دلیل (The First Cause Argument)

علت اول یا علت اولیٰ کی دلیل جو کہ برٹرینڈ رسل نے اپنی کتاب Why I am not a Christian کے صفحہ 15 میں رد کی ہے۔ رسل صاحب کہتے ہیں کہ علت اولیٰ کی دلیل میں آج کل اتنا وزن نہیں ہے۔ اگر ہر چیز کی ایک علت ہے یا ہونی چاہیے تو پھر خدا کی بھی کوئی علت ہونی چاہیے۔ اگر کوئی چیز بغیر علت کے ہو سکتی ہے تو پھر خدا کی بجائے ہم کہتے ہیں کہ وہ کائنات ہے جس کی کوئی علت نہیں۔ لہٰذا اس دلیل کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی۔ کوئی وجہ نہیں کہ دنیا یا کائنات بغیر کسی وجہ کے وجود میں نہیں آ سکتے یا نہ آئے ہوں۔ یا دوسرے الفاظ میں یہ کوئی وجہ نہیں۔ کہ کائنات ہمیشہ سے موجود نہ رہی ہو یعنی قدیم نہ ہو۔ اس کی بھی کوئی وجہ معقول نہیں کہ ہم یہ فرض کریں کہ کائنات کی کوئی ابتدا بھی تھی۔ یہ خیال کے ہر چیز کی ابتدا ہونی ضروری ہے۔ ہمارے تصور وخیال کی کوتاہ اندیشی (Poverty) کی وجہ سے ہے۔ (Why I am not a Christian. page 15)

فہیم: برٹرینڈ رسل کی علت اولیٰ والی دلیل پر اس اعتراض کے مختلف پہلو بنتے ہیں۔ ان پر ہم باری باری گفتگو کر کے برٹرینڈ رسل کی اپنی کم فہمی، کم نظری، اور کج نظری کو واضح کریں گے۔

(ا) ان کا کہنا ہے کہ اگر ہر چیز کی ایک علت ہے تو پھر خدا کی بھی ایک علت ہونی چاہیے۔ مجھے لگتا ہے کہ برٹرینڈ رسل صاحب نے شاید علت اولیٰ کی دلیل کو صحیح طور پر سمجھا ہی نہیں۔ اس دلیل کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی چیز پہلے موجود نہیں تھی اور پھر وجود میں آ جاتی ہے تو اس کے وجود میں آنے کی کوئی علت ہونی چاہیے۔ چونکہ کائنات پہلے موجود نہیں تھی۔ یہ کرۂ

Marfat.com

ارض، یہ سیارے، یہ ستارے، یہ کہکشائیں پہلے موجود نہیں تھیں۔ لہٰذا ان کے وجود میں آنے کے لئے کوئی علت ہونی چاہیے۔ علت اولیٰ کی دلیل یہ نہیں کہتی کہ ہر چیز کی علت ہونا ضروری ہے۔ اگر رسل صاحب یہ کہیں کہ یہ کائنات وجود میں نہیں آئی بلکہ قدیم ہے اور واجب الوجود (Self Existent) ہے۔ تو پھر اس کائنات کے لئے کسی علت کی ضرورت نہیں ہوگی۔ مگر جدید تحقیق جو فزکس اور اسٹروفزکس میں ہوئی ہے۔ اس کے تحت کائنات واجب الوجود (Self Exisfent) نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے وجود میں آنے کے لئے علت اولیٰ کی ضرورت ہے۔ اب علت اولیٰ (First Cause) کا قانون یہی ہے کہ کوئی چیز جو پہلے موجود نہیں تھی وجود میں آتی ہے تو اس کے لئے کوئی نہ کوئی علت ہونی چاہیے۔ اگر آپ کائنات کا اور اپنی روزمرہ زندگی کا مشاہدہ کریں تو آپ کو سینکڑوں ہزاروں ثبوت اس قانون کے مل جائیں گے۔ جب ہم اس علت کی زنجیر کو پچھلی جانب بڑھاتے ہیں تو یہ کائنات کی ابتدا پر پہنچ جاتی ہے۔ اب جدید سائنس کے مطابق کائنات اربوں سال پہلے بڑے دھماکے سے وجود میں آئی۔ بڑے دھماکے سے پہلے کائنات کا وجود نہیں تھا اور جب یہ کائنات وجود میں آئی ہے تو اس کی کوئی علت ہونی چاہیے۔ اگر وہ علت خود واجب الوجود نہیں ہے تو پھر اس کے لئے ایک اور علت کی ضرورت ہے لہٰذا یہ سلسلہ کسی واجب الوجود علت پر ہی ختم ہوگا۔ اور اس واجب الوجود علت کو مذہب کی زبان میں خدا کہا جاتا ہے۔

بگ بینگ تھیوری کے بارے میں سٹیفن ہاکنگ کی کتاب بریف ہسٹری آف ٹائم کے صفحہ 124 پر لکھا ہے کائنات کے ابتدائی طور پر انتہائی گرم ہونے کا نظریہ پہلی دفعہ جارج گیمو نے 1948 میں دیا۔ یہ ابتدائی گرم شعاعیں 1965ء میں پینز یاز اور ولسن (Panzias and Wilson) نے دریافت کیں۔

کٹی فرگوسن اپنی کتاب (Quest for Theory of Everything) کے صفحہ 77 پر لکھتی ہے کہ

ذرات کے جوڑے، فوٹون یا گریویٹون کے جوڑے مسلسل ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

Marfat.com

بدلنے نہ پائیں یا ان میں کوئی گڑبڑ نہ پیدا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر ٹائم کی میکانکس کے ذریعے وقت کی توضیح وتوجیح نہ کی جاسکتی۔ لہٰذا یہ جو وقت ایک ہی سمت میں چل رہا ہے یہ خدا کی موجودگی کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ اور یہ خدا وہی ہے جو وقت کو ایک ہی سمت میں چلا رہا ہے۔ (صفحہ 262 ایرو آف ٹائم)

(۲) اب برٹرینڈ رسل کے اعتراض کا دوسرا پہلو لیتے ہیں کہ اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ کیوں یہ دنیا بغیر کسی علت کے وجود میں نہیں آسکتی"۔

اس پہلو سے برٹرینڈ رسل صاحب متعصب مولوی بن گیا ہے۔ اور اس نے تمام تر سائنسی تحقیق، سائنسی قوانین اور اصولوں کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اس کو چاہیے کہ کائنات سے، دنیا سے سائنسی تحقیق سے اس بات کا ثبوت فراہم کرے کہ اس قانون کے تحت فلاں حالت میں تخلیق یا ایجاد بغیر کسی علت کے بغیر کسی شعور کے وجود میں آسکتی ہے۔ جب کہ ان کے مقابلے میں قانون علت تو کائنات میں دنیا میں ہر جگہ کارفرما ہے۔ تو علت ہونے کا قانون سائنسی دنیا، تجرباتی دنیا اور مشاہداتی دنیا کا ایک مسلمہ قانون ہے لہٰذا اس کو صرف رسل صاحب کی ضد، ہٹ دھرمی اور کوتاہ نظری کی وجہ سے مسترد نہیں کیا جاسکتا۔ اگر رسل صاحب بضد ہیں تو وہ کائنات سے کوئی ایک مثال ایسی دے دیں۔ جہاں تخلیق بغیر کسی علت کے عمل میں آئی ہو۔

(۳) برٹرینڈ رسل صاحب اپنے اعتراض میں فرماتے ہیں۔ کہ آخر کیوں نہ مان لیں کہ دنیا ہمیشہ سے موجود ہے۔ (واجب الوجود)

یہاں پر بھی جدید سائنس برٹرینڈ رسل کے عقیدے کے خلاف کائنات، کہکشاں، نظام شمسی، کرۂ ارض، مادہ اور مادے کے ذرات کی تخلیق کے سائنسی شواہد مہیا کرتی ہے۔ اور ثابت کرتی ہے کہ یہ دنیا ہمیشہ سے موجود نہیں رہی بلکہ تخلیق ہوئی ہے۔ لہٰذا ہم برٹرینڈ رسل کی یہ بات نہیں مان سکتے کہ یہ دنیا ہمیشہ سے موجود ہے۔

(۴) برٹرینڈ رسل اپنے اعتراض میں چوتھی عقل دشمنی کی بات یہ کرتے ہیں کہ" یہ خیال کہ ہر

Marfat.com

چیز کی ایک ابتدا ہونی چاہیے یہ انسانی تخیل کی کوتاہ بینی پر مبنی ہے''۔

یہاں بھی برٹرینڈ رسل صاحب متعصب مولوی بن جاتے ہیں۔ مولوی صاحب بھی دوسرے اگر دلیل پہ دلیل دیں تو نہیں مانیں گے۔ اور اپنی بات بغیر دلیل کے ہی چاہیں گے سارے مان لیں۔ اگر وہ کہتے ہیں کہ چیزوں کی ابتداء ضرور ہونی چاہیے۔ یہ خیال کوتاہ بینی پر مبنی ہے۔ تو وہ اپنی وسعت نظر کی اور وسعت علمی کی بنیاد پر کوئی ایک دلیل کائنات سے اپنی زندگی سے فراہم کریں۔ کیونکہ اس قانون سے کائنات کی کوئی چیز مستثنیٰ نہیں ہے۔ اگر کوئی ہے تو رسل صاحب اس کی نشاندہی کریں۔ اور اگر وہ اپنے آپ کو سائنسی ذہنیت والے سمجھتے ہیں تو اپنی بات پر سائنسی دلیل پیش کریں۔ اور یہ ہر چیز کی ابتدا ہونے والا نظریہ روزمرہ کے تجربات و مشاہدات پر مبنی ہے نہ کہ کوتاہ بینی پر۔

لہٰذا اس تمام گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ علت اولیٰ کا قانون ٹھیک ہے اور نافذ العمل ہے اور برٹرینڈ رسل کے اعتراض جدید سائنسی تحقیق سے رد ہو چکے ہیں۔ لیکن اگر وہ نہ مانیں تو ان کے لئے دوسرے دلائل بھی موجود ہیں مثلاً کائناتی شعور والی دلیل اور کائنات کی شعور والی دلیل کو کسی طور رد نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ کٹی فرگوسن کی کتاب a Quest for Theory of Everything کے صفحہ 94,93 پر لکھا ہے کہ

''جتنا ہم خوردبینی اور کائناتی سطح پر دریافتیں کرتے جاتے ہیں۔ ہم اتنا زیادہ اس تصور کے قائل ہوتے جاتے ہیں کہ کچھ خاص قسم کی منصوبہ بندی اور حیران کن ترتیب و تنظیم کی ضرورت ناگزیر تھی اس کے لئے کہ ہم وجود میں آسکیں''۔

میکانکی تصور حیات کے منطقی تضادات

میکانکی تصور حیات میں بہت سے منطقی تضادات (Paradoxess) پائے جاتے ہیں جن کی کوئی توجیح و توضیح پیش نہیں کی جا سکتی۔ مثلاً

(۱) تمام انسانی علم کائنات سے اخذ شدہ ہے۔ مگر کائنات کو بذات خود کوئی علم نہیں ہے۔

(۲) تمام کائناتی عوامل اور حرکت اور تخلیق کا عمل اس طرح منتہی ہوتے ہیں کہ کوئی

Marfat.com

زبردست دماغ کوئی کائناتی شعور اس میں کارفرما ہے مگر کائنات خود کسی قسم کے شعور سے عاری اور خالی ہے۔

(۳) انسان کا ہر لفظ، ہر عمل ہر خیال ریکارڈ ہو رہا ہے۔ مگر اس کا مقصد کچھ نہیں ہے اور یہ سب بے کار اور فضول ریکارڈنگ کا عمل ہو رہا ہے۔ جب کہ مذہب اس کا مقصد یہ بتاتا ہے کہ یہ ریکارڈ روز محشر پیش ہوگا۔

(۴) کائناتی مادے میں کوئی زندگی نہیں تھی۔ مگر اچانک اس مردہ اور بے جان مادے سے حیات تخلیق ہوگئی۔

(۵) کائنات میں بہت سے قوانین فطرت ہیں۔ زندگی کا قانون، موت کا قانون، حرکت کے قوانین وغیرہ۔ مادے میں کائنات میں عقل و شعور نہیں ہے مگر مادے نے کائنات نے اپنے لئے ہزاروں لاکھوں قوانین بنائے ہوئے ہیں۔ اور پھر عقل و شعور کے بغیر ان قوانین پر عمل درآمد بھی ہوا ہے۔ اور ان میں فرق بھی کیا جاتا ہے۔

(۶) مادے میں نہ جذبات ہیں نہ ارادہ نہ اخلاق۔ مگر اس نے حیات کی صورت میں یہ تینوں تخلیق کر لی ہیں۔ یعنی چینی کے دو چمچوں نے مل کر نمک تخلیق کر لیا ہے۔

(۷) گوریلے بن مانس اور انسان میں کروموسومز کے حوالے سے دیکھا جائے تو صرف ایک جوڑے (Pair) کا فرق ہے مگر معروضی (Objective) طور پر دیکھا جائے تو یہ فرق ناقابل پیمائش ہے۔

(۸) انسان بن مانس جانور سے بنا۔ جنگلوں میں پلا بڑھا۔ اور اچانک اس میں مذہب کا تصور پیدا ہو گیا۔ یہ مذہب کا تصور کیوں آیا انسان میں۔

(۹) کوئی کام صحیح ہے کوئی غلط ہے۔ صحیح و غلط کا نظریہ انسان میں کیوں پیدا ہوا۔

(۱۰) نبوت کا سلسلہ انسانیت میں کیسے پیدا ہو گیا۔ کیونکہ کچھ لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور اس کے لئے بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کیں۔ اور وحی پر مبنی خیالات بھی دیئے۔

(۱۱) آخرت یا موت کے بعد زندگی کا نظریہ کیوں پیدا ہوا۔

Marfat.com

(۱۲) مستقبل بینی، الہام، کشف وغیرہ کی قوتیں انسان میں کیوں پیدا ہوتی ہیں جب کہ مادے میں یہ نہیں ہیں۔

یہ والے تضادات اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سے منطقی تضادات ہیں جو میکانکی تصور حیات میں موجود ہیں لہٰذا مذہب کا وجود خدا کا نظریہ زیادہ منطقی سائنسی اور عملی شواہد پر مبنی ہے۔ میرا خیال ہے اب آپ مذہب کی حقانیت اور وجود خدا کے قائل ہو گئے ہوں گے۔ لیکن اگر آپ کے مزید کوئی شکوک وشبہات ہیں تو ہم گفتگو جاری رکھتے ہیں۔

دہریہ: آپ کا بہت بہت شکریہ۔ میرے کوئی مزید شکوک وشبہات نہیں ہیں۔ جہاں تک خدا کے وجود اور وحی کی حقانیت کا تعلق ہے مجھ پر یہ بالکل روز روشن کی طرح واضح ہو گیا ہے۔ اور مجھے اب خدا کے وجود کے بارے میں یا مذہب کی حقانیت کے بارے میں کوئی شبہ نہیں رہا۔ مجھے تو اب اس کی فکر لگ گئی ہے کہ میں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ ضائع کر دیا ہے۔ لہٰذا اب میں اگلے جہان کی اور موت کے بعد آنے والی زندگی کی تیاری کیسے کروں۔ اور کیا میں جو گناہ اب تک کر چکا ہوں وہ اللہ معاف کر دے گا۔

فہیم: اگر آپ کو حقیقی طور پر دل میں پچھتاوا اور ندامت ہے تو آپ کسی دن نہا دھو کر وضو کر کے دو رکعت نماز مغفرت ادا کریں۔ دو رکعت کے بعد آپ باضابطہ طور پر اللہ کے سامنے توبہ کریں۔ اپنے گزشتہ گناہوں کی معافی مانگیں۔ دل میں پکا ارادہ کریں کہ آئندہ زندگی میں گناہوں سے بچیں گے اور اللہ سے دعا بھی کریں کہ اللہ آپ کو گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ تو پھر آپ تسلی رکھیں کہ میرا اللہ غفور ورحیم ہیں وہ آپ کے گناہ بخش دے گا معاف کر دے گا۔

دوسری بات جو آپ نے کی کہ میں اگلے جہان کی تیاری کیسے کروں۔ تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن میں متقین، مومنین، مخلصین وغیرہ کی صفات دی ہوئی ہیں۔ آپ ایک باترجمہ قرآن لے لیں۔ اور عربی وترجمہ پڑیں۔ تشریح نہ پڑھیں اس میں فرقہ واریت کے علاوہ کوئی کام کی بات نہیں۔ لہٰذا بس عربی اور ترجمہ پڑھیں۔ جہاں کوئی عمل سے متعلق (Do's

Marfat.com

or Dont's) والی آیات آتی ہیں وہ نوٹ کرتے جائیں اور عمل کرتے جائیں۔ آپ کی تیاری شروع ہو جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی آپ کو اللہ کا جو نام اچھا لگتا ہے اس کا ورد دل میں ہمہ وقت اٹھتے بیٹھتے کیا کریں۔ اللہ کرم کرے گا۔ مجھ سے پوچھیں گے تو میں دو ذکر بتاؤں گا وہ یہ ہیں۔

1۔ رَبُّنَا اللّٰہ

2۔ رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ ط

پہلے ذکر نمبر 2 کا چلہ کریں۔ ایک وقت مقرر کر لیں اور روزانہ اس مخصوص وقت پر بیٹھ کر تنہائی میں اللہ کی موجودگی کا تصور کرتے ہوئے 664 مرتبہ یہ ذکر کریں۔ اس کے علاوہ صبح ایک وضو کر لیں بعد میں وضو ہو یا نہ ہو۔ ہمہ وقت اٹھتے بیٹھتے دل میں یہ ذکر کرتے رہیں۔ اسی طرح ذکر نمبر 1 کا بھی چلہ کریں۔ کبھی ذکر نمبر 1، کبھی نمبر 2۔

یہ دونوں ذکر قرآن میں دیئے ہوئے ہیں۔ اللہ آپ کو ہدایت کے راستے پر کامیابی عطا فرمائے۔ شکریہ۔

احقر

میجر فہیم رضا

Marfat.com

Bibliography

1۔قرآن مجید،ترجمہ عبداللہ یوسف (انگریز) شاہ رفیع الدین (اردو)

2۔انجیل مقدس

3- Adventure of Brown Girl in her search for God. By I.I. Kazi

4- The Arrow of Time By: Peter Coveny and Roger Highfield.

5- A Brief History of Time By: Stephen W. Hawking

6- Quest for a theory of everything By: Kitty Ferguson

7- Why I am not a christian By: Bertrand Russel

8-.Mysticism and logic By: Bertrand Russel

9- The Pleasure of philosophy By: Will Durant

10- Life After Life By: Dr. Raymond A Moody

11- The Bible. Quran and Science By: Maurice Bucaille

12- Frontiers of conciousness By: John White

13- Black Holes and Baby Universes By: stephen W. Hawking

14- The Propbecies of Nastrodam US By: Erika Cheetham

15- Return to the Star By: Erik Von Daniken

16- The Illustrated Reference Book of the Universe By: General Editor James Mitchel.

17- Islam: The Religion of All Prophets By: Begum Aisha Bawany Waqf Karachi

18- Muhammad in Ancient Seriptures By: U Ali

19- Reconstruction of Religious Thoughts in Islam By: Dr. Allama Muhammad Iqbal

20- Ideology of the future By Dr. Rafiud Din

21۔مقدر انسانی۔ڈاکٹر لیکامت دونوائے (فرانس)

22۔قرآنی آیات اور سائنسی حقائق پانچ جلدیں،ڈاکٹر بلوق نور باقی (ترکی)

23۔رد دہریت،میجر فہیم رضا

Marfat.com

اہل علم کیلئے عظیم علمی پیشکش

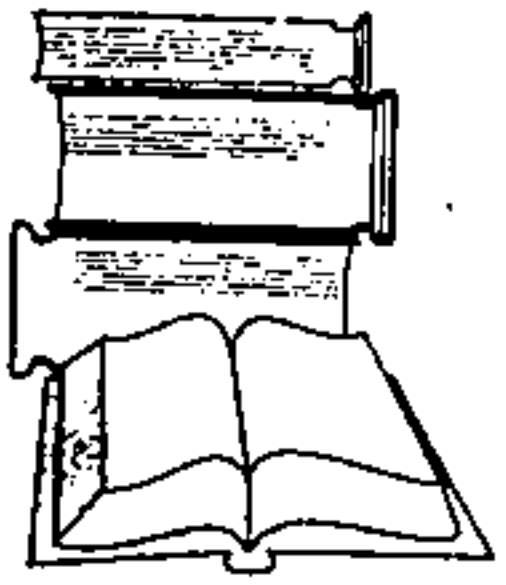

آیات احکام کی تفسیر و تشریح پر مشتمل عصر حاضر کے یگانہ روزگار اور معتبر عالم دین

حضرت علامہ سید سعادت علی قادری کے

قلم سے نکلا ہوا عظیم علمی شاہکار

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

۲ جلدیں

خصوصیات

- زندگی کے تمام شعبوں اور عصر حاضر کے جملہ مسائل کا حل
- متلاشیان علم کے لئے ایک بہترین علمی ذخیرہ
- مقررین و واعظین کیلئے بیش قیمت خزانہ
- ہر گھر کی ضرورت اور ہر فرد کیلئے یکساں مفید

آج ہی طلب فرمائیں

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ○ پاکستان

Marfat.com

خوشخبری

معروف محدث ومفسر حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا عظیم شاہکار

تفسیر مظہری 10 جلد

جس کا جدید، عام فہم، سلیس اور مکمل اردو ترجمہ "ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف"

نے اپنے نامور فضلاء جناب الاستاذ مولانا ملک محمد بوستان صاحب

جناب الاستاذ سید محمد اقبال شاہ صاحب اور جناب الاستاذ محمد انور مگھالوی صاحب

سے اپنی نگرانی میں کروایا ہے۔ چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے۔ آج ہی طلب فرمائیں

ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، کراچی۔ پاکستان

فون:۔ 7220479 -042-7221953 فیکس:۔ 042-7238010

042-7247350-7225085

021-2212011-2630411

Marfat.com

خوشخبری

مشہور و معروف محدث و مفسر حضرت امام حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ

کا عظیم شاہکار

تفسیر ابن کثیر 4 جلد

جس کا جدید اور مکمل اردو ترجمہ ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف نے اپنے نامور فضلاء

مولانا محمد اکرم الازہری، مولانا محمد سعید الازہری اور

مولانا محمد الطاف حسین الازہری سے اپنی نگرانی میں کروایا ہے۔

چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے۔ آج ہی طلب فرمائیں۔

ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، کراچی۔ پاکستان

فون:۔ 7220479 -042-7221953 فیکس:۔ 042-7238010

042-7247350-7225085

021-2212011-2630411

Marfat.com

میجر فہیم رضا نے ابتدائی تعلیم پشاور میں حاصل کرنے کے بعد 1982 میں پاک فوج میں شمولیت اختیار کی 1984 میں پی ایم اے کاکول سے پاس آؤٹ ہوئے 1991 میں پہلی کتاب "ردِ دہریت" کے نام سے لکھی 1996 میں سندھ یونیورسٹی جامشورو سے ایم اے سیاسیات میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔

مندرجہ ذیل کتب کے مصنف ہیں

- ردِ دہریت
- قادیانی عقائد کا علمی تجزیہ
- عرفانِ ذات
- قرآن کے نور سے ولی اللہ بنیے!
- *Why I am not Agnostic*
- *Reforms Package For Pakistan*

1Z470

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور۔ کراچی ○ پاکستان